اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ
یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ

بیعت اور پیرِ آمر کلیمی شاہ

مصنف:
مفسر قرآن ابوالاحسان شارح مثنوی حضرت علامہ پیرزادہ سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ آمری
حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی عمت فیوضھم

بیعت اور پیر آمر کلیمی شاہ

مصنف:

مفسر قرآن ابوالاحسان شارح مثنوی حضرت علامہ پیرزادہ
سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری
جعفری الجیلانی الخلفائی عمت فیوضھم

بسمہٖ سبحانہ

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً

سایہ طوبیٰ و حوض کوثر و باغ بہشت
خوش مقامے باشد اما با جمال ذوالجلال

اے ذکر ترا در دل ہر دم اثرے دیگر
وے از تو بہ ملک جاں دارم خبرے دیگر

بردوخت دل و دیدہ از دیدن غیر حق
نبود دل مجنوں را جز این ہنرے دیگر

ہر چیز کزو جستی بہر تو مہیا کرد
تو ہیچ نمی گوئی کاں خالق اشیا کو

(حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

نام کتاب : بیعت اور پیر آمر کلیمی شاہ

مصنف : مفسر قرآن ابوالاحسان شارح مثنوی حضرت علامہ پیرزادہ سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی عمت فیوضہم (فرزندِ اول شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی نوری دامت برکاتہم العالیہ)

طابع و ناشر : حضرت مولانا پیرزادہ سید محمد انعام الحق رشیدی شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی مدظلہ العالی (فرزندِ دوم شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی نوری دامت برکاتہم العالیہ)

مرتب : حضرت مولانا پیرزادہ سید محمد ضیاء الحق بصیری شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی مدظلہ العالی (فرزندِ سوم شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی نوری دامت برکاتہم العالیہ)

سنہ اشاعت : 2011ء - ۱۴۳۲ھ تعداد: 2000 قیمت: 200 روپے

پروف ریڈنگ : حکیم رضا محمد انوری شاہ آمری چشتی قادری ترپاتوری ثم بنگلوری

کمپوزنگ : صدیقہ گرافک، چینئی-5 Cell: 9444869829

ملنے کا پتہ : خانقاہِ آمریہ رحمانی ہال، 20/45، نلّنا مدلی اسٹریٹ، رائی پیٹھ، چینئی-14۔ فون: 044-28133786

فہرستِ مضامین

بگوی عشق منہ بے دلیل راہ قدم

کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

(حضرت سیدنا حافظ شیرازی علیہ الرحمہ)

خوابِ جہل از حرم قرب مرا دور فگند
ورنہ نزدیک تر از دوست کسے ہیچ ندید

(حضرت سیدنا حافظ شیرازی علیہ الرحمہ)

باہر کے اجالے مجھے کیا راہ سجھائیں
اندر کے اندھیروں میں گرفتار ہوں مولا

(مظفر وارثی)

ازیں چہ سود کہ در گلستاں وطن دارم
مرا کہ عمر چو نرگس بخواب می گزرد

(صائبؔ)

خراب وخوار ہیں سلطاں شکستہ دل ہیں امیر
کسو فقیر کی شاید کہ صحبت ان کو نہیں

(میر تقی میر)

معرفت کے مُلک کا جو جامع الاضداد ہے
شاہ ہے سلطاں ہے خسرو ہے مَلِک ہے میر ہے

(سیدنا شاہ کمالؔ دوم علیہ الرحمہ)

دامنِ مرشد پکڑ مامن میں آ
ما و من دشمن کے شر سے پا امن

(سیدنا کمالؔ دوم علیہ الرحمہ)

جس واسطے ہوا ہے تو مخلوق سیّمَا
عرفان ایزد متعال اب نہیں تو کب

جو قال عین حال ہے اور حال عین قال
حاصل ہووے وہ حال وہ قال اب نہیں تو کب

(سیدنا شاہ کمالؔ دوم علیہ الرحمہ)

برگوش دلم زغیب آواز رساں
مرغ دلِ خستہ رابہ پرواز رساں
یارب بدوستی مردانِ رہت
ایں گم شدۂ مرا بہ من باز رساں

(حضرت سیدنا ومولانا ابوسعید ابوالخیر مخزومی قدس سرہٗ)

مجھے اک ولی سے علی ملے جو علی ملے تو نبی ملے
جو نبی ملے تو خدا ملا یہی فیضِ شاہِ حجاز ہے

(حضرت پیر آمر کلیمی شاہ دامت برکاتہم العالیہ)

انتساب

والدِ ماجد شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج

سید شاہ محمد عمر

آمر کلیمی

حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی

الخلفائی نوری دامت برکاتہم العالیہ

(جو میرے استادِ شریعت اور پیر طریقت بھی ہیں)

کے نام

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا

پہلے تیرا نام لکھا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنے چند

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدو علیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ اجمعین

اس دور پُر فتن میں تصوف وسلوک کی اہمیت وافادیت کا انکار کرنا بعض مسلم حلقوں میں تعلیم یافتہ ہونے کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔ صوفیہ صافیہ کے علمی اور عملی کارناموں اور ان کی ناقابلِ فراموش شخصیات کی توہین وتحقیر کو شہرت ومقبولیت کا کامیاب وسیلہ سمجھنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہورہا ہے۔ حالانکہ طریقت کی ہمہ گیر تعلیمات نے ہر زمانے میں قومِ مسلم کو منزل کی سمت رواں دواں رکھنے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید صداقت ہے کہ جس طرح ہر دور میں شریعت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرنے والے دنیا دار علماء نے علم دین اور علمائے حق سے عوام کو فیضیاب ہونے کا موقع نہیں دیا اور ان کے اس منفی رویّہ کی تباہ کاریوں کا سیلاب نہ جانے کتنے سادہ لوح مسلمانوں کو بہا لے گیا۔ اسی طرح ڈھونگی پیروں اور نام نہاد صوفیوں نے تصوف کی پاکیزہ تعلیمات اور سچے خدا رسیدہ بزرگوں سے سطحی نظر رکھنے والے مسلمانوں کو بدظن کرنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ فرقہ بندی کا بیج بونے

میں ایسے ہی افراد پیش پیش رہے۔تاریخ کے صفحات اس تلخ حقیقت کے غماز ہیں کہ قرونِ اولیٰ مشہود لہا بالخیر سے لے کر موجودہ زمانے تک ہر صدی میں زر پرست اور جاہ طلب افراد مہدی یا مسیح یا نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے آئے ہیں۔جھوٹے دعویداران ولایت تو ہمارے معاشرہ میں ہمیشہ برساتی کیڑے مکوڑوں کی طرح دکھائی دئے۔مگر تاریخ اسلام کے تمام ادوار میں حق پرست علماء کرام اور حق گو وراست باز مشائخ عظام نے حق وصداقت کے پرچم کو سرنگوں ہونے سے بچایا۔

اپنی یادگار تصنیفات ،سدا بہار تالیفات اور دیگر تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں کے ذریعہ ان نفوس قدسیہ نے ہر طرح کے پریشان کن حالات میں امتِ مسلمہ کی سیادت وقیادت کے فرائض بہ حسن وخوبی انجام دئے۔خلوص اور للّٰہیت کے پیکر، ان عظیم رہنماؤں کی روحانیت اور جوشِ ایمانی نے قدم قدم پر ان کو طاغوتی قوتوں اور سماج دشمن عناصر پر فتحیاب ہونے کی سعادت سے ہم کنار کیا۔ملت اسلامیہ کے ان نامور سپوتوں کو مسلمانوں کے درخشاں مستقبل کے معماروں میں صف اول میں جگہ ملی۔قصہ مختصر شریعت وطریقت کی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے بغیر صحتمند معاشرہ کی تشکیل ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

حضور پرنور شفیع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کے اعمال شریعت کہلاتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ انور کے احوال اور کوائف طریقت، آپ کی روحِ اقدس کے انوار وکمالات حقیقت اور آپ کے سرِّ مقدس کے برکات وفیوضات معرفت کے ناموں سے یاد کئے جاتے

ہیں۔

شریعت ، طریقت ، حقیقت اور معرفت کے زرین اصولوں پر عمل پیرا ہونا دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کے کمالِ اتباع کا دوسرا نام ہے۔

شریعت وطریقت کے معیاروں پر ہمیں کھرا اتارنے والے اسباب میں بیعت وارادت نہایت اہم سیڑھی کی حیثیت رکھتی ہے۔

شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی نوری دامت برکاتہم القدسیہ جو راقم الحروف کے والدِ ماجد بھی ہیں اور احقر کے معلّم شریعت اور پیر طریقت بھی، آپ نے بیعت وارادت کی اہمیت اور فضیلت کو کتاب وسنت، سلف صالحین، اکابرِ امت ، مشاہیر علماء ، قدآور صوفیہ اور مختلف مکاتیب فکر سے تعلق رکھنے والے نامور اربابِ علم ودانش کے اقوال واحوال کی روشنی میں اپنے منفرد اور مثالی طرز تفہیم کے ذریعہ متعدد موقعوں پر اجاگر فرمایا۔ آپ کے ان تمام ارشادات کو آپ کے پیش کردہ دلائل اور ان کے علاوہ دلائل کے ساتھ کتابی شکل میں پیش کرنے کی تمنا ناچیز کے دل میں ایک مدت سے مچل رہی تھی۔ مگر

ع اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے

جب اس کام کا وقت آ پہنچا تو احباب کا اصرار اس یادگار پیش رفت کا اولین محرک ثابت ہوا۔ مجھ سے چھوٹے بھائی پیرزادہ سید محمد انعام الحق رشیدی شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری مدظلہ العالی (جو زیرِ نظر کتاب کے طابع وناشر ہیں) اور ان سے چھوٹے بھائی (میرے تیسرے بھائی) پیرزادہ

سید محمد ضیاء الحق بصیری شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری مدظلہ العالی جو زیر نظر تصنیف کے مرتب ہیں) نے خاکسار کو مشورہ دیا کہ جلد از جلد اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہئے تاکہ والدِ گرامی دامت برکاتہم کی دیگر تعلیمات کو منظرِ عام پر لانے کے کام میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔ جناب ڈاکٹر سجاد ظہیر احمد رحیمی شاہ آمری (ایم بی بی ایس۔ ایم اے ایم ایس) ساکن بنگلور جو میرے نسبتی برادر بھی ہیں اور میرے نہایت گہرے دوست بھی، ان کا بھی بہت اصرار تھا کہ میں اس کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچاؤں۔ جناب فضل الرحمٰن جمیل روح اللہ شاہ آمری (فرزند اول حضرت مولانا ایچ۔ بی۔ جمیل احمد صاحب کوکب شاہ آمری چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ چینئی) جو میرے شاگردِ رشید اور نہایت مخلص برادرِ طریقت ہیں، کے مسلسل اصرار اور مفید مشوروں اور بھرپور تعاون نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں بنیادی رول ادا کیا۔ برادر طریقت جناب حکیم رضا محمد انوری شاہ آمری چشتی قادری ترپاتوری ثم بنگلوری دام لطفہٗ (فرزندِ اول جناب محمد عثمان ساعی منور اللہ شاہ آمری چشتی قادری ترپاتوری ثم بنگلوری طاب ثراہٗ) نے پروف ریڈنگ کی ذمہ داری سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہوکر میری مشکل آسان کی۔ حق تعالیٰ ان حضرات کو اس دینی و ملی خدمت کا بے پایاں اجر و ثواب عطا فرمائے۔ اس کتاب میں اہلِ سنت و جماعت اور دیگر مشہور مکاتیب فکر کے بلند قامت علماء اور شیوخ کی تصانیف کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بیعت و ارادت اور تصوف سلوک کی ہمہ گیر افادیت ایک ناقابلِ تردید آفاقی صداقت ہے۔ حق تعالیٰ سے یہ بندۂ عاصی صمیمِ قلب سے دعا گو ہے کہ اس کتاب کو امتِ مسلمہ کی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی

کاوشوں میں نہایت مثبت رول ادا کرنے کا امتیاز عطا فرمائے۔

اور اسے ملتِ اسلامیہ کو دارین کی صلاح وفلاح سے ہمکنار کرنے والی سعیٔ بلیغ ہونے کی سعادت بخشے۔ میں اس موقع پر دل کی گہرائیوں سے بارگاہِ رب العزّت میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیبِ لبیب رسول عربی فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وآلہ اصحابہ وسلم کے صدقے میں اور شہنشاہِ ولایت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے میرے آقائے نعمت میرے والدِ ماجد اور پیر ومرشد دامت برکاتہم العالیہ کو تا قیامت سلامت با کرامت رکھے۔

ے

وہ رہے سدا سلامت ہے سلامتی سے جس کی
یہ ہماری کج کلاہی یہ ہمارا ناز سارا

(حضرت سید شیخن احمد کاملؔ حیدر آبادی علیہ الرحمہ)

اور ے

خدا رکھے سلامت تا قیامت میرے آمرؔ کو
مرا آمرؔ چراغ خاندانِ مصطفائی ہے

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور لسان الغیب حضرت سیدنا حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

ے

حافظؔ جنابِ پیرِ مغاں مامنِ وفاست
من ترکِ خاک بوسیِ ایں در نمی کنم

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ وعلیٰ الہ وصحبہ وبارک وسلم

پیرزادہ سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری

۱۶ - ۱۱ - ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

بحمد اللہ ''بیعت اور پیر آمر کلیمی شاہ'' کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب میں میرے والدِ ماجد اور پیر و مرشد سیدی شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی نوری دامت برکاتہم العالیہ کی تعلیمات کو میرے استاد اور قابل صد احترام بڑے بھائی مفسر قرآن ابوالاحسان شارح مثنوی حضرت علامہ پیر زادہ سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی الخلفائی مدظلہ العالی نے اپنے وسیع مطالعے اور فکرِ عمیق کی مدد سے نہایت دل نشین طرزِ تحریر میں ہدیۂ ناظرین کرنے کا یادگار کارنامہ انجام دیا ہے۔

ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معروف بہ بصیری شاہ آمری چشتی قادری (کرشنا پیٹ، چینئی) جناب محمد اقبال معروف بہ اقبال اللہ شاہ آمری چشتی قادری (انّا نگر، چینئی) اور جناب مولانا مولوی حافظ محی الدین جمالی معروف بہ محی شاہ آمری چشتی قادری (کرشنا پیٹ، چینئی) کا مجھے ہر لحاظ سے بھرپور تعاون حاصل رہا۔ اللہ رب العزت ان حضرات کو دونوں جہاں کی ہر سعادت سے مالا مال کرے۔ اور اس کتاب کو جو اپنی نوعیت کی ایک منفرد کاوش ہے مسلمانوں میں فکر آخرت پیدا کرنے جذبۂ للّٰہیت کو نقطۂ عروج پر پہنچانے اور وحدتِ ملّی کو مستحکم کرنے میں مثالی رول ادا کرنے کی سربلندی بخشے اور میرے والدِ ماجد دامت برکاتہم اور حضرت مصنف عمت فیوضھم کی عمر دراز فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام مادامت السموات والارضین

پیرزادہ سید محمد ضیاء الحق بصیری شاہ آمری حسنی الحسینی چشتی قادری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم

اہمیتِ بیعت

حق تعالیٰ اپنے کلامِ قدیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝ (سورۃ الفتح ایت ۱۰ پارہ ۲۶)

ترجمہ:- بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر، سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا، اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

صاحبِ تفسیر تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں

" اس سے مراد وہ بیعت ہے جو حدیبیہ میں حضرت عثمان کا قصاص لینے پر کی گئی تھی، اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی ﷺ سے بیعت کرنا، درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النساء : ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔"

(تبیان القرآن جلد ۱۱ ص۲۳۹ حٰمٓ ۲۶ الفتح ۴۸:۱۰-۱)

پیر محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط .... الخ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں

" حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہیں۔ کُفّارِ مکّہ بضد ہیں کہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو عُمرہ کرنے کے لیے مکّہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارِ رسالت کے سفیر بن کر مکّہ گئے ہوئے ہیں۔ اسی اثناء میں یہ افواہ پھیلتی ہے کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضورؐ کے ساتھی جنگ کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ احرام کی دو چادریں اور قربانی کے جانور یہی ان کا زادِ سفر تھا۔ لیکن یکایک ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ تعداد کی قلّت اور اسلحہ کے فقدان کی پروا کیے بغیر محض قوتِ ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل سے ٹکرانا ناگزیر ہوگیا۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوتے ہیں اور بیعت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں یہ بیعت اس بات پر تھی کہ جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے، جب تک بدن میں خون کا ایک قطرہ موجود ہے، ہم میدانِ جنگ میں ڈٹے رہیں گے اور اہلِ مکّہ کو اس

خیانت اور سفیر کشی کی عبرت ناک سزا دیں گے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ غلامانِ حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پروانہ وار دوڑ دوڑ کر حاضر ہو رہے ہیں اور اپنے آقا و مولا کے دستِ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر جاں بازی اور سر فروشی کی بیعت کر رہے ہیں۔ الغرض چودہ سو ہمراہیوں میں سے کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ البتہ جد بن قیس جو حقیقت میں منافق تھا اس نے بیعت نہ کی۔ بخدا مجھے اب بھی وہ منظر نظر آرہا ہے کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چُھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

حضور سرورِ عالمیانؐ نے اپنے ان چودہ سو جاں نثاروں اور سرفروش مجاہدین کے بارے میں اپنی زبانِ حق ترجمان سے فرمایا۔ انتم خیر اھل الارض الیوم اے اسلام کے قابلِ فخر مجاہدو! آج رُوئے زمین پر تم سب سے بہترین لوگ ہو۔ حضرت جابرؓ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی منقول ہے۔ لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ۔ جنہوں نے اس درخت کے نیچے میرے ساتھ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل

”یہ بیعت بظاہر اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پرست پر ہو رہی ہے لیکن درحقیقت یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھی۔ اگرچہ بظاہر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا۔ لیکن درحقیقت یہ دستِ خدا تھا۔ جس طرح حضورؐ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضور سے بیعت اللہ سے بیعت اور حضورؐ کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فرمایا گیا ہے۔

(تفسیرِ ضیاء القرآن جلد چہارم حٰمٓ:۲۶ صفحہ:۵۳۹-۵۴۰ الفتح:۴۸)

علامہ اسمٰعیل حقّی اس آیتِ کریمہ کی عارفانہ اور محقّقانہ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقال اھل الحقیقة هذه الاٰية كقوله تعالیٰ من يطع الرسول فقد اطاع الله فالنبی علیه السلام قدفنی عن وجودهٖ بالكلية فتحقق بالله فی ذاتهٖ وصفاتهٖ وافعالهٖ وكل ماصدر عنه صدر عن الله۔ (رُوح البیان)

ترجمہ:- اہل حقیقت ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیت اُس ارشادِ خداوندی کی طرح ہے کہ جو رسول کی فرماں برداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرماں برداری کرتا ہے۔ پس نبی کریم ﷺ اپنی ہستی سے بالکل فنا ہو کر اپنی ذات اور صفات اور اپنے افعال میں اللہ عزوجل سے بقا حاصل کر چکے تھے۔ لہٰذا جو فعل بھی حضور اکرم ﷺ سے صادر ہوتا تھا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے صادر ہوتا تھا۔

ملتِ اسلامیہ میں سلف سے لے کر خلف تک توارث و تواتر کے ساتھ جو عمل رائج ہے یعنی تاریخِ اسلام کی روشنی میں پیری مریدی کا جو ایک تسلسل ہمیں دکھائی دیتا ہے اور آج بھی اہل

اسلام کثرت سے جو عارفینِ واصلین کے دستِ حق پرست پر بیعت کے شرف سے سرفراز ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ اسی سنت کی اتباع ہے۔ علامہ اسماعیل حقّی اپنی حقائق ومعارف سے لبریز تفسیرِ قرآن جو تفسیرِ روح البیان کے نام سے شرق و غربِ عالم میں بے انتہا مشہور و مقبول ہے میں لکھتے ہیں۔

"یقول الفقیر ثبت بهذه الآية سنة المبايعة واخذ التلقين من المشائخ الكبار وهم الذين جعلهم الله قطب ارشادٍ بان اوصلهم الى التجلى العينى بعد التجلى العلمى" (رُوح البیان) (تفسیر ضیاء القرآن جلد:۴،ص:۵۴۰)

یعنی فقیر اسمٰعیل حقی کہتا ہے کہ اس آیت سے بیعت کی سنت اور مشائخ کبار سے تعلیم حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے وہ مشائخِ کرام جنھیں اللہ تعالیٰ نے قطبِ ارشاد بنایا اس طرح کہ انھیں تجلیٔ علمی سے تجلیٔ عینی کے مقام تک پہنچایا۔

حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف شانِ حبیبُ الرحمٰن مِن آیات القرآن میں لکھتے ہیں

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ (پارہ ۲۶،سورہ الفتح، رکوع ۱) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی انتہائی نعت ہے، اس میں بیعت الرضوان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر ہم ابھی دو آیتوں سے پہلے کر چکے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کئے جانے کی افواہ مسلمانوں میں پھیلی، تو حضور علیہ السلام

نے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی اور سب نے اپنے اپنے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے کر بیعت جہاد کی، پھر حضور علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا، کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے، اور اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ ہاتھ رسول اللہ کا ہے اور میں خود عثمان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں خود اپنے ہاتھ پر۔

ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

سبحان اللہ کیا شان حضرتِ عثمان ہے

؎

دستِ حبیبِ خدا جو کہ ید اللہ تھا
ہاتھ بنا آپکا آپ وہ ذی شان ہیں

نکتہ:- رسول علیہ السلام کا ہاتھ، عثمان کا ہاتھ اور حضور علیہ السلام کا ہاتھ خدا کا ہاتھ، تو نتیجہ نکلا کہ عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، اور قرآن اللہ کا کلام، تو اللہ کے کلام کو اللہ کے ہاتھ یعنی عثمان غنی نے شائع کیا، اسی لئے فرمایا گیا عثمان جامع القرآن۔ اس آیت میں اسی بیعت کا ذکر ہے اور اس بیعت کے کرنے والوں کی عظمت کا اظہار ہے کہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے اس آیت

سے تین مسئلے ثابت ہوئے۔ اولاً یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں وہ قرب حاصل ہے کہ حضور کی اطاعت، حضور کی بیعت اللہ کی بیعت حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔"

(شانِ حبیب الرحمٰن من آیات القرآن صفحہ ۱۶۹-۱۷۰)

بیعتِ رضوان کی آیت کا شانِ نزول یہ واضح کرتا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے یہ بیعت اپنے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جہاد کے لئے لی تھی۔ اور حضور پرنور ﷺ کے اس مقدس عمل نے یہ بات رہتی دنیا تک کی انسانیت کو سمجھا دی کہ جہاد کے لئے بیعت لینا جائز ہی نہیں بلکہ سنت ہے۔

کفار و مشرکین سے زیادہ نفس اور شیطان انسان کے دشمن ہیں کفار و مشرکین سے جنگ و جدال کے مواقع خال خال ہی پیش آتے ہیں مگر نفس و شیطان سے ہر لحظہ جدال و قتال سے انسان کو دوچار رہنا پڑتا ہے اسی لئے آقائے نامدار ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"رَجَعنَا مِن الجِهَادِ الاَصغَرِ اِلٰی الجِهَادِ الاَکبَر"

یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں۔

اس قولِ مبارک میں حضور اقدس علیہ التحیۃ والثناء نے جہاد بالکفار کو جہادِ اصغر اور جہاد بالنفس کو جہادِ اکبر فرمایا ہے۔

دوسرا نکتہ جو اس آیتِ شریفہ پر غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ (جو اس کائنات کی اصل ہیں) کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرما کر حق تعالیٰ نے یہ راز کھول دیا کہ جسے آپ ﷺ مل گئے اُسے خدا مل گیا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

میرے سرکار کی معراج ہے قربِ معبود
میری معراج کہ میں ان کے قدم تک پہنچا

عجیب وجد آفریں بات ہے کہ بیعت کرنے والے خوش قسمت ترین لوگوں کی شان یہ ہے کہ بیعت کے عمل کے آغاز ہی سے خدا کے ارشاد کے مطابق خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اور وہ رسولِ خدا سے نہیں بلکہ درحقیقت خدائے لایزال سے بیعت کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں کہ بیعت کے بعد ایک مدت گذرتی ہے پھر ان کو حق تعالیٰ کا قرب اور وصال نصیب ہوتا ہے۔ یہ ہے وسیلۂ نبی کی دین۔ یہ ہے صحبتِ مصطفیٰ کا فیض۔ کہ بیعت کرنے والا صرف بیعت کے مرحلہ سے گذر نہیں رہا ہے بلکہ خدارسی کی منزل پر پہونچ گیا ہے۔ اس وقت مجھے منور بدایونی کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔ جو انکی ایک نعت کا مطلع ہے، وہ کہتے ہیں

نہ کہیں سے دور ہیں منزلیں نہ کوئی قریب کی بات ہے
جسے چاہے اس کو نواز دے یہ درِ حبیب کی بات ہے

قرآنِ مجید کے نظم اور اس کی ترتیب پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ قرآنِ حکیم کی ہر آیت کا

اپنی اگلی اور پچھلی آیتوں سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

بیعتِ رضوان کی آیت سے پہلی دو آیتوں میں حق تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۝

ترجمہ:- بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا۔ تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام۔

تو معلوم ہوا کہ سرکارِ مدینہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بندگانِ خدا رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر مشرف بہ بیعت ہوں۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے ذکر کے فوراً بعد حق جلّ مجدہٗ نے بیعتِ رضوان کا ذکر فرمایا ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کی رفعتِ شان اس آیت میں نہایت واضح انداز میں بیان کی گئی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کے ہاتھ کو یہ آیتِ مقدسہ حق تعالیٰ کا ہاتھ بتا رہی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ آقائے نامدار احمد مختار محمدِ عربی فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ والہ وسلم خدا نہیں ہیں خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں مگر یہ بیان خود خدا کا ہے کہ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ان کے ہاتھوں پر (جن کے ہاتھوں پر محبوبِ خدا کا ہاتھ ہے) خدا کا ہاتھ ہے

فرمایا ہے کہ

خدا کی قسم ہے خدا جانتا ہے
خدا ہی سے پوچھو مقامِ محمدؐ

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی مفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اور آپ کی یہ رباعی بھی حضور پرنور شفیعِ یوم النشور محمد رسول اللہ ﷺ کی نعت میں اپنا جواب آپ ہے۔ آپ فرماتے ہیں

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

زیرِ بحث آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بیعت کا ثمرہ خدا کو پانا ہے۔ لٰہذا یافتِ حق کے لئے بیعت ازحد ضروری ہے۔ پھر اس بیعتِ رضوان کی مقدس کارروائی کے سلسلے میں ربُّ العزّت جل مجدہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ...... الخ

ترجمہ:- البتہ تحقیق راضی ہوگیا اللہ ایمان والوں سے جب وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔

اس ارشادِ ربّانی سے معلوم ہوا کہ بیعت حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے حصول کے عظیم ترین ذرائع میں داخل ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کمالِ ایمان، کمالِ تقویٰ اور علوِّ مرتبت کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ اس عظمتِ شان کے باوجود صحابہ کی بابت ارشادِ باری ہے کہ اللہ راضی ہوا اہلِ ایمان سے جب کہ وہ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے بیعت کر رہے تھے۔ اس قرآنی صداقت سے باخبر ہونے کے بعد کوئی مسلمان بیعت کی اہمیت کا انکار کیسے کر سکتا ہے۔ بیعت کی افادیت کو اجاگر کرنے والی دونوں آیتوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ يُبَايِعُوْنَكَ کا جملہ موجود ہے اور يُبَايِعُوْنَكَ میں فعل مضارع یہ بتا رہا ہے کہ یہ مقدس عمل حال ہی کی طرح مستقبل میں بھی اپنی انوکھی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری رہے گا۔

جس درخت کے نیچے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کا فریضہ انجام دیا خدائے تعالیٰ نے کلامِ مجید میں اُس کا ذکر کر کے اس راز پر

سے پردہ اٹھا دیا کہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کے ٹھکانوں سے بھی خدا کو پیار ہوتا ہے۔ جس درخت کے نیچے محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور ان کے مقدس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وقتی طور پر ہی سہی تشریف رکھیں وہ شجر اور وہ جگہ حق تعالیٰ کو بے حد عزیز ہے۔ اہلِ ایمان کے مبارک اور خوش قسمت دل خدا کو کس قدر عزیز ہوں گے جن میں ہر وقت حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ حضرت شیخن احمد کاملؔ شطاری حیدرآبادی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے

؎

جو دل ہو جلوہ گاہِ ناز اس میں غم نہیں ہوتا
جہاں سرکار ہوتے ہیں وہاں ماتم نہیں ہوتا

کوثرؔ صاحب کہتے ہیں۔

؎

جلووں سے محمدؐ کے روشن میرا سینہ ہے
کعبہ ہے کلیجے میں اور دل میں مدینہ ہے
وہ بھی تھی مری منزل یہ بھی ہے مری منزل
جب دل تھا مدینے میں اب دل میں مدینہ ہے

بیعتِ رضوان کی آیت میں حق تعالیٰ نے رسولِ مکرم ﷺ کے دستِ مبارک کو اپنا دستِ اقدس کہا ہے اور آیتِ مبارکہ مَنۡ یُّطِعِ

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظاً ط

(پارہ ۵ سورۂ نسآء رکوع ۱۰)

(ترجمہ:- جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کو بچانے کو نہ بھیجا) میں حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت بتایا ہے اور وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (پارہ ۹، سورۂ انفال، رکوع ۲)

(ترجمہ:- اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ نے پھینکی) فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ رسولِ دو جہاں ﷺ کا مقدس عمل اللہ جل مجدہٗ کا فعل ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ○ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○ (سورۂ نجم پارہ ۲۷)

(ترجمہ:- اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے، نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے) یہ آیتِ شریفہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کا کلام کلامِ الٰہی اور وحیٔ خداوندی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حق تعالیٰ ہی کے نور سے آپ کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

"عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قلت یارسول اللہ! بِأبی أنتَ وَأُمی اَخبِرنی عَن اَوَّلِ شَیءٍ خلقه اللّٰهُ تعالٰی قبلَ الْاَشیاءِ، قال: یا جابِرُ! اِنَّ اللّٰهَ تعالٰی قَدْ خلقَ قبلَ الْاَشیاءِ نُورَ نَبِیِّكَ مِنْ نُورِهٖ، فَجعلَ ذٰالِكَ النورَ

یَدُ وُرُبِالْقُدْرَةِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی، وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَاجَنَّةٌ وَلَانَارٌ وَلَامَلَکٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَااَرْضٌ وَلَاشَمْسٌ وَلَاقَمَرٌ وَلَاجِنِّیٌّ وَلَا اِنْسِیٌّ۔ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ یَخْلُقَ قَسَّمَ ذَالِکَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ، وَمِنَ الثَّانِی اللَّوْحَ، وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ، وَمِنَ الثَّانِی الْکُرْسِیَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِیَ الْمَلَائِکَةِ، ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَمِنَ الثَّانِی الْاَرَضِیْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ۔ الحدیث بطولہ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی، فرمایا: اے جابر! بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نور قدرتِ الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور آدمی کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا اس نور کے چار حصے فرمائے، پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا، پھر چوتھے کے چار حصہ کئے، پہلے سے فرشتگان حامل عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کئے، پھر چوتھے کے چار حصے کئے، پہلے سے آسمان، دوسرے سے زمین،

تیسرے سے بہشت و دوزخ بنائے۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے الیٰ آخرالحدیث۔" ۳۲۴۸۔المواھب اللدنیہ للقسطلانی، ۵۵/۱۔شرح المواھب للزرقانی، ۵۵/۱۔مدارج النبوۃ للمحدث الدھلوی، ۲/۲۔تاریخ الخمیس للدیارالبکری، ۲۲/۱ (جامع الاحادیث کتاب المناقب/ نور مصطفیٰ صفحہ ۳۶۶ جلد چہارم ترتیب وتخریج۔ مولانا محمد حنیف خان رضوی صدرالمدرسین جامعہ نوریہ بریلی شریف)

مندرجۂ بالا حدیث پاک اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم صادرِ اول ہیں تمامی مخلوقات میں آپ ہی کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

نورِ محمدؐ مخلوقِ اول
ذاتِ محمدؐ خلقت سے بہتر

اور اس حدیث شریف سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق جَلَّ مجدہٗ نے اپنے نورِ پاک سے پیدا فرمایا۔ اور پھر آپ کے نور سے قلم، لوح، عرش، حاملینِ عرش، کرسی اور تمام فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ اور آپ ہی کے نور سے آسمان، زمین جنت اور جہنم کو تخلیق فرمایا۔ الغرض تمام مخلوقات حضور اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ آپ اصلِ موجودات ہیں۔

تو اصلِ وجود آمدی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرعِ تست

اور تمام مخلوقِ خداوندی آپ کی فرع ہے۔ میرے آٹھویں دادا پیر حضور شاہ کمالِ دوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو نور سے خدا کے ترے نور سے جہاں
تو حق کی اور خلق تری مظہری کرے

جب آقائے نامدار احمدِ مختار محمدِ عربی فداہ امی و ابی علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے نور کا ظل، پرتو یا مظہر ہیں تو آپ کی ذات خدائے عزوجل کی ذات کی مظہر، آپ کے صفات خدائے برتر کے صفات کے مظہر اور آپ کے افعال اللہ تعالیٰ کے افعال کے مظہر اور پرتو کیوں نہ مانے جائیں۔

حضور اقدس تاجدارِ مدینہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم حق تعالیٰ کے نور سے بنے اور ہر چیز نبیٔ رحمت ﷺ کے نور سے بنی اس ایمانی صداقت کے بارے میں حضرۃ العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہٗ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد تحریر فرماتے ہیں کہ

"دیکھئے مبدأ کائنات سرورِ موجودات ﷺ فرماتے ہیں۔

انا من نور اللہ و کل شئ من نوری

یعنے میں اللہ کے نور سے بنا اور ہر چیز میرے نور سے پیدا ہوئی۔"

(بشری الکرام فی عمل المولد والقیام مقاصد الاسلام حصہ اول صفحہ ۳۵)

☆☆☆☆☆

بیعت کی شرعی حیثیت

بیعت فرض ہے، واجب ہے، سنتِ مؤکدہ ہے، سنتِ غیر مؤکدہ ہے یا مستحب ہے؟ مختلف سربر آوردہ دینی شخصیات نے اس باب میں مختلف آراء کا اظہار فرمایا ہے۔

میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ جن کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری، صدر شعبۂ اردو فیڈرل گورنمنٹ اردو کالج کراچی لکھتے ہیں کہ

"میر عبدالواحد بلگرامی آسمانِ علم و فضل اور تصوف و سلوک کے وہ نیّرِ اعظم تھے کہ جن کے علم و معرفت کی ضیاباریوں سے ایک عالم روشن ہوگیا۔وہ اپنے دور کے نامور شیخ طریقت اور مشہور مصنف و شاعر تھے۔" (مقدمہ سبع سنابل از پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری سبع سنابل مترجم صفحہ ۷)

پروفیسر صاحبِ موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ

"میر بلگرامی کی تصانیف میں سبع سنابل سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں تصوف و سلوک کے اہم اور بنیادی نکات بیان کئے ہیں اور شریعت و طریقت کے تعلق کو بیان کیا ہے اور واضح طور پر بتایا ہے کہ طریقت میں شریعت کی پابندی لازمی اور ضروری ہے اور اس دور میں مسلم معاشرہ میں جو دینی بے راہ روی اور عقائد میں جو فساد شروع ہوگیا تھا اس کی اصلاح و درستی کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ (مقدمہ سبع سنابل از پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری

سبع سنابل مترجم صفحہ ۳۶، ۳۷)

اپنی یگانۂ روزگار تصنیف (جسے بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثّناء میں شرفِ قبول حاصل ہوا) میں تحریر فرماتے ہیں کہ

مریدی چیست، توبہ از گناہاں شُدن تقصیر ہارا عُذر خواہاں
مریدی عقد توبہ بستن آمد ز اخلاقِ ذمیمہ رُستن آمد
چودیں، بے توبہ، در نقصان وشین ست مُریدی، عین نصّ و فرضِ عین ست
مریدی، بیعت از عہدِ رسول ست نہ بدعتہائے جہالِ فضول ست
نخُست آورد بیعت، چار یارش وزاں پس، جملہ اصحابِ کبارش
زنان، ہم بیعتی کردندش از دل کہ شد نصِّ فبایِعْھُنَّ نازل
و زانجا تا بعہد ما رسیدہ در اطرافِ جہاں، ہرجا رسیدہ
وجوبش آمد از آغاز و انجام شدہ فَرضیَّتَش برخاص وبرعام
شُد استغفار و توبہ فرض ایں راہ بحکمِ آیۂ تُوبُوا اِلَی اللہ
جمیعاً گفت در آیہ کریمہ کہ ہرکس راست توبہ از جریمہ
وگرکس ظن بُرد، کیں فرض جازم بر استحقاق برمن نیست لازم
برُو لازم تر است ایں کار کردن وزاں ظنِّ بد، استغفار کردن
نبی ہر روز، استغفار کردے بسبعیں مرتبش تکرار کردی
وجوبِ توبہ، چوں برخاص و عام ست تفاوتہا بمقدار مقام ست
ندانی توبہ از خود کردن، اے یار برو خود را بمردِ توبہ بُسپار

(سبع سنابل مترجم صفحہ ۱۰۶-۱۰۷)

ان ابیات کا ترجمہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی (جو اس کتاب کے مترجم ہیں) حسبِ ذیل لفظوں میں کرتے ہیں۔

مریدی کیا ہے اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی عذر خواہی کرنا۔ مریدی ایک معاملہ ہے توبہ کرنے اور بُری باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا۔ چونکہ بغیر توبہ کے دین بھی نقصان میں اور بے رونق رہتا ہے لہٰذا مریدی بے حد ضروری اور ہر شخص پر لازم ہے۔ مریدی تو رسولُ اللہ ﷺ کے ساتھ ایک عہد و پیمان کی بیعت ہے نہ کہ ان جاہلوں اور فضول لوگوں کی تراشی ہوئی باتیں۔ حضور سے سب سے پہلے چار اصحاب نے بیعت کی اس کے بعد آپ کے اور اصحاب نے۔ عورتوں نے بھی حضور سے دل سے بیعت کی اس لیے کہ آیۂ بَایِعْهُنَّ نازل ہوئی۔ اس وقت سے لیکر ہمارے زمانہ تک برابر جاری اور دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچی ہوئی ہے۔ اس کی ضرورت اول آخر میں ہے اور اُس کی فرضیت ہر خاص اور عام پر۔ اس راستہ میں استغفار اور توبہ فرض ہے کہ آیت شریف تُوبُوٓا اِلَی اللّٰهِ کا حکم ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں جمیعاً بھی فرمایا گیا ہے اس لیے ہر شخص پر گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے۔ تو اگر کوئی یوں اٹکلیں دوڑائے کہ یہ فرض یقینی میرے اوپر لازم نہیں ہے تو اس پر سب سے زیادہ یہ کام ضروری ہے اور اس گمان سے توبہ اور استغفار کرنا بھی۔ نبی ﷺ روزانہ استغفار کرتے اور دن میں ستّر مرتبہ اس کی تکرار فرماتے توبہ کا وجوب تو ہر خاص اور عام پر ہے لیکن اپنے اپنے مقام کے اعتبار سے فرق ہے۔ اے دوست تو خود توبہ نہیں کر سکتا، اپنے نفس کو کسی صاحبِ توبہ کے سپرد کر دے۔ (سبع سنابل مترجم صفحہ ۱۰۷-۱۰۸)

مندرجہٴ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بیعت وارادت از قسمِ فرائض ہے۔ چونکہ توبہ اور استغفار بیعت کا جزوِ لاینفک ہوتا ہے اور توبہ فرض ہے لہٰذا حضرتِ موصوف علیہ الرحمہ کے یہاں بیعت و ارادت فرض ٹھہری۔

☆☆☆☆☆

توبہ واستغفار کی اہمیت

حضور اکرم ﷺ سیّد المعصومین ہیں جو بھی بے گناہ ہوا وہ آپ کے کرم سے بے گناہ ہوا گناہ ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین ﷺ کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ اس کے باوجود بخاری کی مندرجۂ ذیل حدیث میں دیکھئے کہ آقائے نامدار احمد مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی قسم بلاشبہ میں ایک دن میں ستّر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے دربار میں توبہ کرتا ہوں۔

مخفی مبادکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل ہم گناہگارانِ امت کی تعلیم کے لئے ہے۔ ورنہ جیسے پہلے بھی عرض کیا گیا سید المعصومین سے گناہ کا صدور محال ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استغفار کی اور بھی توجیہات ہوسکتی ہیں۔

جیسا کہ اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فقیہ الہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم ہیں پھر استغفار اور توبہ کے کیا معنی علماء نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں، ایک یہ کہ تواضعاً استغفار فرماتے تھے۔ دوسرے یہ کہ امت کی تعلیم کے لیے استغفار فرماتے تھے۔ تیسرے یہ کہ خلاف اولیٰ سے۔ چوتھے یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر آن ترقی پر ہیں ارشاد ہے وللآخرة خيرلك من الأولى۔ جب اونچے درجے پر پہنچتے اور نیچے درجے پر نظر جاتی تو اس سے استغفار کرتے جیسا کہ کہا گیا ہے حسناتُ الأبرار سيئاتُ المقربين۔ پانچویں یہ کہ امت کے لئے استغفار کرتے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ ستر ۷۰ بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ مبالغہ کے لیے ہے ستر ۷۰ کی تخصیص نہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ فرمایا کہ میں اللہ سے روزانہ سو ۱۰۰ بار استغفار کرتا ہوں۔ (نزہۃ القاری جلد ۸ الدعوات صفحہ ۳۶۹، ۳۷۰)

مندرجۂ بالا توجیہات میں پانچویں توجیہ والد ماجد شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی نوری الخلفائی دامت برکاتہم العالیہ کو زیادہ پسند ہے۔ اور یہی توجیہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کے یہاں بھی ملتی ہے۔ سورۃ النصر میں حق تعالیٰ شانہٗ نے جو اپنے

حبیبِ مکرم ﷺ کو استغفار کا حکم دیا۔ علامہ پانی پتی علیہ الرحمہ اس استغفار کا مطلب ان لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں اَوِالمعنی استغفر لِاُمَّتِكَ (تفسیرِ مظہری) یعنی یا اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اے حبیب! آپ اپنی امت کے لئے مغفرت طلب کیجئے۔ علامہ قرطبی کے نزدیک بھی استغفارِ رسول ﷺ کا یہی مطلب ہے۔ وَقِيلَ اسْتَغْفِرْ لِاُمَّتِكَ (قرطبی)

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ے

اُمتان و سیاہ کار یہا
شافعِ حشر و غم گسار یہا

اور اپنی اردو نعت کے اس شعر میں نبیٔ رحمت ﷺ کی امت کے غم میں اشکباری پر اپنے شکر گذاری کے جذبات کو کیسا پر اثر لہجہ اور والہانہ زبان دی ہے۔

ے

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ ﷺ نے دریا بہا دئے ہیں

توبہ کی اہمیت اور فضیلت درجِ ذیل حدیثِ نبوی سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَلّٰهُ

اَشَدُّ فَرحاً بِتَوْبَةِ اَحَدِکُمْ مِنْ اَحَدِکُمْ بِضَالَّتِہٖ اِذَا وَجَدَھَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک شخص کے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اس کی کھوئی ہوئی سواری مل جائے۔ (صحیح مسلم کتاب التوبہ)

صحیح مسلم شریف کی مندرجۂ ذیل حدیث بھی توبہ و استغفار کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہے۔

”وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَلّٰہُ اَشَدُّ فَرحاً بِتَوْبَةِ عَبْدِہٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْہِ مِنْ اَحَدِکُمْ کَانَ رَاحِلَتُہٗ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْہُ وَعَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَاَیِسَ مِنْھَا فَاَتٰی شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّھَا قَدْ اَیِسَ مِنْ رَاحِلَتِہٖ فَبَیْنَمَا ھُوَ کَذَالِکَ اِذْ ھُوَ بِھَا قَائِمَةً عِنْدَہٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِھَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔“ (مسلم)

(مرآت المناجیح جلد سوم ص ۳۵۸، ص ۳۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اُس پر اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جب تم میں سے کوئی شخص جنگل کی زمین میں اپنی سواری پر جائے اور سواری اُس سے نکل جائے جس پر اُس کے کھانے اور پینے کی چیزیں ہوں، وہ

اُس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے پاس آئے اور اُس کے سائے میں لیٹ جائے اور پھر اسی حالت میں اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھ لے، وہ اس کی مہار پکڑلے، پھر انتہائی خوشی میں یہ کہہ بیٹھے ”اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں یعنی شدّتِ مسرّت کے سبب بندہ خطا کر گیا۔
واقعی علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؔ مرحوم نے سچ کہا ہے

ے

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

امیرؔ مینائی مرحوم نے بہت خوب شعر کہا ہے

ے

نگاہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ
خبر نہیں تجھے کس کا گناہ گار ہوں میں

فانیؔ بدایونی کا ایک شعر مجھے اس وقت بہت یاد آرہا ہے

ے

کِیا ہے خلق مجھے باوجودِ علم گناہ
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

گناہ گارانِ امّتِ مصطفیٰ کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ جو

ربِّ کریم، جو غفور و رحیم اپنے بندہ کی توبہ پر اس قدر خوشی کا اظہار کرے اگر ہم دل کی گہرائیوں سے اپنے گناہوں پر نادم ہوکر پرنم آنکھوں کے ساتھ اس کی بارگاہِ بیکس پناہ میں توبہ کریں تو کیا وہ ہماری توبہ کی لاج نہیں رکھے گا۔ کیا وہ ہمارے اشکِ ندامت پر رحم نہیں فرمائے گا۔

پروردگارِ عالم کے رحم و کرم کی وسعتوں اور اسکی شانِ غفّاری کی بے کرانیوں کی یہ حدیث شریف بے مثل ترجمانی کرتی ہے ذیل کی حدیث پاک پڑھئے اور خدائے لاشریک کے کرمِ بے پایاں کے قربان جایئے۔

وَ عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدِ الۡخُدۡ رِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیۡ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسۡعَۃً وَّ تِسۡعِیۡنَ اِنۡسَاناً ثُمَّ خَرَجَ یَسۡاَلُ فَاَتیٰ رَاھِباً فَسَاَلَہٗ فَقَالَ اَلَہٗ تَوۡبَۃٌ قَالَ لَا فَقَتَلَہٗ وَجَعَلَ یَسۡئَالُ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اِئۡتِ قَرۡیَۃَ کَذَا وَ کَذَا فَاَدۡ رَکَہُ الۡمَوۡتُ فَنَاءَ بِصَدۡ رِہٖ نَحۡوَھَا فَاخۡتَصَمَتۡ فِیۡہِ مَلَائِکَۃُ الرَّحۡمَۃِ وَمَلَائِکَۃُ الۡعَذَابِ فَاَوۡحَی اللّٰہُ اِلٰی ھٰذِہٖ اَنۡ تَقَرَّبِیۡ وَاِلٰی ھٰذِہٖ اَنۡ تَبَاعَدِیۡ فَقَالَ قِیۡسُوۡا مَا بَیۡنَھُمَا فَوُجِدَ اِلٰی ھٰذِہٖ اَقۡرَبَ بِشِبۡرٍ فَغُفِرَ لَہٗ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیۡہِ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے

ننانوے آدمی مار ڈالے تھے پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک راہب کے پاس پہنچا اس سے سوال کیا کہ کیا اُس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے وہ بولا نہیں اس نے اسے بھی مار دیا اور مسئلہ پوچھتا پھرا پھر اسے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں جا (اس نے اُسکا نام بتایا اور کہا کہ وہاں نیک اور عالم لوگ رہتے ہیں ان سے اپنی توبہ کے قبول ہونے کے بارے میں استفسار کر) چنانچہ وہ شخص اس بستی کی طرف چل کھڑا ہوا نصف راستہ ہی طے ہوا تھا کہ اچانک اسے موت آگئی (جب اسے اپنی موت بالکل قریب محسوس ہوئی) تو اُس نے اپنا سینہ اُس بستی کی طرف کردیا۔ پھر اس کی روح قبض کرنے کے وقت رحمت و عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کو جس کی جانب وہ توبہ کرنے کے لئے جا رہا تھا حکم فرمایا کہ وہ میت کے قریب آجائے اور اُس بستی کو جہاں سے قتل کرکے آرہا تھا حکم فرمایا کہ وہ میت سے دور ہوجائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں سے فرمایا تم دونوں بستیوں کے درمیان پیمائش کرو جب فرشتوں نے پیمائش کی تو وہ توبہ کے لئے جس بستی کی طرف جارہا تھا اُس سے ایک بالشت قریب پایا گیا چنانچہ اس کی مغفرت کردی گئی (بخاری و مسلم)

ارباب بصیرت ذرا غور فرمائیں کہ حق تعالیٰ کی یہ کرم فرمائی آلِ یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر ہے تو امتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیّہ پر خدائے لایزال کس قدر مہربان ہوگا؟ سو (۱۰۰) آدمیوں کو ظلماً قتل کرنے والے کو بخشنے والے پروردگار کی

بے اندازہ رحمت سے مایوس ہونا کفار و مشرکین کا رویّہ ہو تو ہو کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا۔ جس کے دامن میں کوئی عملِ صالح نہیں ہے اُسے بھی خدا کی بے پایاں رحمتوں سے مایوس ہونا نہیں چاہئے

ندارم هیچگونہ توشۂ راہ
بجز لا تقنطوا من رحمة اللہ

وہ شخص، دینِ متین کا رمز آشنا نہیں ہو سکتا جو بڑے سے بڑے مجرم کو بھی خدا کی رحمت سے نا امید کر دے۔ جس طرح اس حدیث پاک میں مذکور راہب نے اُس گناہ گار کو رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کردیا تھا۔ اس حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ کرم فرماتا ہے تو اپنے حقوق خود معاف فرما دیتا ہے اور بندوں کے حقوق حق والوں سے معاف کروا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث پاک نے یہ بات بھی واضح کردی کہ علماء و صلحاء اور حق تعالیٰ کے مقرّبِ بارگاہ بندوں کے قرب اور ان کی معیّت میں دونوں جہاں کی صلاح و فلاح پوشیدہ ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی بستی تک پہنچنے کے ارادہ سے جو گناہ گار سفر کا آغاز کردیتا ہے اگر چیکہ اُسے خاصانِ خدا کی چوکھٹ تک رسائی حاصل نہ ہوسکے پھر بھی وہ سرخرو اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ خاصانِ خدا کی بارگاہ میں پہنچنے کی تمنا لئے ہوئے اپنی منزلِ مقصود کی

طرف قدم بڑھانے والے کی یہ شان ہے کہ صرف اس ایک حسنِ عمل کے صلہ میں اُسے ابدی زندگی کی کامیابی کا تحفہ مل جاتا ہے اور اس کے ماضی کے تمام گناہ کالعدم قرار پاتے ہیں۔ تو جو خاصانِ خدا کی بارگاہ میں خوش قسمتی سے رسائی بھی پالے اس کی کامیابی و کامرانی کا کیا ٹھکانہ۔ اللہ! اللہ! حق تعالیٰ کے فقیروں کی صحبت بھی کیسی عظیم نعمت ہے، مذکورہَ بالا حدیث شریف میں جس گناہ گار شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اسے دورانِ سفر ہی موت آگئی تھی مرتے مرتے اُس نے اللہ والوں کی بستی کی جانب رخ کر لیا تھا یہ بات بہت قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور برچیدہ بندوں کی طرف رخ کرلینا کتنا سودمند ثابت ہوتا ہے۔ مذکورہَ بالا حدیث پاک بتا رہی ہے وہ شخص مرگیا۔ مگر مرتے مرتے اس نے اپنا سینہ اللہ والوں کی بستی کی جانب کرلیا تھا۔ اور صرف اس نیکی کی وجہ سے حق تعالیٰ نے زمین کو سمٹنے کا حکم دے دیا اور اُس گناہ گار کو صرف اپنے مقرّب بندوں کے قرب کی وجہ سے بخش دیا۔ نیکو کاروں کے قرب و جوار میں پہنچ جانے کے نتائج کتنے خوبصورت ہوتے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ آیتِ کریمہ دے گی۔ یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو (القرآن)

سچوں کی صحبت ہمیں خدا کی رحمت سے سرفراز کرسکتی ہے۔ ہر نعمت سے ہمکنار اور ہر مسرت اور کامرانی سے ہم آغوش کرسکتی ہے۔ دنیا کی دو روزہ زندگی کی کیا حیثیت ہے اللہ کے اولیاء کی

صحبت تو آخرت کی ہر مشکل آسان کر دیتی ہے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم کا تقاضا یہی ہے کہ ہمیں ابدی سعادتوں کو ان افراد کے سایۂ عاطفت میں تلاش کرنا چاہئے جن پر خدائے لایزال اپنی خصوصی رحمتوں کی بارشیں برساتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث شریف میں جس قاتل و ظالم شخص کا تذکرہ ہے وہ مرنے کے بعد نیکو کاروں کی بستی سے دور ہی تھا حق تعالیٰ نے اس کی لاش کو حکم نہیں دیا کہ وہ نیکو کار لوگوں سے قریب ہوجائے بلکہ زمین کو حکم دیا کہ وہ سمٹ جائے اس طرح نیکوں کو اُن کی تلاش میں نکلے ہوئے گناہگار انسان کے قریب پہنچادیا۔ معلوم ہوا کہ حقیقت میں بندہ خدا کی رحمت سے قریب نہیں ہوتا بلکہ خدا کی رحمت خود بندے تک پہنچتی ہے۔ وہی بندے خدا کے مقبول بندوں میں شامل ہوتے ہیں جو خدا کے محبوب بندوں سے قریب ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا قربِ خاص اللہ والوں کی صحبت و معیت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ

نیک لوگوں کا قربِ مکانی زندگی کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ سوءِ خاتمہ کو حسنِ خاتمہ میں تبدیل کردیتا ہے۔ صالحین، شہداء، علماء، اولیاء اور صدیقین کے ساتھ رہنے کی وجہ سے جب ہم دولتِ کونین سے مالا مال ہوسکتے ہیں، انبیاء کے قدموں میں پہنچ کر ہر نعمتِ غیر مترقّبہ حاصل کرسکتے ہیں، جب انبیاء کی صحبت ہماری ہر شکست کو فتح میں بدل سکتی ہے تو سرورِ انبیاء تاجدارِ رسل سیدِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کر کے ہم کب گوہرِ مراد سے

تہی دامن رہ سکتے ہیں۔

جب ان کے گدا بھر دیتے ہیں شاہانِ زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے مختار کا عالم کیا ہوگا
جب ان کے غلاموں کے در پر جھکتے ہیں سلاطینِ عالم
انصاف سے کہدو آقا کے دربار کا عالم کیا ہوگا

(بیکل اتساہی)

مفلس آیا تھا ترے در پہ ، تونگر لوٹا
کافر آیا تھا، ترے در سے مسلمان گیا

(رضاء الحق آمری)

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں سیدِ عالم فخر بنی آدم حضور ختمی مرتبت جناب محمد رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ جَعْفَرِ الْجَزَرِیِّ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ الْاَصَمِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ۔(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم

گناہ نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے اور ایسی قوم لائے جو گناہ کریں پھر استغفار کریں تو اللہ انہیں بخشے (مسلم)

شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ کی حسبِ ذیل تحریر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے آپ فرماتے ہیں۔

''اس حدیث کا منشاء یہ نہیں ہے کہ لوگ گناہ کریں اور پھر مغفرت چاہیں بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں، عبادت گذار اور نیکو کار بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے رہیں۔ کیونکہ انسان کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی غیر متناہی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا، اس لیے ہر وقت اپنی عبادت کی کمی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہیئے، یا اسکا منشاء یہ ہے کہ اگر انسان سے گناہ ہوجائے تو وہ فوراً توبہ اور استغفار کرے۔ اور توبہ سے غافل نہ ہو۔''

(شرحِ صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی جلد ہفتم کتاب التوبہ صفحہ ۵۱۲)

حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں

'' اس حدیث کا مقصد لوگوں کو گناہ پر دلیر کرنا نہیں بلکہ توبہ کی طرف مائل کرنا ہے یعنی اے انسانو اگر تم بھی فرشتوں کی طرح سارے ہی معصومِ گناہ ہوتے، تو کوئی قوم ایسی پیدا کی جاتی جو غلطی و خطا سے گناہ کرلیا کرتی پھر توبہ کرتی، اسے رب تعالیٰ معاف کرتا کیونکہ خلقت رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اور

جیسے رب کی صفت رزاق ہے ایسے ہی اس کی صفت غفار بھی ہے، رزاقیت کا ظہور رزق و مرزوق سے ہوتا ہے، غفاریت کی جلوہ گری گناہ اور گناہ گار سے ہوتی ہے، جو یہ حدیث دیکھ کر گناہ پر دلیر ہو اور پھر گناہ کرے تو کافر ہوا: اور یہاں ذکر گناہ کا ہے نہ کہ کفر کا: خلاصہ یہ ہے کہ اے گنہگار رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو بلکہ توبہ کرلے، وہ غفور رحیم تجھ سے گناہ کا صدور تقاضائے حکمتِ الٰہی ہے۔ تم سے کوئی گناہ نہ ہو یہ ناممکن ہے، یہاں لے جانے سے مراد ہلاک کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں آسمانوں پر پہنچا دینا، فرشتوں کے ساتھ رکھنا اور زمین پر دوسری قوم قابل گناہ کو بسانا مراد ہے۔ (مرآت المناجیح جلدسوم صفحہ ۳۵۸)

حق تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ اس صداقت پر ذیل کی حدیث کھلی دلیل ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

مذکورہ حدیث پاک میں صیغۂ ماضی مستعمل ہوا ہے سَبَقَت فعلِ ماضی ہے اس حدیث سے ہم پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ پروردگارِ عالم کی رحمت کا ظہور اس کے قہر و غضب کے ظہور پر ہر دور میں ضرور سبقت لے جائے گا ۔ اور جب یہ ایک ایمانی سچائی ہے کہ حق تعالیٰ کے جمال کا ظہور اُس کے جلال کے ظہور پر غالب ہے تو ہم پر لازم ہے کہ ہر حال میں حق تعالیٰ

کے فضل و کرم کے امیدوار رہیں۔ جس طرح حق تعالیٰ کے قہر و انتقام سے بے خوفی منافیٔ اسلام و ایمان رویّہ ہے اسی طرح اُس کی رحمت و مغفرت سے مایوسی بھی قرآن و حدیث کی بنیادی تعلیمات سے ٹکرانے والا طرزِ فکر و عمل ہے۔

وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ ذَالَّذِیْ يَتَاَلّٰی عَلَیَّ اَنِّیْ لَا اَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَاَحْبَطْتُّ عَمَلَكَ اَوْ كَمَا قَالَ (رواہ مسلم) (بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا میں نے فلاں کو تو بخش دیا اور تیرے عمل ضائع کر دئے یا جیسے حضور انور ﷺ نے فرمایا۔

ربِّ ذوالجلال کی شانِ غفاری دیکھئے کہ گناہ گار کے گناہ کی سنگینی کو دیکھ کر کہنے والا کہتا ہے کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا اور ارحم الراحمین اُس قسم کھانے والے کی قسم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے سخت ترین گناہ گار کا بدترین نوعیت کا گناہ بخش دیتا ہے۔ گناہ بندہ کرتا ہے اور بندہ ہر پہلو سے محدود ہوتا ہے اور بخشنے والا خدا ہوتا ہے اور خدا ہر لحاظ سے لامحدود ہوتا ہے گناہوں کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے لیکن ربّ

کریم کی شانِ کریمی کی کوئی حد نہیں ہو سکتی۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ شعر کہا ہے

گنہِ رضاؔ کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے عفو ترے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

انشاءُاللہ خان انشاء نے بہت خوب شعر کہا ہے

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ پیار آتا ہے مجھ کو انشاء
اِدھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دمبدم نوازش

یہ حق تعالیٰ کا بندوں پر فضل عظیم ہے کہ اس نے بندے کی عمر کے ہر حصہ میں اس پر توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ خدا کی بے پایاں رحمت و بخشش گناہگار بندے کو ہمیشہ صدا دیتی رہتی ہے اور اس سے پکار پکار کر کہتی رہتی ہے کہ

باز آ باز آ از آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(سیدنا ابوسعید ابوالخیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ)

خدا کی رحمت نے جو ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اس کا راز یہ ہے کہ خدا کی رحمت کا یہ تقاضا ہے کہ بندہ کسی نہ کسی صورت کسی نہ کسی وقت تائب ہوکر اپنے پاک پروردگار کی آغوشِ کرم میں پہنچ جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شانِ کرم اور کمالِ عفو و مغفرت کے ظہور کا سبب بندوں کے گناہ اور خطائیں ہی بنتی ہیں جب تک موت یقینی نہیں ہوجاتی اس وقت تک توبہ کی قبولیت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

روایت ہے ابن عمر سے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک کہ غرغرہ کی حالت شروع نہ ہوجائے۔(ترمذی، ابن ماجہ)

مرقات شرحِ مشکوٰۃ کے بیان کے مطابق یہاں عبد سے مراد بندۂ کافر ہے کہ غرغرہ کے وقت کافر کی (کفر سے) توبہ قبول نہیں ہوتی۔ نزع کے عالم میں جب موت کے فرشتے دکھائی دینے لگیں اس حالت کو غرغرہ کہتے ہیں اس وقت کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ ایمان کے لئے غیب پر ایمان لانا شرط ہے غرغرہ میں چونکہ عالمِ غیب منکشف ہوجاتا ہے اور قبضِ روح فرمانے والے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں تو عالمِ غیب، عالمِ غیب نہیں رہتا لہٰذا عالمِ غیب کو دیکھ کر جو ایمان لائے اس کا ایمان بے فائدہ ہے

چنانچہ حالتِ غرغرہ میں کفر سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور مسلمان اگر غرغرہ کے وقت اپنے گناہوں پر نادم ہوجائے اور توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلی جاتی ہے۔[1]

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

"وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ یَارَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَ عِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ۔"

رَوَاهُ اَحْمَدُ (مرآت المناجیح جلد سوم ص ۳۶۶، ۳۶۵)

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ شیطان نے کہا یارب تیری عزّت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاتا رہوں گا جب تک ان کی جانیں ان کے جسموں میں رہیں گی پروردگار عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت و بزرگی کی

---

[1] (غرغرہ کی حالت میں مسلمان کی توبہ کی قبولیت کے ثبوت کے لئے دیکھئے فتاویٰ نظامیہ ص ۳۲۵) (مرآت المناجیح جلد سوم ص ۳۶۵)

قسم اور اپنی بلندئ درجات کی قسم میں ان کو بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے طلبِ مغفرت کرتے رہیں گے۔

حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

عَذَابِیٓ اُصِیبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ

عذاب میں تو میں جسے چاہتا ہوں اسی کو مبتلا کرتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔

اس ارشادِ ربّانی نے اس حقیقت کو بے نقاب کردیا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی چیز ہستی کا بوجھ اٹھا ہی نہیں سکتی۔ اس کی رحمانیت ہر چیز پر ابرِ بہار بن کر ہمیشہ سایہ فگن رہتی ہے "کُلُّ شَیۡءٍ" کی عمومیت اور ہمہ گیری گواہ ہے کہ جہاں اس نے نیکوکاروں کو اپنی آغوشِ کرم میں سمیٹ رکھاہے وہاں بدکاروں بلکہ کفار و مشرکین کو بھی بے پناہ رحمتوں کا صدقہ دیا ہے۔ مگر بندہ کو چاہئے کہ ہمہ وقت بیم و امید (ڈر اور امید) کے درمیان رہے۔ حق تعالیٰ کی رحمت کا ہر وقت امیدوار بھی رہے اور اسکے عذاب سے ڈرتا بھی رہے۔خوف ورجاء (بیم و امید) کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حسبِ ذیل ارشاد کو دلیلِ راہ بنانا نہایت نفع بخش ثابت ہوگا۔ یحیٰی بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا: اگر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو تم سب کے سب جنت میں داخل ہوجاؤ، سوا ایک شخص کے، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو تم سب کے سب

دوزخ میں داخل ہوجاؤ سوا ایک شخص کے، تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث :۱۴۲)

حضور سیدنا شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ شمعِ خاندانِ چشت (گرم کنڈہ ضلع چتور) اپنے دیوان " مخزن العرفان" میں فرماتے ہیں۔

اس سے رکھیں اے کمالؔ امید
اس سے ڈریں اختیار اُوس کا

توبہ کے سلسلہ میں ایک ضروری بات جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے یہ ہے کہ جیسا گناہ ہوگا توبہ بھی ویسی ہی ہونی ضروری ہے سرکارِ دوعالم ﷺ کا حسبِ ذیل ارشادِ پاک اس بیان کی کھلی دلیل ہے۔

۲۴۲۶۔ عن معاذ بن جبل رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه و سلم: اذا عملت سیئة فاحدث عندها توبة، توبة السر بالسر، و توبة العلانیة بالعلانیة ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی گناہ صادر ہو فوراً توبہ کر۔ پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ اور علانیہ کی علی الاعلان۔

(۱۲م، فتاویٰ رضویہ/۵۲۳)(کتاب التوبہ، توبہ کی نوعیت جامع الاحادیث صفحہ ۲۴۲ جلدسوم ترتیب وتخریج مولانا محمد حنیف خان رضوی صدرالمدرسین جامعہ نوریہ بریلی شریف)

توبہ اور استغفار سے کیا مراد ہے؟
حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ
" استغفار کے معنی ہیں گذشتہ گناہوں کی معافی مانگنا، اور توبہ کی حقیقت ہے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرلینا یا زبان سے گناہ نہ کرنے کا عہد استغفار ہے، اور دل سے عہد توبہ
(مرآت المناجیح جلدسوم صفحہ ۳۵۲_۳۵۳)
اسی عبارت میں دو سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ " توبہ صحیح یہ ہے کہ بندہ گذشتہ گناہوں پر نادم ہو، آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے، اور جس قدر ہوسکے اسی قدر گذشتہ گناہوں کا عوض اور بدلہ کردے، نمازیں ہوں تو قضا کرے، کسی کا قرض رہ گیا ہے تو ادا کردے: حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ توبہ کا کمال یہ ہے کہ دل لذتِ گناہ بلکہ گناہ بھول جائے۔
(مرآۃ المناجیح جلدسوم صفحہ ۳۵۳)
مگر دورِ حاضر کا مسلمان پہلے تو توبہ و استغفار کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ اگر کبھی مائل ہو بھی جائے تو وہ توبہ کی روح سے کوسوں دور ہوتا ہے اُس کی توبہ بے روح قالب کی طرح ہوتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

سبحہ در کف طعنہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفارِ ما

توبہ کے دوران اگر دل ذوقِ گناہ سے لبریز ہو اور وہ مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عزمِ راسخ نہ کرچکا ہو تو توبہ کا شجر کیسے بار آور ہوسکتا ہے۔ جب ہم کسی ولیٔ مرشد کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے ہیں اس کی نگاہِ کیمیا اثر کے فیض سے ہمیں توبہء نصوح یعنی خالص توبہ نصیب ہوتی ہے۔

انسان اپنے گناہوں پر جس قدر نادم اور شرمندہ ہوگا اسی قدر وہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے گا خاصانِ خدا کی صحبت کے اثر سے انسان ماضی کی بے راہ روی پر اتنا شرمسار ہوتا ہے کہ وہ گناہ کے تصور سے بھی لرز اٹھتا ہے۔ انسان کی زندگی میں یہ انقلاب صرف اللہ والوں کی صحبت ہی سے آسکتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس تاریخی اور آفاقی سچائی کی طرف اپنے اس مشہور شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

گناہ گار جب کسی مردِ حق آگاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور اُسے گواہ بنا کر حق تعالیٰ کی جناب میں خلوصِ دل سے توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے کے وسیلہ سے اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اپنے لطفِ خاص سے اس گناہوں کے عادی انسان کو ہمیشہ کیلئے اپنی نافرمانی کے دلدل سے نکال دیتا ہے۔

کسی پیرِ روشن ضمیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے نتیجہ میں حق

تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی سچی محبت کی دولت سے بھی مالامال فرما دیتا ہے۔ اور جسے حق تعالیٰ کی حقیقی محبت نصیب ہوجائے اس شخص سے گناہوں کا صدور تقریباً محال ہوجاتا ہے۔ مندرجۂ ذیل اشعار غالباً حضرت رابعہ عدویہؒ کے ہیں۔

تَعْصِی الاِلٰہَ وَ اَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہ‘ ھٰذَا لَعَمْرِی فِی القِیَاسِ بَدِیْعٌ
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقاً لَاَطَعْتَہ‘ اِنَّ المُحِبَّ لِمَن یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

یعنی تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اس کے باوجود کہ تو اُس کی محبت کا دم بھی بھرتا ہے۔
میری زندگی کی قسم عقل و منطق کے لحاظ سے یہ بات تو نہایت عجیب ہے۔
اگر (معبود سے) تیری محبت سچی ہوتی تو ہر حال میں تو اس کا فرماں بردار ہوتا۔
بلا شبہ ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کا مطیع و منقاد ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کی بحث

گناہ کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) گناہِ صغیرہ (چھوٹا گناہ)
(۲) گناہِ کبیرہ (بڑا گناہ)
علامہ تفتازانی اپنی شاہکار تالیف شرحِ عقائدِ نسفی میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَالکبیرة قد اختلفت الروایات فیها، فروی ابن عمرؓ انها تسعة الشرك بالله و قتل النفس بغیر حق، و قذف المحصنة، والزنا والفرار عن الزحف وَالسحر و اکل مال الیتیم و عقوق الوالدینِ المسلمینِ والالحاد فی الحرم، و زاد ابوهریرة اَکل الربوٰ، وَ زاد علیؓ السرقة و شرب الخمر، وَقیل کل ما کان مفسدته مثل مفسدة شیءٍ مما ذکر او اکثر منه وقیل کل ما توعّد علیه الشارع بخصوصه، و کل معصیة اصرّ علیها العبد فهی کبیرة، و کلّ ما استغفر عنها فهی صغیرة، وقال صاحب الکفایة والحقّ انهما اسمان اضافیان لایعرفان بذا تیهما، فکل معصیةٍ اضیفت الیٰ ما فوقها فهی صغیرة، وَان اضیفت الیٰ ما دونها، فهی کبیرة۔

ترجمہ :- اور کبیرہ اُس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ عبد اللہ بن عمر نے روایت کیا کہ کبائر نو ہیں (۱) شرک باللہ (۲)

ناحق کسی کو قتل کرنا (۳) پاکدامن عورت پر تہمت زنا لگانا (۴) زنا کرنا (۵) میدانِ جنگ سے بھاگنا (٦) سحر (۷) یتیم کا مال اڑانا (۸) مسلمان ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۹) حرم میں گناہ کے کام کرنا اور ابوہریرہؓ نے اکلِ ربوٰ کا اضافہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوری اور شراب نوشی کا بھی اضافہ کیا اور کہا گیا کہ جس گناہ کا فساد مذکورہ گناہوں میں سے کسی گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہو۔ وہ کبیرہ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس پر شارع نے خاص طور پر ڈرایا ہو۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ جس معصیت پر بندہ اصرار کرے وہ کبیرہ ہے اور جس سے استغفار کرے وہ صغیرہ ہے۔ اور صاحبِ کفایہ نے کہا کہ حق یہ ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں اضافی نام ہیں۔ ان کی کوئی ذاتی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ تو ہر گناہ جس کا اس سے بڑے گناہ سے موازنہ کیا جائے صغیرہ ہے اور اگر اس سے چھوٹے گناہ سے موازنہ کیا جائے تو کبیرہ ہے۔ (بیان الفوائد حصہ دوم صفحہ ۱۱۱۔۱۱۲)

خدا کی نافرمانی کو گناہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فکری سلامت روی کا تقاضا یہی ہے کہ کسی گناہ کو چھوٹا اور ہلکا نہ سمجھا جائے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صغیرہ پر اصرار (جمے رہنا) اسے کبیرہ بنا دیتا ہے اور یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ استغفار سے کوئی کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

علامہ غلام رسول سعیدی شارح صحیح مسلم تحریر فرماتے ہیں کہ

"علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

لا کبیرة مع استغفار ولا صغیرة مع اصرار [1]

استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا، اور اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہوجاتا ہے)۔

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہوجاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے ، علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابن عباس موقوفا کل ذنب اصر علیه العبد کبیر ولیس بکبیر ما تاب منه العبد۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کرلے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔" (شرح صحیح مسلم کتاب الاقضیہ ص ۱۷۲، ۱۷۳ جلد خامس)

چونکہ بیعت توبہ و استغفار کا ایک اہم ذریعہ ہے لہٰذا بعض محققین نے اسے فرض قرار دیا ہے۔

حضرت میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کے ساتھ قدوۃ المحققین زبدۃ العارفین واقفِ اسرارِ ربّانی ماہر علومِ معقول و منقول رکن الملّۃ والدّین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قربی القادری ویلوری قدس سرہٗ کا نام بھی ہم بیعت کو فرض قرار دینے والے محقق علماء اور صوفیہ میں لے سکتے ہیں۔آپ " رسالہء حق المعرفۃ " میں تحریر فرماتے ہیں۔

" بداں اے عزیز ارشدک اللہ تعالیٰ کہ بیعت با خاصان الٰہی

---

[1] ۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، احکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسر و ایران، ۱۳۸۷ھ

[2] ۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۴ ص ۶۲، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت۔

کہ صفتِ شان الشیخ فی قومہٖ کالنبی فی امتہٖ و علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل والعلماء ورثۃ الانبیاء آمدہ فرض است

اے عزیز ! جانو اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت دے کہ خاصان الٰہی کے ساتھ جنکی صفت الشیخ فی قومہٖ ......الخ

یعنی شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امّت میں، میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔آئی ہے بیعت فرض ہے۔

(مجموعۂ رسائلِ قربیؒ مترجمۂ مولانا مولوی محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری صدر مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور صفحہ ۶۴)

مذکورۂ بالا عبارت میں حضرت قربی علیہ الرحمہ نے خاصانِ الٰہی (یعنی وہ نفوسِ قدسیہ جو حقیقی معنوں میں پیرِ طریقت اور صوفیٔ باصفا کہلانے کی اہلیت رکھتے ہوں) کو پیغمبروں کے وارث و نائب ہونے کا شرف رکھنے والے علماءِ حق ہی میں شامل فرمایا ہے کیونکہ علمِ شریعت سے نابلد شخص پیرِ طریقت کہلانے کا استحقاق ہی نہیں رکھتا۔ علمِ ظاہر بنیاد ہے جس پر علمِ باطن اور فنِ تصوف کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے

حضرت قربی علیہ الرحمہ اسی رسالہ میں دوبارہ بیعت کو فرض قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

"پس نتیجۂ ایں عبارت ایں بر آمد بیعت با خاصانِ الٰہی فرض است برای حصُول معرفت خاص کہ مقصود آفرینش اوست از قال صحیح ایشاں حاصل می شود نہ از علم رسمی نہ بریاضاتِ شاقہ نہ کشف

مقید نہ خرق عادات نہ انوار و حالات '' پس اس عبارت سے یہی نتیجہ نکلا کہ خاصانِ الٰہی کے ساتھ بیعت کرنا فرض ہے، خاص معرفت کے حاصل کرنے کیلئے جو پیدائش کا مقصد ہے جو انہیں کے صحیح قال سے حاصل ہوتا ہے، نہ علم رسمی اور نہ ریاضاتِ شاقہ نہ کشفِ مقید، نہ خرق عادات اور انوار و حالات سے۔

(مجموعہء رسائلِ قربی مصنفہء حضرت سیدشاہ ابوالحسن قربی القادری قدس سرہٗ مترجمہء مولانا مولوی محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری صدرمدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور صفحہ٦٦)

حضرت میر عبد الواحد بلگرامی اور حضرت قربی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرح حضرت شاہ سید کمال الدین بادشاہ بخاری (ثانی) جو جنوبی ہند کے مایۂ ناز مشائخین سے ہیں اور جو راقم الحروف کے آٹھویں دادا پیر ہیں۔(آپکا مزار پرانوار گُرم کنڈہ ضلع چتور آندھراپردیش میں آج بھی مرجعِ خلائق اور مہبطِ انوار ہونے کا ثبوت دے رہا ہے) بیعت کو فرض قرار دیتے ہیں۔ آپ نے ایک طویل نظم کہی ہے جس میں اپنے دعوے کی صداقت کو گیارہ دلائل سے اجاگر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

ؔ

صاحب کمال پیر کے بااعتقاد جاں
ہونا مرید فرض ہے اے حق کے طالباں

یعنی اے حق کے طلبگارو! کمالِ عقیدت کے ساتھ کسی پیرِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کے مریدوں میں شامل ہونا فرض ہے۔

؎

صحت پہ اس سخن کے سنو گوشِ ہوش سے
قرآن اور حدیث سے لاتا ہوں شاہداں

یعنی میں اپنی بات کی صحت پر قرآنِ حکیم کی متعدد آیتوں اور احادیثِ نبوی کو بطورِ شاہدِ عدل پیش کرتا ہوں۔ پہلی دلیل یہ ہیکہ

؎

علم و عمل کے ساتھ ہوئے اور کئے مرید
لا سیما رسول کی امت کے خاصگاں

یعنی متبحر عالمِ دین اور تقویٰ شعار ہونے کے باوجود رسولِ عربی فداہُ امی وابی ﷺ کی امت کے خواص نے کسی پیرِ کامل (جس میں پیر ہونے کے تمام شرائط پائے جائیں) کے مرید ہونے کا شرف حاصل کیا اور اس کے علاوہ بے شمار تشنگانِ معرفت اور طالبانِ حق کو اپنے مریدوں میں شامل ہونے کی سعادت بھی عطا فرمائی۔

؎

اس حیثیت سے عینِ ہدایت ہے یہ عمل
زیراکہ فعلِ اہلِ ہدایت ہے بے گماں

اس اعتبار سے یہ بیعت و ارادت کا عمل عینِ ہدایت ہے کہ یہ ہدایت یافتہ لوگوں کا فعل اور ان کے کردار کا اٹوٹ حصّہ ہے۔

پس فی الحقیقت فرض ہدایت کا ہے طلب
ہے اہدنا الصراط کی آیت دلیلِ آں

دراصل ہدایت کی طلب اور جستجو فرض ہے اور اس قول کی دلیل اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم کی آیۂ کریمہ ہے۔

دویم کوئی ولی نے کیا نیں ہے آج تَیں
انکار و اختلاف دریں باب اے فلاں

دوسری دلیل یہ ہے کہ کسی ولی نے آج تک بیعت کے باب میں انکار اور اختلاف کا رویہ اپناتے ہوئے اسے غیر اہم اور بے ضروری عمل نہیں قرار دیا ہے۔

اجماع سے جو چیز کہ ثابت ہے فرض ہے
قومی علی الضلالة لن یجتمع بخواں

بیعت چونکہ اجماعِ امت سے ثابت ہے اور مخبرِ صادق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔
لہٰذا بیعت فرض ہے۔

سیوم ہے امتثال اولوالامر فرض عین
تفسیر میں مراد انھوں سے ہے عالماں

اس شعر میں شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حق تبارک و تعالیٰ قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے

اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔

ترجمہ:- اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت کی روشنی میں حق جل مجدہٗ کا یہ حکم بالکل عیاں ہے کہ اولــو الامــر کی فرماں برداری فرضِ عین ہے اور تفسیر میں اولوالامر سے مراد علماءِ کرام لئے گئے ہیں۔

مندرجۂ ذیل حوالے سے یہ بات پایہء ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ علمائے کرام اولوالامر ہیں۔

"دارمی باب الاقتداء بالعلماء میں ہے

اَخُبَرَنَا یَعۡلَیٰ قَالَ اَخبَرَنَا عَبدُ الۡمَلِكِ عَنۡ عَطَاءِ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُوۡلِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ قَالُوۡا اُولُوا الۡعِلۡمِ وَالۡفِقۡهِ۔

خبر دی ہمکو یعلیٰ نے انھوں نے کہا کہ مجھ سے کہا عبد الملک نے انھوں نے عطا سے روایت کی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ فرمایا عطا نے کہ اولوالامر علم اور فقہ والے حضرات ہیں۔" (جاء الحق صفحہ ۲۳)

پس علم کو قسیمِ مشیت کیا دو قسم
شرعی جو ہے عیان و حقیقی جو ہے نہاں

یعنی حق تعالیٰ کے ارادہ نے علم کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے ایک علمِ شرعی جو ظاہر و عیاں ہے دوسرے علمِ حقیقی جو باطن اور پوشیدہ ہے۔

ظاہر کے عالماں کی ہے جوں فرض پیروی
باطن کے عالماں کی اطاعت ہے ہمچناں

یعنی جس طرح علمائے ظاہر کی پیروی اور اطاعت و انقیاد فرض ہے اسی طرح علمائے باطن یعنی پیرانِ طریقت اور مشائخینِ عظام کی فرماں برداری بھی فرض ہے۔ یہاں حضور شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ نے علمِ دین کی دو قسموں کا ذکر کیا ہے (۱) علمِ ظاہر جسے علمِ شریعت بھی کہا جاتا ہے (۲) علمِ باطن جسے علمِ لدنّی، علمِ مکاشفہ، وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ علمِ ظاہر سے آراستہ خوش نصیب شخص کو عالمِ ظاہر کہا جاتا ہے اور علمِ باطن کے سرمایہ دار کو صوفی عالمِ باطن یا عارف کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

علمِ لدنی کی تعریف

اللہ عز اسمہٗ قرآنِ حکیم میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا۝ ترجمہ: اور ہم نے اپنے پاس سے اُس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا۔

اس آیت پر گفتگو کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی رقمطراز ہیں۔

"علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں: یہ آیت علم لدنی کے اثبات میں اصل ہے۔ علم لدنی کو علم الحقیقۃ اور علم الباطن بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۴۷۶ ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ علم المکاشفہ اور علم باطن (علم لدنی) کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہم علم المکاشفہ سے یہ مراد لیتے ہیں حق اس طرح جلی اور واضح ہوجائے گویا کہ ہم اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر دنیا کے میل کچیل کا زنگ نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کی معرفت پر دل کے آئینہ میں خبیث چیزوں کے جو حجابات ہیں وہ زائل ہوجائیں، اور یہ اس وقت ہوگا جب انسان اپنے آپ کو

شہوات کی اتباع سے روک لے اور اپنے تمام احوال میں انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرے، پھر اس کے دل میں حق روشن ہوجائے گا اور اس پر حقائق منکشف ہو جائیں گے۔"

(احیاء العلوم ج ا ص ۲۷۔۲۶ ملخصاً، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(سبحٰن الذی ، الکھف، تبیان القرآن جلد ہفتم صفحہ ۱۷۱)

☆☆☆☆☆

شریعت طریقت اور حقیقت کی تعریف

سے واقف ہونے کے لئے ذیل کے اقتباسات کا بغور مطالعہ ضروری ہے۔

"ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ ھ لکھتے ہیں:

ظاہر احکام پر عمل کرنا شریعت ہے اور یہ عام لوگوں کے لئے ہے، اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے اور یہ خاص لوگوں کے لئے منہاج ہے، اور شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے اور یہ اخص الخواص کی معراج ہے۔ شریعت کا تعلق ابدان اور اجسام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے، یعنی دلوں میں علوم اور معرفت کا حصول، اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے یعنی حق کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ ھ)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

حقیقت اسرار ربوبیت کے مشاہدہ کو کہتے ہیں۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۰۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

شریعت التزام عبودیت ہے، اور حقیقت مشاہدۂ ربوبیت ہے، پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور

ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلّف کرنا ہے اور حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو۔ شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا اور حقیقت میں قضا و قدر اور ظاہر اور مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔" (الرسا لۃ القشیر یہ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ) (سبحٰن الذی ، الکھف، تبیان القرآن جلد ہفتم صفحہ ۱۷۴)

بحمداللہ تعالیٰ والدِ ماجد شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری نوری دامت برکاتہم کی تعلیمات شریعت طریقت اور حقیقت کے بارے میں اوپر دیئے گیئے مستند اور معتبر کتابوں کے اقتباسات میں پائی جانے والی تصریحات کے عین مطابق ہیں۔

☆☆☆☆☆

اہمیتِ وسیلہ

چارم سو وابتغو ہے الیہ الوسیلہ حکم
مقصود اس سے ہے عملِ صالح اے جواں

شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بیعت کے فرض ہونے کی یہ چوتھی دلیل ہے کہ حق جل مجدہٗ نے اپنے کلامِ قدیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْآ اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اے اِیمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اَور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اَور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(پ ۶ سورۃ المآئدۃ آیت ۳۵)

اور وسیلہ سے مراد عمل صالح ہے۔

اخلاص باج او تو میسر نہ ہووے پس
شرکِ جلی خفی سے کریں پاک مرشداں

عملِ صالح اخلاص کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور شرکِ جلی کے ساتھ ساتھ شرکِ خفی وغیرہ سے پیرانِ کامل اپنے مریدوں کو

اسی لئے پاک کرتے ہیں تاکہ انہیں اخلاص فی العمل کی دولت مل جائے۔

صاحبِ تفسیر ضیاء القرآن تحریر فرماتے ہیں کہ

"ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الوسیلة فی الاصل ما یتوصل بہ الی الشئ و یتقرب بہ الیہ (لسان العرب) یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قُرب حاصل ہو اُسے وسیلہ کہتے ہیں۔ والوسیلة کل ما یتقرب بہ (کشاف)۔ ایمان، نیک اعمال، عبادات، پیرویِ سنّت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قُرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔"

(تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ ازہری جلد اول ص ۴۶۶ پ ۶ المائدہ)

وابتغوا الیہ الوسیلة کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔

قال قتادہ : تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بما یُرضیہ

(صفوة التفاسیر از علامہ محمد علی الصابونی، الجلد الاول صفحہ ۲۸۵)

قتادہ نے کہا کہ خدا کا قرب حاصل کرو اس کی فرماں برداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے۔

بلا شبہ ایمان اور اعمالِ صالحہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی کا بہت اہم وسیلہ ہیں مگر خداوندِ قدوس کی محبوب اور مقبول ہستیاں بھی یقیناً اس کے تقرب کا بہترین ذریعہ اور نہایت کامیاب وسیلہ ہیں۔

چنانچہ مولانا محمد حسن فاروقی حنفی لکھتے ہیں:

” ومن تلك المسائل مسئلة التوسل عند اللّٰه تعالیٰ بارواح الصلحاء من عباده احیاءً و امواتاً و هذه المسئلة لها فروع الفرع الاوّل بان ینادی ربّه و یتوسل بروح الصالح من عباده المقرّب لبابه بنحو قولنا اللّٰهم انی اتوسل الیك بروح سیّدنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم او بروح الشیخ الفلانی و هذا النوع جائز لا غبار علیه عند كافة الامة المرحومة الّا من اعمی اللّٰه قلبه و ختم علی سمعه و بصره و قد هدانا اللّٰه تعالیٰ الی هذا بقوله یا ایها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰه وابتغوا الیه الوسیله فلفظه اتقوا اللّٰه قبل الامر بابتغاء الوسیلة تشیر الی الحث واللزوم بابتغاء الوسیلة الی حضرة قدسه تعالیٰ و تعلیم الادب لعباده بتقدیم الوسیلة لان طلب المسؤل من اكابر الوقت غالباً لا یكون بدون تقدیم الوسیلة من الهدایة او شفاعة مقرب عنده كذالك طلب المسؤل من الملك العلام لا یصلح الّا بتقدیم الوسیلة و اوثق الذرائع و احسن الهدایا الی الغنی المنعام۔ التوسل بارواح الصالحین من عباده قالوا التوسل المأمور فی القراٰن انمایكون بالاعمال لا بالابدان مستدلین بحدیث الثلاثة الذین حبسوا فی الغار قلنا كما یجوز التوسل بالاعمال كذالك یجوز بالابدان كما توسّل سیّدنا الفاروق رضی اللّٰه عنه عام قحط المطر بسیّدنا العباس رضی اللّٰه عنه ولانّ التوسّل بالاشخاص حقیقة هو التوسل باعمال ذالك الشخص لا بجسمه الظاهر فصار التوسل بالاشخاص توسلاً بالاعمال۔ الفرع الثانی من التوسل بان ینادی الیٰ روح احد من عباد اللّٰه الصالحین بان یقول یا سیّدی رسول اللّٰه اغثنی او یاسیّدی الشیخ الفلانی امددنی ففیه

تفصیل ان کان مراد القائل التجوّز اعنی نداء ہ للعبد الصالح بطریق المجاز و یعلم ان المعطی والمانع ھو اللّٰہ تعالیٰ والعبد الصالح وسیلة الیٰ حضرة قدسہ و یعد نفسہ احقر من ان یناجی ربّہ فذالك جائز لان الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوی فاللّٰہ تعالیٰ ھو المعطی والنبیّ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ھو القاسم وقد جرت العادة للفقراء والمحتاجین باظھار فقرھم للقاسم لاالمعطی۔

متنازع فیہ مسائل میں ایک توسل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے نیک بندوں کی روحوں کا خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ انسان اپنے خدا کو پکارے اور بارگاہِ الٰہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک کو اپنا وسیلہ بنائے۔ مثلاً یوں کہے کہ یااللہ میں تیری بارگاہ میں حضرت محمدؐ مصطفیٰ ﷺ کی روح مبارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ فلاں شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلا شبہ جائز ہے تمام اُمت محمدؐیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے کان اور آنکھ پر مُہر کردی ہے اور ہمیں خدائے تعالےٰ نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بتادیا ہے۔ کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلۂ نجات طلب کرو۔ اس آیت میں وسیلہ طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے اور اسے واجب قرار دیا

گیا ہے اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر سے عموماً اپنی حاجت طلب کرنا یوں ہی ہوتا ہے کہ ہدیہ یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرّب کی سفارش پیش کی جائے جس کی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار میں بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے اور کوئی پختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے کہ ارواح عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے مگر مخالف کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے اعمال حسنہ کو پیش کرکے دعا مانگی تھی اور وہ دعا منظور بھی ہوگئی تھی اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسّل جس طرح اعمال سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط پڑ گیا تھا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا تھا۔ در حقیقت کسی نیک بندے کا توسل پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسل بھی توسّل بالاعمال بن جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے نیک بندوں میں سے

کسی ایک کی روح کو پکارے اور یوں کہے کہ اے میرے مالک رسولِ خدا ﷺ میری فریاد رسی فرمایئے یا یوں کہے کہ اے میرے آقا فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اس کی تشریح یوں ہے کہ اگر اس کی مراد مجاز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے مگر عبد صالح درمیان میں وسیلہ ہے کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرّب ہے اور مَیں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیّت پر ہوتی ہے اور انسان کو نیّت کا پھل ملتا ہے۔ خدا دینے والا ہے اور نبی کریم ﷺ خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنے والے کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں اور اصل سخی کیخدمت میں پیش نہیں کرتے۔"

(العقائد الصحیحۃ فی تردید الوھابیۃ النجدیۃ معہ ترجمہ اردو ص ۵۷ تا ۵۹)

☆☆☆☆☆

خدا کی عطاء سے خدا کے بندے دور کی آواز سنتے ہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر آواز دینا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں بلا شبہ شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا خدائے لایزال ہی کی صفت ہے۔ غیرِ خدا میں یہ طاقت تسلیم کرنا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو ''یارسول اللہ'' ''یاغوث'' ''یا معین الدین'' وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے بادِ صبا کو صدا دیتے ہیں کہ

ع

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا

(اقبالؔ)

اور جس طرح حضرت نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

؎

نسیما جانبِ بطحا گذر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن

یا جیسے حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ

اِنْ نِلْتِ یَا رِیْحَ الصَّبَا یَوْماً اِلیٰ اَرْضِ الْحَرَم
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَم

کیونکہ بادِ صبا کو سننے والی سمجھ کر کوئی نہیں پکارتا۔
اس کا جواب حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ نے بڑی خوش اسلوبی سے اور نہایت مدلل انداز میں دیا ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:
" دور سے آواز سُننا ہرگز خُدا کی صفت نہیں کیونکہ دور سے آواز تو وہ سُنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ خود فرماتا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْـہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ○ ہم تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرمادو کہ ہم قریب ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْـہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ○ ہم اس بیمار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔ لہٰذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اُس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے۔ اور اگر مان لیا جاوے کہ دُور کی آواز سننا اُس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اُس کی صفت ہے۔ لہٰذا چاہیئے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہوجاؤ گے سب کو بہرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خُدا کی

صفت ہے۔ اسی طرح دور کی چیز دیکھنا، دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الٰہی ہے۔ اور ہم علم غیب اور حاضر و ناظر کی بحث میں ثابت کرچکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر اُن کے کان دور و قریب کی آواز سُن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف اُن کو بہ عطاء الٰہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دُور کی آواز انبیاء و اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السّلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السّلام کی قمیص کی خوشبو پالی اور فرمایا اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوسُفَ بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاوند میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سُن لی (دیکھو مشکوٰۃ بابُ الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق کی آنکھ نے دُور سے دیکھا۔ حضرت ساریہ کے کان نے دُور سے سنا۔ تفسیر روح البیان و جلالین و مدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بناکر پہاڑ پر کھڑے ہوکر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں سب نے وہ آواز سُن لی۔ جس نے لبیک کہدیا وہ ضرور حج کرے گا۔ اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی۔ کہئے یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی آواز سُن لی یہ شرک ہوا یا

نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہِ رب جلیل میں عرض کیا۔ کہ مولیٰ مجھے دکھا دے۔ کہ تو مُردے کس طرح زندہ فرمائے گا۔ تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کرکے اُن کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا تم انہیں پکارو دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مُردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دوڑے۔ تو کیا اولیاءاللہ اُن جانوروں سے بھی کم ہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اُس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعے میری بات سنتا ہے۔ یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوتِ نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے تو حضرات انبیاء اس قوتِ خداداد سے ہر ایک کی آواز سُنتے ہیں۔ پھر پکارے یارسول اللہ الغیاث تو کیوں شرک ہوا؟ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دُور سے سُنی وہ کہتی ہے يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ پارہ ۱۹ سورہَ نمل۔ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں۔ تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چیونٹی کی یہ آواز سُنی۔ خیال تو کرو کہ چیونٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ۔کہئے یہ شرک ہوا یا کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میّت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں

کی آواز سنتا ہے اور زائرین کو دیکھتا اور پہچانتا ہے۔ اسی لئے قبرستان میں جاکر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیئے۔ اس قدر مٹّی کے نیچے ہوکر اتنی آہستہ آواز کو سننا کس قدر دُور کی آواز سننا ہے۔ کہو شرک ہوا یا کہ نہیں؟۔ (جاءالحق وزھق الباطل صفحہ ۱۸۱ ، ۱۸۲ حصہ اول)

مخبرِ صادق نبیٔ امی محمد عربی فداہ امی و ابی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول بندوں کے متعلق حق جل مجدہٗ کا ارشادِ پاک درجِ ذیل حدیث شریف میں نقل فرمایا ہے۔

"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ان الله عز و جل قال: لا يزال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته كنت سمعه الذی يسمع به، و بصره الذی يبصر به، ويده التی يبطش بها، ورجله التی يمشی بها، و ان سألنی لاعطينه، ولئن استعاذنی لاعيذنه، وما ترددت عن شئ انا فاعله ترددی عن قبض نفس المؤمن يكره الموت وانا اكره مساء ته"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ عزوجل کا فرمان ہے: میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہوجاتا ہے۔ پھر میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اسکا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے، اس کا وہ پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ

مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں ضرور اس کو دیتا ہوں، اور اگر میری پناہ چاہتا ہے تو میں ضرور اس کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، میں اپنے کسی کام میں تردد نہیں فرماتا جیسا کہ میں اس مومن کی جان کے بارے میں فرماتا ہوں جس کو موت ناپسند ہے کہ اس کی ناپسندیدہ چیز مجھے بھی ناپسند ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ ۳ / ۲۸۳) (الجامع الصحیح البخاری، باب التواضع، ۲/۹۶۳) (کتاب المناقب/فضائل اولیاءکرام جامع الاحادیث جلد چہارم صفحہ۶۲۰ ترتیب و تخریج مولانا محمد حنیف خان رضوی صدرالمدرسین جامعہ نوریہ بریلی شریف)

پیش کردہ حدیث پاک میں جب خدا فرمارہا ہے کہ میں اپنے بندۂ مقرب کا کان بن جاتاہوں تو کیا اس بندے کے کان میں حق تعالیٰ نے یہ قوت ودیعت نہیں کی ہوگی جس سے وہ بہت دور کی آواز سن سکے۔ اسی لئے ہم بغداد شریف سے ہزاروں میل دور کی مسافت پر رہتے ہوئے حضور غوثیت مآب تاجدارِ اولیاء پیرانِ پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر آڑے وقت میں پکارتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں اپنے مقرّب بندے کا کان ہو جاتا ہوں لہٰذا شہنشاہِ اولیاء بغداد ہی میں رہتے ہوئے ہم خستہ حال مریدوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ نہ صرف دستگیری فرماتے ہیں بلکہ اپنے جن غلاموں پر اوروں کی بہ نسبت زیادہ مہربان ہوتے ہیں ان کے پاس خود تشریف لاتے ہیں جس نے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی مخلوق کا مشکل کشا بنایا اُسی خدا نے انہیں جاوداں اور بیکراں قوتِ سماعت بھی عطا فرمائی جس کے لئے دور اور نزدیک کی آواز

یکساں حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت سید شیخن احمد کاملؔ حیدر آبادی فرماتے ہیں۔

کوئی میرے دل سے پوچھے یہ ادائے دستگیری
وہیں آگئے مدد کو انہیں جب جہاں پکارا

اس گفتگو سے یہ ثابت ہوگیا کہ غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نہیں بلکہ ان کے مقرّبِ بارگاہِ خداوندی غلام بھی دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اللہ کے محبوب بندے نہ صرف دور کی آواز سن لیتے ہیں بلکہ دور کی چیزیں دیکھ بھی لیتے ہیں دور دراز مقامات میں رونما ہونے والے حادثات اور واقعات تک ان کی نظر بہ آسانی پہنچ جاتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدا نے فرمایا ہے کہ میں اپنے ولی کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔
وکنت یدہ الّتی یبطش بھا کا جملہ اعلان کررہا ہے کہ

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

خدا جس بندے کی بابت فرمائے کہ میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے، اُس کی دستگیری در اصل خدائے قادر و قیوم کی دستگیری ہوئی۔ اللہ کے جس دوست کی شان

میں خود اللہ جل وعلا فرمائے کہ میں اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے شرف سے سرفراز ہونا کس قدر عظیم نعمت ہوگی۔ اور بارگاہِ حق میں جس بندہ کو تقرب کا درجہ حاصل ہو اس کے ہاتھ سے کرامات اور خوارقِ عادات کا ظہور کونسا مستبعد امر ہے۔

خاصانِ خدا جب دینے پر آجاتے ہیں تو منگتوں کو دنیا اور آخرت کی ہر سعادت دے ڈالتے ہیں۔ ان کی دین درحقیقت خالقِ کائنات کی بخشش و عطا ہوتی ہے۔ اسی لئے حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا کہ هُمُ الْقَوْمُ لا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ یعنی وہ ایسا گروہ ہے جس کا ہمنشین اُس کی صحبت کے فیضان سے کبھی خائب و خاسر نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ اپنے بندگانِ خاص کی عظمتِ شان اس طرح بیان فرماتا ہے کہ میں اپنے بندۂ مقرّب کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ۔ اسی لئے ہم مانتے ہیں کہ اس پاؤں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی بے مثال قوت پیدا ہوجاتی ہے جس کے ذریعہ وہ چشم زدن میں بڑی سے بڑی مسافت طے کرلیتا ہے

جب بھی تنہائیٔ منزل سے میں گھبراتا ہوں
ان کی آواز یہ آتی ہے کہ میں آتا ہوں

خوب ارشاد فرمایا ہے۔

ے

وہ پشت پناہی پر آجاتے ہیں قوت سے
چھیڑے نہ کوئی ان کے پروردۂ نسبت کو

عقلِ سلیم کہتی ہے کہ ایسے پاؤں کو بوسہ دینا فطری تقاضے پر عمل کرنا ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے لٰہذا کسی فطری جذبے کی تسکین پر عمل درآمد کرنے پر کبھی قدغن نہیں لگاتا۔

☆☆☆☆☆

بزرگوں کی دست بوسی اور قدم بوسی جائز ہے

مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے

وَعَنْ ذِرَاعٍ وَّ كَانَ فِیْ وَفدِ عَبْدِ الْقَیْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهٗ

حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منوّرہ آئے تو اپنی سواریوں سے اُترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔ مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے فَقَبَّلَا یَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ پس انہوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔
(جاء الحق و زھق الباطل حصہ اول ص ۳۵۱)

حق تعالیٰ اپنے مقرب بندہ کے بارے میں فرماتا ہے کہ وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ اپنے محبوب بندے کا کان آنکھ ہاتھ پاؤں ہوجانے کا مژدۂ جانفزا سنانے کے بعد خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اہلِ نظر سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ خاصانِ

خدا کا کرم اور ان کی داد و دہش حقیقت میں اللہ جل جلالہ ہی کی نوازش و عطا کی ایک صورت ہے۔

نوٹ:- دست بوسی اور قدم بوسی کے جواز میں مزید تفصیلی بحث اسی کتاب میں آئندہ آئے گی۔

☆☆☆☆☆

سماعِ موتی ایک اسلامی صداقت

بعض حضرات وفات یافتہ لوگوں کے سننے کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کا انتقال ہوچکا ہے وہ زندوں کی آواز نہیں سن سکتے۔ اس لئے کہ سماعت کی صفت صرف زندوں میں پائی جاتی ہے مردے اس صفت سے یکسر محروم ہوجاتے ہیں۔

اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک مردے اپنی قبروں میں زندوں کا کلام سنتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم علامۂ زماں خواجہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (گولڑا شریف) نے ایک استفتاء کے جواب میں سماعِ موتیٰ کو احادیثِ نبویہ کے ذریعہ برحق ثابت کیا ہے۔ ہم مذکورہ استفتاء اور حضرت قبلہ ممدوح علیہ الرحمہ کا جواب ذیل میں درج کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

اِستفتاء

جنابِ عالی مدظلہ۔ پس از آدابِ غُلامانہ گذارش ہے کہ براہِ غریب نوازی اِس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ قبروں میں مُردوں کو سُنائی یا دکھائی دیتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ان کو السّلام علیکم کہے یا کُچھ پڑھکر ثواب بخشے کیا وُہ سُن سکتے ہیں؟ قرآن مجید یا حدیث شرِیف سے اِس کا کوئی ثبوت ہو تو تحریر فرمائیں۔ یہاں لوگ کہتے ہیں کہ مُردہ نہ سُن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔ میرا ایک دوست

بھی اِسی طرف مائل ہے۔ زیادہ والتسلیم۔

الجواب ھو الصواب

صُورتِ مسئُولہ میں سماعِ موتیٰ و تعارفِ آں بہ خویش و اقارب کا ثبُوت احادیثِ صحیحہ سے پایا جاتا ہے۔ مثلاً زائر القبورِ جس وقت "السَّلامُ علیکم یا اھل القُبور" کہتا ہے تو مُردہ سنتا ہے اُس کا جواب دیتا ہے اَور اپنے خویش و اقارب کو پہچان لیتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ مُردہ بذاتہٖ یعنی بلا واسطہ سنتا ہے یا بواسطہ اس کو یہ خبر پہنچتی ہے اِس پر حدیث ساکت ہے۔ حقیقتِ حال کی آگہی علاّمُ الغُیوب دانائے راز کو ہے۔ ہمارے لئے نفسِ سماعِ موتیٰ کا ثبُوت ہونا چاہیئے و بس۔ چنانچہ مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں ہے۔

قال السُیوطی و اخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ قال قال ابو رزین یا رسوؐل اللّٰہ ان طریقی علی الموتیٰ فھل من کلام اتکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القُبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف و نحن لکم تبع و انا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون۔ قال ابو رزین ایسمعون قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا و عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا الا عرفہ و رد علیہ السلام صححہ عبد الحق۔ و اخرج ابن ابی الدنیا والبیھقی فی الشعب عن ابی ھریرۃ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام و عرفہ۔ و اذا مر بقبر لا

یعرفه یُسلم علیه رد علیه السّلام و لم یعرفه۔ اور احادیث بھی بکثرت اِس بارہ میں وارد ہیں لیکن بخوفِ طوالت ترکِ نقل لازم آئی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ (حرره العبد الملتجی الی الله المدعو بمهر علی شاه عفی عنه ربه بقلم خود از گولڑه) (فتاوٰی مہریہ ص ۵۸)

اس فتوے سے معلوم ہوا کہ مردہ زندوں کی آواز سنتا ہے اور اگر اُس کی قبر پر وہ شخص آئے جس سے اُس کی دنیا میں جان پہچان تھی تو مردہ اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ یہ سب امور احادیث کریمہ کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچے ہیں۔

حضرت العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد اپنی مشہورومعروف تالیف ''انوارِ احمدی'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''بخاری شریف میں روایت ہے کہ جو کفار بدر کے کنویں میں ڈالدئے گئے تھے اون کے طرف جب آنحضرت ﷺ نے خطاب فرمایا کہ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقاً یعنے کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کیا آپ مردوں کو پُکارتے ہیں یارسول اللہ (ﷺ) فرمایا ہاں ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون یعنے تم لوگ اون سے زیادہ نہیں سنتے انتہےٰ اور سوائے اس کے سماع موتی کے باب میں کئی روایات و آیات وارد ہیں''۔ (انوارِ احمدی صفحہ ۷۷)

سید محمد علوی مالکی حسنی تحریر فرماتے ہیں۔

"ابوہریرہ سے روایت ہے۔
ان المیت لیسمع خفق نعالھم اذا ولّوا مدبرین۔
جب لوگ مردہ دفن کرکے واپس ہونے لگیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ رواہ البزاز و صحہ ابن حبان من طریق اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن السندی عن ابیہ عن ابی ھریرۃ واخرج ابن حبان ایضاً من طریق محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ فی حدیث طویل۔
انس بن مالک سے روایت ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
العبد اذا وضع فی قبرہ و تولیٰ و ذھب اصحابہ حتی انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فاقعداہ۔
مردہ شخص کو قبر میں دفن کرکے جب اس کے اقارب و اصحاب واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھادیتے ہیں۔
رواہ البخاری فی صحیحہ باب المیت یسمع خفق النعال۔ و ذکر الحدیث فی سؤال القبر و رواہ مسلم ایضاً۔ و سماع المیت خفق النعال وارد فی عدۃ احادیث۔
بہت ساری احادیث میں وارد ہے کہ قبر میں مُردوں سے فرشتے سوال کرتے ہیں۔ اور مردے اپنی سعادت یا شقاوت کے اعتبار سے جواب دیتے ہیں۔
(مفاھیم یجب ان تصحح (عربی) اصلاح فکر واعتقاد (اردو) تالیف۔ سید محمد علوی مالکی حسنی (مکہ مکرمہ) ترجمہ یٰسٓ اختر مصباحی (دہلی) صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰)

شیخ ابن قیم اور مسئلہ سماعِ موتیٰ

شیخ ابن قیّم بھی ذیل میں بڑے پُر اعتماد لہجے میں اس عقیدہ کی حمایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
"یہ سلام سماعت و عقل رکھنے والوں کو خطاب ہے۔ ورنہ معدوم و جماد سے خطاب کی طرح یہ سلام لغو ہوجائے گا۔ اسلاف کا اس پر اجماع ہے اور ان سے روایات و اقوال منقول ہیں کہ مردہ شخص اپنی زیارت کے لئے آنے والے شخص کو جانتا پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔" (اصلاح فکرواعتقاد ص ۳۲۰)

شیخ ابن تیمیہ اور مسئلہ سماعِ موتیٰ

سید محمد علوی مالکی مکی حسنی (مکہ مکرمہ) رقمطراز ہیں۔
" شیخ ابن تیمیہ کے الفتاویٰ الکبریٰ سے یہاں ایک فتویٰ نقل کیا جارہا ہے۔
شیخ ابن تیمیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ کیا مردے اپنے زائرین کو اور اپنے بعد مرنے والے اہل قرابت وغیرہ کو جانتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔
الحمدللہ! آثار مبارکہ میں وارد ہے کہ اہلِ قبر ایک دوسرے کے

حالات جانتے، ان سے ملتے اور سوال کرتے ہیں۔ زندوں کے اعمال ان کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

ابن مبارک بیان کرتے ہیں۔ ابو ایوب انصاری نے فرمایا۔

جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو عزیز بندگان خدا اس کا ویسے ہی استقبال کرتے ہیں جیسے دنیا میں کسی خوشخبری سنانے والے کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

اس نئے وفات یافتہ کے گرد مرحومین کا جمگھٹ لگ جاتا ہے اور وہ اس سے سوالات کرنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کہتے ہیں اپنے بھائی کو دیکھو اب آرام سے ہے جب کہ وہ شدید کرب و بے چینی میں تھا۔ وہ اس سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ فلاں عورت کی شادی ہوئی کہ نہیں؟۔ الحدیث۔" (اصلاح فکر و اعتقاد ص ۳۲۱)

جماعتِ اہلِ حدیث (اور مُردوں کے سننے کے مسئلہ میں جو لوگ ہمارے موقف سے اختلاف و انکار کا رویہ رکھتے ہیں) کے لئے خصوصی طور پر ہم نے شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کے بیانات نقل کئے ہیں کیونکہ یہ دونوں نام غیر مقلدین اور نجدی ذہنیت رکھنے والے افراد کے لئے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

شمس المفسرینِ بحر العلوم خادم القرآن حضرت محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرت رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) اپنی مستند تفسیر "تفسیرِ صدیقی" میں قرآن مجید کی آیتِ کریمہ

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○

کی تفہیم میں فرماتے ہیں

''صاحبو! قرآن شریف کے وہی معنے لئے جائیں جس کی شرح حدیث شریف کرتی ہو۔ بیسیوں حدیثوں میں ہے کہ قبروں پر جاؤ تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ کہو۔ رَسُول اللہ ﷺ نے ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کو جبکہ وہ کنویں میں پڑے تھے فرمایا کہ ''اللہ نے اپنا وعدہ تو مجھ سے پورا فرمایا مگر تم یہ بتاؤ کہ تم سے بھی وعدہ پورا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ تو مُردے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم ان سے زیادہ سن نہیں سکتے۔ لہٰذا لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ سے مراد مَوْتَى الْقُلُوْب ہیں۔ مُردہ دل ہیں اور اَصم یعنی بہروں سے مراد حق بات نہ سننے والے ہیں۔ یہ بلیغ استعارہ ہے۔ نادان ان کو عدم سماعِ موتیٰ میں پیش کرتے ہیں۔ اور اس پر توجہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ قرآن کے حقیقی معنوں سے کیا منہ پھیر کر چلے ہیں۔ (تفسیر صدیقی اَمَّن خَلَق ۲۰ النمل ۲۷ ص ۳۱۰۔ ۳۱۱)

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ ارشاد بھی سماعِ موتیٰ کو برحق ثابت کرتا ہے۔

آپ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''(۱) قبر پر جو کوئی جائے مردہ دیکھتا ہے اور جو کلام کرے وہ سنتا ہے اور جو ثواب پہنچائے مردہ کو پہونچتا ہے۔ اگر کوئی عزیز یا دوست جائے تو اس کے جانے سے مردہ کو راحت اور فرحت ملتی ہے جیسے دنیا میں۔ یہ سب مضامین صحاح احادیث میں وارد ہیں۔''

وقد فصلناها فی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات
(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۶۳)

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رضوی رحمۃ اللہ علیہ ارواح مؤمنین کے سننے دیکھنے اور پہچاننے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

" جو کوئی قبر پر آئے اسے دیکھتے پہچانتے اس کی بات سنتے ہیں بلکہ روح کا دیکھنا قرب قبر ہی سے مخصوص نہیں۔ اس کی مثال حدیث میں یہ فرمائی ہے کہ ایک طائر پہلے قفس میں بند تھا اور اب آزاد کردیا گیا۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں (اِنَّ النُّفُوسَ الْقُدُسِیَّہ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ العَلاَئِقِ الْبَدنِیَّۃِ تَّصَلَتْ بِالمَلاءِ الاَعلیٰ و تَریٰ و تَسْمَعُ الکُلَّ کَالْمُشَاھِد) بے شک پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں

حدیث میں فرمایا (اِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ یَخلیٰ سَرْ بُہٗ یَسْرَحُ حَیْثُ شَاءَ)جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جائے۔

شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں

" روح را قرب و بعد مکانی یکسان است "

(بہارِ شریعت حصہ اول ص ۱۴ ، ۱۵)

اکابر علمائے دیوبند اور سماع موتیٰ

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا یعقوب اپنے ایک خط میں ''سماعِ موتیٰ'' کے بارے میں اپنے موقف کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' احقر کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں اور خاص کر اولیاء و انبیاء کو اس باب میں ایک شان جدا ہے کہ تفصیل اس کی طویل ہے۔'' (مکتوباتِ یعقوبی: خط بارہواں ص ۵۸) (فقہی اختلاف مؤلفہ شیخ التفسیر حضرت مولانا الحاج ابوالسعید سید شاہ عبدالجبار صاحب قادری باقوی ص ۱۸۱)

سماع موتیٰ کے حوالے سے علمائے دیوبند کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی رائے درج ذیل عبارت میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

'' ایک صاحب نے سماعِ موتیٰ کے متعلق دریافت کیا

فرمایا (مولانا اشرف علی تھانوی نے) کہ اہلِ کشف تو عموماً سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں انہیں کا معتقد ہوں۔ کیوں کہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتیٰ سنتے ہیں۔ دیکھئے حدیث میں صاف وارد ہے۔ وانہٗ یسمع قرع نعالھم یعنی مردہ گورستان میں آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اور خبر واحد موجبِ ظن ہی ہوسکتی ہے۔''

(الفصل للوصل: ص ۳۴۷)(فقہی اختلاف: ۱۸۱)

سماع موتیٰ پر میں نے طویل گفتگو اس لئے کی کہ اکثر تہذیب جدید اور نئی روشنی کے علمبرداروں کے نزدیک مردوں کا سننا دیکھنا اور شعور و ادراک معاذاللہ ثم معاذاللہ ایسا عجیب و غریب فلسفہ ہے جو عقل و منطق اور جدید علوم کے معیاروں پر کھرا نہیں اترتا۔ حالانکہ انسان پس مرگ بھی اپنی روح کی زندگی کے ذریعہ زندہ رہتا ہے۔ راحت یا عذابِ قبر سے دوچار رہتا ہے۔ یہ عام مرنے والے کی بات ہے۔ انبیاء و اولیاء کی حیات اور ان کی قوتوں کی وسعت اور انفرادیت لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

سماع موتیٰ جیسی ناقابل تردید سچائی کو بے بنیاد نظریہ قرار دینے والے اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ ''مردہ'' مرنے والے کے جسم کو کہتے ہیں۔ جسم مرتا ہے، روح نہیں مرتی۔ انسان کی موت کے بعد بھی اس کی روح زندہ رہتی ہے۔ اُس میں سماعت، بصارت وغیرہ صفات بدستور باقی رہتے ہیں۔ انسان کا جسم موت سے پہلے زندہ رہتا ہے تو صرف روح کے گہرے تعلق کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ روح کی زندگی کے اثر سے جسم انسانی اس فانی دنیا کی مختصر اور عارضی زندگی کی لذتوں سے محظوظ ہوتا ہے اور اس دو روزہ حیات کے تلخ تجربوں کا زہر بھی پیتا ہے۔ پھر موت کے آنے پر روح اور جسم کا یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اس طرح جسم موت کے آہنی شکنجہ میں پھنس کر زندگی، سماعت، بصارت، گویائی اور دیگر توانائیوں سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔ غرض کہ جسم کی زندگی دراصل روح کی زندگی کی دین ہوتی ہے۔ جسم سے روح کا تعلق

کٹ بھی جائے تو روح کی زندگی اور اس کے کمالات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نا آگاہِ حقیقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس خاکی جسم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے روح زندہ ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یعنی زندہ رہنے، دیکھنے، سننے، گفتگو کرنے اور جاننے پہچاننے کے لئے عناصر اربعہ سے بنا ہوا یہ جسد خاکی روح کے خصوصی ربط اور علاقے کا محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ایک دینی اور تاریخی سچائی ہے کہ اس جسم خاکی کے پنجرہ سے رہا ہونے کے بعد روح کے علم و شعور سماعت و بصارت اور دیگر صفات میں کوئی ضعف اور اضمحلال نہیں پیدا ہوتا بلکہ یہ قوّتیں پہلے سے زیادہ نکھر جاتی ہیں۔ ان میں ایک نئ توانائی اور وسعت در آتی ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں سے ان کی دنیوی زندگی کی بہ نسبت وفات کے بعد زیادہ کرامتیں اور حیرت انگیز کارنامے سرزد ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

غیر اللہ سے استعانت یا استغاثہ

غیر اللہ یعنی مخلوق سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے اس سوال کے جواب میں علامہ محقق جلیل فضیلۃ الاستاذ سید محمد بن علوی مالکی کی یہ تحریر نہایت موقر اور مدلل ہے۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں:

"جو شخص کسی زندہ یا وفات یافتہ سے استعانت یا استغاثہ یا طلب یا سوال یا نداء کرے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ جسے نداء دے رہا ہے اور استعانت وغیرہ کررہا ہے وہ بالذات مالکِ نفع و ضرر ہے تو ایسا شخص مشرک ہے۔

لیکن اللہ نے مخلوق کو اس کا اذن دے رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد لیں۔ ایک دوسرے سے استغاثہ و استعانت کریں۔ اور یہ بھی حکم دے رکھا ہے کہ جس سے استعانت کی جائے وہ اعانت کرے، جس سے استغاثہ کیا جائے وہ فریاد رسی کرے۔ جسے پکارا جائے وہ اسے سنے اور مدد کرے۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کی جائے ضرورت مند کی اعانت کی جائے اور دوسروں کی پریشانیاں دور کی جائیں۔

اور جن انبیاء و صالحین کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنا کر فریاد رسی و دفعِ بلاء کے لئے ان سے استغاثہ کیا جاتا ہے ان سب کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و حیثیت سب سے عظیم و جلیل ہے۔

یوم قیامت سے بڑھ کر آفت و مصیبت کا اور کون سا دن ہوگا جس کا دن بڑا ہی لمبا ہوگا۔ ہر طرف ہجومِ خلق ہوگا۔ گرمی اور پسینہ سے کروڑوں مخلوق کا بُرا حال ہوگا۔ لیکن اس ہولناک مصیبت کے باوجود لوگ بارگاہِ الٰہی میں استغاثہ کے لئے صالحین و ابرار کو وسیلہ بنائیں گے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ایسے عالم میں حضرت آدم سے استغاثہ کریں گے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے لفظ استغاثہ کا استعمال کیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ سے استعانت و استغاثہ کرتے تھے۔ طلب شفاعت کرتے تھے۔ مرض و محتاجی، قرض و مصیبت اور ہر آزمائش و بے بسی کے وقت آپ سے عرض حال کیا کرتے تھے۔ آلام و شدائد کے وقت آپ کے دربار میں پہنچ کر فریاد رسی کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور ان سارے مواقع پر صحابہ کرام کا یہی عقیدہ ہوا کرتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نفع و ضرر میں واسطہ و سبب ہیں فاعل حقیقی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

چند واقعاتِ طلب واستعانتِ صحابۂ کرام

ابو ہریرہ کی شکایتِ نسیان:- ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ حدیث شریف سن کر وہ بھول جاتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ سے بہت کافی حدیثیں سنتا ہوں مگر انہیں بھول جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ بھولنے نہ پاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر کو پھیلا دیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے چادر میں ہوا پھینکی اور حکم دیا کہ اسے اپنے سینے سے لگالو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ فما نسیت شیئا۔ پھر میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ (رواہ البخاری فی کتاب العلم باب حفظ العلم رقم الحدیث ۱۱۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ابو ہریرہ یہی تو طلب کر رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہ بھولوں۔ میرے اوپر نسیان نہ طاری ہو۔ اور یہ ایسی طلب ہے جس کی تکمیل پر صرف اللہ وحدہ لا شریک قادر ہے۔ لیکن نبی اکرم نے ابو ہریرہ کو نہ بُرا بھلا کہا نہ یہ فرمایا کہ تم شرک کر رہے ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ موحد جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی

جاہ و عزت والے بندے سے کچھ طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مقرب بندہ کسی چیز کی تخلیق کرے اور خود سے کچھ کرے اور اس طالب کا اس کے بارے میں ایسا عقیدہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی چیز تخلیق کرسکتا ہے اور بے اذن الٰہی کچھ کرسکتا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے دعا کی جو قدرت دے رکھی ہے اور اپنی مشیت کے مطابق جتنے تصرف کی قوت دے رکھی ہے اس دعاء و تصرف سے وہ سبب و ذریعہ بن جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوھریرہ کی طلب پوری کردی۔ اور اس روایت میں کہیں نہیں ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں کوئی دعا کی، بلکہ انھوں نے ہاتھوں میں ہوا لے کر اسے ان کی چادر میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے سینے سے لگالیں۔ اور پھر یہی چیز اللہ کے فضل سے ان کیلئے تکمیل حاجت کا سبب بن گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوھریرہ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم مجھ سے سوال کیوں کررہے ہو۔ اللہ تم سے زیادہ قریب ہے اس سے سوال کرو۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حوائج کی تکمیل میں معتمد اور ملجأ و ماویٰ اصلاً وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں امور و معاملات کی کنجیاں ہوں۔ تو یہاں حقیقتہً طلب اللہ عزوجل سے ہے اور مجازاً عرض حاجت نبی اکرم سے ہے۔ کیونکہ وہ اللہ سے زیادہ قریب ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں انہیں قدر و منزلت حاصل ہے۔

قتادہ کا استغاثہ:- قتادہ بن نعمان کی آنکھوں کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آگیا تھا جسے لوگوں نے کاٹ کر الگ کردینا چاہا۔ قتادہ نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ پہلے میں نبی اکرم ﷺ سے اجازت لے لوں اس کے بعد کچھ ہوسکتا ہے۔ پھر قتادہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ پھر اپنی ہتھیلی ان کی آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ کر اسے کچھ اشارہ کرکے جنبش دی تو وہ بالکل اپنی پرانی حالت میں آگئی اور دوسری آنکھ سے بھی زیادہ صحیح ہوگئی۔

رواہ البغوی و ابویعلیٰ واخرجه الدار قطنی و ابن شاهین والبیهقی فی الدلائل۔ ونقلها الحافظ ابن حجرفی الاصابة ج۳ ص ۲۲۵۔ والحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد ج ۴ ص۲۹۷ والحافظ السیوطی فی الخصائص الکبریٰ۔

ایک صحابی کی استعانت:- محمد بن عقبہ بن شرجیل سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے دادا عبدالرحمٰن سے روایت کی۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں زخم نکل آیا تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا یانبی اللہ! اس زخم کی وجہ سے اتنا ورم ہوگیا ہے کہ نہ تلوار کا دستہ پکڑا جاتا ہے نہ سواری کی لگام پکڑی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب پہنچا۔ آپ نے اس زخم کو کھول کر میری ہتھیلی پر پھونک ماری پھر اپنا دستِ شفا اس زخم پر رکھ دیا اور اسے اپنی ہتھیلی سے مسلتے رہے۔ اور جب اپنا ہاتھ آپ نے اٹھایا تو میری ہتھیلی پر زخم کا اثر بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ (رواہ الطبرانی و ذکرہ الحافظ

الھیثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸)

معاذ کی طلب:- غزوۂ بدر میں دوران جنگ عکرمہ بن ابی جہل نے معاذ بن عمرو بن جموح کے شانے پر تلوار ماری۔

معاذ کہتے ہیں۔ تلوار کی ضرب سے میرا ہاتھ کٹ کر پہلو کی کھال کے ساتھ لٹک گیا جس کی وجہ سے اس سے لڑائی جاری رکھنا میرے لئے دشوار ہوگیا پھر بھی میں نے اسے دن بھر گھسیٹتے ہوئے جہاد کیا، لیکن جب تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس کٹے ہوئے ہاتھ پر میں اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہوگیا اور کھینچ کر میں نے اسے الگ کردیا۔

مواہب لدنیہ میں ہے۔ معاذ بن عمرو اپنا وہ ہاتھ جسے عکرمہ بن ابی جہل نے تلوار مارکر زخمی اور تقریباً الگ کر دیا تھا۔ اس ہاتھ کو لٹکائے ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جیسا کہ قاضی عیاض نے ابن وہب سے بیان کیاہے۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کٹے ہوئے ہاتھ پر لعابِ دہن لگا دیا اور وہ ہاتھ دوبارہ جُڑ گیا۔ ذکر ھذہ القصۃ الزرقانی و اسند ھا الٰی ابن اسحاق و من طریقہ الحاکم۔" (اصلاح فکر و اعتقاد ص ۲۲۲ تا ص ۲۲۶)

مذکورۂ بالا روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عطائے صحت کے جو معجزے ظاہر ہوئے ان کے بارے میں میرے آقائے نعمت پیر آمر کلیمی شاہ دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ خدا کی مخلوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے تخلیق ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر چیز کی اصل اور سرچشمہ ہے۔

صحت اور تندرستی بھی چونکہ دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے اور رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ لٰہذا حضور پُرنور علیہ التحیۃ والثناء کی ذاتِ بابرکات سے وابستگی رکھنے والی ہر چیز میں شفا پائی جاتی ہے۔ حضور کے لعابِ دہن میں شفاء ہے حضور کے دست اقدس میں شفاء ہے، آپ کی مقدس پھونک میں شفاء ہے، بالفاظ دیگر آپ مجسّم شفاء ہیں۔ آپ کا مطہّر اور منوّر بدن تندرستی کا منبع اور مرکز ہے۔ دنیا کی دوائیں کبھی تندرستی کا باعث بنتی ہیں تو کبھی اُن کا استعمال جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوا شفاء کا یقینی سبب نہیں ہے۔ کیونکہ دوا شفاء کا مظہر تو (بحکمِ الٰہی) کہلا سکتی ہے مگر دوا حقیقت میں شفاء اور صحتمندی کا مبداء اور مصدر نہیں ہے۔ صحت و زندگی کا حقیقی مصدر و محور تو خدائے تعالٰی کی ذات ہے اور اُس کی عطا سے اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحت و حیات کا یقینی سبب اور وسیلہ ہیں اسلئے کہ صرف شفائے امراض ہی نہیں ہر مشکل کا حل آپ کے نور ہی سے وجود میں آتا ہے۔ ہر کامیابی اور فتحمندی آپ ہی کے نور سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ خدا کی ہر نعمت انہیں کے نور سے زیور وجود سے آراستہ ہوئی ہے۔ اور ہوگی۔

؎

نہ فلک نہ چاند تارے نہ سحر نہ رات ہوتی
نہ ترا جمال ہوتا نہ یہ کائنات ہوتی

دوسری بات جو ان روایات کو پڑھنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جلَّ مجدہٗ نے یہ اختیار دے رکھا ہے کہ بہ اذنِ الٰہی و بعطائے خداوندی آپ جسے چاہیں شفاء دے دیں۔ صحت و تندرستی ہی پر کیا موقوف ہے دو جہاں کی تمام نعمتیں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حق تعالیٰ نے آپ کو دونوں جہاں کی تمام نعمتیں عطا فرما کر یہ اختیار بھی دے دیا کہ جسے جو نعمت چاہیں نوازیں۔

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف سلطنتِ مصطفیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کو کوثر دے دیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کوثر عطا فرمایا۔ کوثر سے مراد یا تو حوض کوثر ہے یا بہت بھلائی، یا بہت اُمّت، یا مقام محمود یا شفاعت کبریٰ، یا بہت سے معجزات، یا دنیاوی غلبہ، یا ملکوں کی فتوحات، یا ساری خلقت پر بزرگی یا عالمِ کثرت یعنی اللہ کے ماسوا ساری مخلوقات کچھ بھی مراد ہو مگر معلوم ہوا کہ رب نے دیا اور بہت کچھ دیا۔ محبوب علیہ السلام

نے لے لیا اور دینے والے سے لینے والے کا مالک ہونا لازم آیا۔
نیز اَعْطَیْنا ماضی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطا ہوچکی اور
قبضہ دیا جاچکا۔" (رسائلِ نعیمیہ سلطنت مصطفیٰ ص ۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہونے والی کائنات کی ہر چیز کو رب تعالیٰ نے پیدا ہی اس لئے فرمایا کہ اُسے آپ کی ملکیت میں دے دے۔ اور آپ کو یہ اختیار بھی عطا کردے کہ جو کچھ آپ کی ملکیت میں ہے اسے آپ جسے چاہیں عطا فرمائیں۔ میرے دعوے کی دلیل کے طور پر ذیل کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

" مشکوٰۃ باب السجود و فضلہ میں ہے ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ ابن ابی کعب اسلمی سے خوش ہوکر فرمایا "سَلْ" کچھ مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ یعنی میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں ارشاد فرمایا۔ اَوَ غَیْرَ ذٰالِکَ کچھ اور مانگنا ہے؟ عرض کیا بس یہی۔

اس حدیث سے تین طرح حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی اوّلاً اس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کچھ مانگو یہ نہ فرمایا کہ فلاں چیز مانگو اور یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے قبضے میں سب کچھ ہو پھر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خوب سوچ کر وہ چیز مانگی جو بے مثل ہے یعنی جنت اور جنت کا صدر اعلیٰ عِلّیین ، جہاں حضور کا قیام ہو دُوسرے اس طرح کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا اَسْئَلُکَ میں آپ سے مانگتا ہوں یہ نہ کہا میں خدا سے مانگتا ہوں اور حضور علیہ السلام نے بھی نہ فرمایا کہ تم مشرک

ہوگئے اور ظاہر بات ہے کہ چیز مالک سے مانگی جاتی ہے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔ تیسرے اس طرح کہ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے علاوہ کچھ اور دینے پر بھی قادر ہیں۔ مگر حضرت ربیعہ نے سمجھ لیا تھا کہ جب اس باغِ عالم کا پھول مِل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔ خیر حضرت ربیعہ نہ مانگیں یہ ان کی خوشی دینے میں تو وہاں کوئی انکار نہیں

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی "

(رسائلِ نعیمیہ سلطنت مصطفیٰ ص ۲۲ : ۲۱)

خشک سالی میں تاجدار دو عالم رسول ہاشمی و مطلبی فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے استمداد و استغاثہ

فضیلۃ الاستاذ الکبیر السید محمد بن علوی المالکی المکی الحسنی تحریر فرماتے ہیں۔

" بہت سی احادیث و آثار میں وارد ہے کہ جب خشک سالی ہوتی اور بارش بالکل رک جاتی تو صحابہ کرام دوڑے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تاکہ آپ بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے وسیلہ بن

جائیں۔ شفیع بن جائیں۔ فریاد رسی کریں اور ان کی طلب پوری ہو۔ جو حالات ہوتے اسے وہ سبھی اصحاب آپ سے بیان کرتے اور جو بھی شر و بلاء نازل ہوتی اس کے ازالہ کی درخواست کرتے۔

ایک بار جمعہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی فریاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

یارسول اللہ! اموال ہلاک ہوئے۔ راستے بند ہوگئے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تو بارش ہونے لگی اور دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ وہ اعرابی آکر پھر کہنے لگا۔

یارسول اللہ! مکانات گرنے لگے۔ راستے بند ہونے لگے۔ مویشی ہلاک ہونے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا فرمائی تو بادل چھٹ گیا اور بارش صرف مدینہ کے اردگرد ہونے لگی (یعنی مدینہ اس طوفانی بارش سے محفوظ ہوگیا)

رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذاقحطوا۔ وروی ابوداؤد بسند جید عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت شکا الناس الی رسول اللّٰہ قحط المطر۔ رواہ ابو داؤد فی کتاب الصلوٰۃ ابواب الاستسقاء۔ واخرج البیھقی فی دلائل النبوۃ عن انس بسند لیس فیہ متھم بالوضع وانظر۔ فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵ (اصلاح فکر و اعتقاد ص ۲۲۶ ص ۲۲۷)

اس واقعہ سے صحابہ کرام جیسے معیارِ حق و صداقت حضرات کا دستورِ حیات روزِ روشن کی طرح امتِ مرحومہ پر عیاں ہوگیا کہ رسولِ

خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بالراست دین و ایمان کی تعلیم لینے والے اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کو جادۂ مستقیم کی رہنمائی کرنے والے عظمت کے میناروں کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ فوراً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنا دکھ درد آقا علیہ السلام کو سناتے تھے۔ حضور کبھی ان کے حق میں دعا فرماتے تھے تو کبھی اپنے خداداد اختیارات کو بروئے کار لاکر ان کی مشکل آسان کر دیتے تھے۔ محولۂ بالا روایت گواہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے صحابہ کو نفع بھی پہنچا۔ اور جب بارش نقصان دہ ثابت ہوئی تو پھر اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جن صحابی نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لئے دعا کرنے کی استدعا کی تھی انہیں صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کو روکنے کی دعا کرنے کی درخواست بھی کی۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور دعا فرمادیں تو ہمیں نفع ملتا ہے اور آپ کی دعا ہوجائے تو ہم نقصان سے بچ بھی جاتے ہیں۔

الغرض صحابۂ کرام کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کرنا اور حضور ختمی مرتبت نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی حاجت روائی فرمانا کئی دلائل سے پایہ ثبوت کو پہنچا۔

مافوق الاسباب کاموں میں غیر اللہ سے استعانت کا قرآن سے ثبوت

انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا ہر گوشہ امتوں کی سیرت سازی کے سفر میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

سلیمان علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ توحید کے رمز شناس ہیں۔ اور اس دنیا میں تشریف ہی لائے ہیں شرک کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری روئے زمین کی سلطنت عطا فرمائی۔ آپ پیغمبری کا امتیازی وصف اور حق تعالیٰ کا قربِ خاص رکھنے کے باوصف اور صاحبِ معجزات و تصرفات ہونے کے باوجود اپنے درباریوں سے ارشاد فرماتے ہیں۔ رب تعالیٰ آپ کے اس قول کی حکایت فرماتا ہے۔

قال یایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین○ قال عفریت من الجن انا اٰتیك به قبل ان تقوم من مقامك وانی علیه لقویٌّ امین قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اٰتیك بهٖ قَبلَ اَن یرتدالیك طرفك

(سورۂ نمل)

حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السّلام نے فرمایا اے اہل دربار تم میں سے کون ہے جو تختِ بلقیس کو میرے پاس پہنچا دے۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں۔ ایک قوی ہیکل جن نے کہا آپ کے مجلس سے اُٹھنے سے پہلے میں اُسے حاضر کرسکتا ہوں اور میں اُس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں اور جس کے

پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اسے آپ کی پَلک جھپکنے سے پہلے حاضر کرسکتا ہوں۔

علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں

"تخت کو آنِ واحد میں مسافت کثیرہ سے منتقل کر دینا ایک ایسا خرق عادت ہے کہ قوی ہیکل جن بھی باوجود بے پناہ طاقت کے اس پر قادر نہ تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اسی خرقِ عادت کو اہل دربار سے طلب کیا۔"

(توضیح البیان لخزائن العرفان ص ۵۷ - ۵۸)

عادۃً ایسا کام کسی انسان کی تو کیا کسی قوی ہیکل جن کی بھی طاقت سے باہر تھا۔ مگر سلیمان علیہ السلام کے ایک خادم نے یہ کام کر دکھایا۔ تو معلوم ہوا کہ جو کام عادۃً محال ہو وہ کام انبیاء کرام ہی نہیں حق تعالیٰ شانہٗ کے کرمِ بے پایاں سے ان کے خدّام اور اولیاء اللہ بھی کردیتے ہیں۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بجا ارشاد فرمایا کہ

؎

تیرِ جستہ باز گرداند ز راہ
اولیا را ہست قدرت از الٰہ

سلیمان علیہ السلام خود پلک جھپکنے سے پہلے تختِ بلقیس کو اُس دور دراز مقام سے لاسکتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنے ایک خادمِ خاص سے یہ خدمت لیکر یہ بتادیا کہ اللہ کے نبیوں اور اس کے برگزیدہ

بندوں کے خدام بھی اللہ کے محبوب ہوتے ہیں اور ان سے بھی بے شمار حیرت انگیز کارنامے اور خلافِ عادت امور ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر انبیاء کی صحبت اور خدمت بھی انسان کو انسانِ کامل ہونے کا امتیاز عطا کرتی ہے اور اسے ولایت کے عظیم و جلیل منصب اور کشف وکرامت کی دولت سے مالامال کرتی ہے۔

کاش اولیاء کے مقامات کے انکار کو اپنی سوچ کی انفرادیت کا نام دینے والے لوگ اس حقیقت کو تسلیم کرلیتے کہ اللہ والے چشم زدن میں لمبی مسافت طے کر کے اپنی مطلوبہ چیز لانے ہی پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ پلک جھپکنے سے پہلے بےشمار حیرت انگیز کارنامے انجام دینے پر بھی قادر ہیں۔ اور یہ قدرت ان کو بارگاہِ ربُ العزت ہی سے ملی ہے۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہء چشمے بما کنند
مشکل ز توجہِ تو آساں
آساں ز تغافلِ تو مشکل

سلیمان علیہ السلام کے اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ جو کام مافوق الاسباب ہوتے ہیں ان میں بھی اہل اللہ سے استعانت شرک یا حرام نہیں۔ قرآن حکیم کی روشنی میں قطعاً جائز بلکہ انبیاء علیہم السلام کے عمل سے ثابت ہے۔ مخلوق سے استعانت سلیمان علیہ السلام ہی

کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت سے بھی ثابت ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ
من انصاری الی اللہ میرا مددگار کون ہے
عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اولوالعزم پیغمبر ہوتے ہوئے اور مُردوں کو زندہ کرنے، مادر زاد اندھے کو بینا کرنے اور برص کے بیمار کو اچھا کرنے وغیرہ معجزات کے حامل ہونے کے باوجود اپنے حواریوں سے مدد و نصرت طلب فرماتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اس رویّہ کو دیکھ کر اگر ہم مشکل حالات میں شہنشاہِ اولیاء حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے استمداد کریں تو بارگاہ غوثیت میں ہمارا استغاثہ شرک یا گناہ کیسے کہلائیگا۔ ہم الجھنوں سے تنگ آکر خواجۂ خواجگاں سے فریاد کریں کہ

بحقِّ جودِ شہِ ھَلْ اَتٰی غریب نواز
کشاکشا مری مشکل کشا غریب نواز

تو ہمارے اس عمل کو بدعت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اولیاءاللہ سے ان کی زندگی میں تو مدد طلب کی جاسکتی ہے مگر ان کی وفات کے بعد ان سے مدد طلب کرنا شرک اور بدعتِ شنیعہ ہے۔ ہم ان حضرات کی خدمت میں اہل سنت وجماعت کے اکابر کا حسبِ ذیل عقیدہ پیش کرتے ہیں۔

" شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔

و حجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے بعد از وفات و یکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر و شیخ معروف کرخی و شیخ عبد القادر جیلانی و دو کس دیگررا از اولیأ شمردہ و مقصود حصر نیست۔ آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ و سیدی احمد بن مرزوق از اعاظم فقہا و علماء و مشائخ دیار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابوالعباس حضر می از من پرسید کہ امداد حی قوی است یا امداد میّت من گفتم قومے میگوئیند کہ امداد حی قوی تر است و من میگوئم کہ امداد میّت قوی تر است۔ پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق است و در حضرت اوست و نقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر از انست کہ حصر و احصاء کردہ شود و یافتہ نمی شود۔ در کتاب و سنّت و اقوال سلف صالح کہ منافی و مخالف ایں باشد و رد کند ایں را و بتحقیق ثابت شدہ است بآیات و احادیث کہ روح باقی است و اورا علم و شعور بزائراں و احوال ایشاں ثابت است و ارواح کاملاں را قربے و مکانتے در جناب حق ثابت است۔ چنانکہ در حیات بود یا بیشتر ازاں و اولیاء را کرامات و تصرّف در اکوان حاصل است و آں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است و متصرف حقیقی نیست۔ مگر خدا عزشانہٗ و ہمہ بقدرت اوست و ایشاں

فانی اند در جلال حق در حیات و بعد از ممات پس اگر دادہ شود مر احدے را چیزے بوساطت یکے از دوستان و مکانتے کہ نزد خدا دارد دُور نباشد چنانکہ در حالتِ حیات بود و نیست فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را جل جلالہٗ وعم نوالہٗ و نیست چیزے کہ فرق کند میان ہر دو حالت و یافتہ نشدہ است دلیلے بر آں۔

اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا جن سے زندگی میں استمداد حاصل کی جاتی ہے۔ ان سے بعد وفات بھی استعانت کی جاتی ہے اور مشائخ عظام میں سے بعض نے کہا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ وہ جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے اسی طرح اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک شیخ معروف کرخی اور دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے علاوہ دو کا اور نام لیا اور ان کا مقصد ان چار میں حصر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ محض اپنے مشاہد کو بیان کیا۔ اور سید احمد بن مردوق (جو کہ دیارِ مغرب کے مشائخ اور فقہاء میں سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی۔ میں نے کہا۔ کہ ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد قوی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ میّت کی امداد زیادہ قوی ہے۔ پس شیخ نے کہا کہ ہاں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی پناہ میں ہیں اور اس معنی میں اس طائفہ سے بیشمار منقولات ہیں جو کہ حد و شمار سے باہر ہیں اور کتاب و سنت اور اقوال سلف و صالحین میں اس کے خلاف کوئی تصریح نہیں پائی جاتی اور

تحقیق یہ ہے کہ آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ کہ روح باقی رہتی ہے اور اس کو زائرین اور ان کے احوال کا علم و شعور بھی ہوتا ہے اور ارواح کاملین کا خدا کی بارگاہ میں عظیم قرب اسی طرح ہوتا ہے۔ جیسے حیات دنیاوی میں تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اولیاء کو کرامات اور تصرف فی الکون حاصل ہے اور اس کا ثبوت نہیں مگر ان کی ارواح کے لئے اور ارواح باقی رہتی ہیں اور متصرف حقیقی سوائے اللہ عزشانہٗ کے اور کوئی نہیں اور تمام قدرت اسی کی ہے۔ اور وہ حَیات و ممَات میں حق سبحانہ کی ذات میں فنا ہوچکے ہیں۔ پس اگر کسی کو ان کی وساطت سے کچھ دیا جائے۔ بسبب اس مرتبہ کے جو خدا کے نزدیک ان کے لئے ثابت ہے۔ تو بعید نہیں۔ جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا۔ اور فعل و تصرف ہر حالت میں اللہ عزّ وجل ہی کے لئے ہے اور کوئی چیز نہیں جوحالتِ حیات اور ممَات میں فرق کرے اور نہ اس پر کوئی دلیل پائی گئی ہے۔"

(توضیح البیان لخزائن العرفان از علامہ غلام رسول سعیدی ص۸۳ ص۸۴ ص۸۵)

مذکورۂ بالا عبارت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اہل اللہ سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ یہ استعانت و استغاثہ شرک بدعت یا گناہ نہیں۔ اور اہل اللہ اپنی دنیاوی زندگی سے زیادہ بعد وصال تصرف کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ کیونکہ وفات کے بعد ان کی خداداد قوتوں میں حیرت انگیز اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور انکی یہ امداد و اعانت حقیقت میں حق جل مجدہٗ ہی کی مدد اور نصرت ہوتی ہے۔ اولیاء کی کرامات اور کائنات میں ان کا

تصرف ان کے جسموں کا تصرف اور کرشمہ نہیں بلکہ ان کی مقدس روحوں کا کام ہے۔ اور ان کی ارواح کو حق تعالیٰ بقائے دوام عطا کرتا ہے۔ اور ارواح اولیاء ہی پر کچھ موقوف نہیں ہر شخص کی روح اس کے انتقال کے بعد بھی باقی اور زندہ رہتی ہے۔گو کرامات اور تصرفات ہرکس و ناکس کی روح کے اختیار میں نہیں ہوتے۔

یہاں ہم صدرالافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جس کا مطالعہ بہت ناگزیر ہے۔

"انصاف کیجئے کہ جو مسلمان یہ کہہ رہا ہے کہ ہم انبیاء واولیاء کو پیروں کو شہیدوں کو اللہ کی برابر نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کا بندہ اور اسی کی مخلوق جانتے ہیں وہ کیسے مشرک ہوگیا اس کا یہ اعتقاد تو بالکل قرآن وَ حدیث کے مطابق اور توحید کا اعلیٰ اعلان ہے۔ ردِ شرک کا یہ بہتر طریقہ ہے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت مسیح علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

قَالَ اِنِّی عَبۡدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا (سورۂ مریم)

کہا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھے کتاب دی اور نبی کیا۔

اسی طرح مسلمان کا یہ اعتقاد کہ انبیاء و اولیاء و شہداء کو قدرت تَصرُّف اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ اس کی مرضی سے عالَم میں تصرّف کرتے ہیں بالکل حق ہے۔ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ ارشاد موجود ہے۔

اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًاۢ

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ ؕ

میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے جِلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔

دیکھو یہ قدرت تصّرف اللہ نے بخشی قرآن نے بتائی۔ حضرت مسیح نے ظاہر فرمائی۔" (اطیب البیان فی ردّ تقویۃ الایمان ص ۲۳۷ ص۲۳۸)

حق رسیدہ لوگ مظاہرِ عوْنِ الٰہی کی امتیازی شان سے مالامال ہوتے ہیں لہٰذا خاصانِ خدا کی حمایت و نصرت در حقیقت حق تعالیٰ ہی کی تائید و نصرت ہے اس عقیدہ کے پیش نظر مقربِ بارگاہِ خداوندی ہستیوں سے مدد طلب کرنیوالا دراصل خدائے تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنیوالا ہے۔ اس دینی صداقت کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الصّدق اور جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے

حضرت ممدوح علیہ الرحمہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں

اگر التفات محض بجانب حق است و او را یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفاں نخواہد بود و در شرع نیز جائز وروا

ست و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و درحقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرتؒ حق ست نہ از غیر۔
(تفسیر عزیزی صفحہ۱۰)

یعنی اگر التفات خاص حق تعالیٰ کی طرف ہو اور بندۂ مُقَرَّبْ کو مدد الٰہی کا مظہر جان کر اور اللہ تعالیٰ کے کارخانۂ اسباب و حکمت پر نظر کر کے ظاہراً غیر سے استعانت کرے تو یہ عرفان سے دور نہ ہوگا۔ اور شرع میں بھی جائز و روا ہے اور انبیاء و اولیاء نے غیر سے اسطرح کی استعانتُ کی ہے۔ اور در حقیقت اس طَرح مدد مانگنا غیر سے نہیں بلکہ خدا ہی سے مدد مانگنا ہے۔''
(اطیب البیان فی ردّ تقویۃ الایمان ص ۲۳۸ ص ۲۳۹)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبیوں اور پسندیدہ بندوں سے ان کی زندگی میں تو مدد مانگنا جائز ہے مگر بعد وفات ناجائز اور شرک ہے۔ اگر یہ واقعی شرک ہے تو ان کی زندگی میں کس وجہ سے شرک نہیں ہے اور اگر شرک نہیں ہے تو ان کی وفات کے بعد کیونکر شرک ہوگیا۔ حق تو یہ ہے کہ کسی غیر اللہ سے اُسکی زندگی میں مدد طلب کرنا اگر گناہ اور شرک ہے تو اُس کی وفات کے بعد بھی حرام و شرک ہے۔ اور اگر معصیت اور شرک نہیں ہے تو اُس کی وفات کے بعد بھی مباح اور حلال ہے۔ عقیدۂ توحید سے متصادم طرز عمل نہیں بلکہ اس کے عین موافق رویّہ ہے۔ ذیل میں ہم ''تبیان القرآن'' کے حوالے سے وہ احادیث نقل کررہے ہیں جو خدا کے محبوب بندوں سے استمداد کو جائز قرار دیتی ہیں۔

خاصانِ الٰہی سے براہ راست استمداد کے متعلق احادیث

" امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: " کراماً " کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ "اے اللہ کے بندو تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔" (المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابوبکر دینوری معروف بابن السنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! اس کو روک لو، اے اللہ کے نیک بندو اس کو روک لو، کیونکہ زمین میں اللہ عزوجل کے کچھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔" (عمل الیوم و اللیلہ ص ۱۶۲، مطبوعہ مطبع مجلس الدائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن ۱۳۱۵ھ) (تبیان القرآن جلد اول ص ۲۰۹، ۲۱۰)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہٗ کی قبر شریف قبولیت دعا کیلئے تریاق مجرّب ہے۔

حضور سید الاولیاء حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ اقدس کو وسیلۂ عظمیٰ ماننے والوں کو مژدۂ جانفزا

نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر مصنّفہ ملّا علی قاری صفحہ ۲۱ (بحوالہ جاء الحق) میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا:

" مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ کُرْبَۃٍ کُشِفَتْ عَنْہُ وَمَنْ نَادَانِیْ بِاسْمِیْ فِی شِدَّۃٍ فُرِجَتْ عَنْہُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ اِلَی اللّٰہِ فِیْ حَاجَۃٍ قُضِیَتْ

یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدّت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اُس کی حاجت پوری ہوگی۔"

اس سے بھی ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ کے دوستوں کی ساری زندگی بے کسوں، محتاجوں، مظلوموں کی دستگیری اور ہر حیثیت سے ان کی ہمدردی اور غمخواری سے عبارت ہوتی ہے۔ اللہ کے برچیدہ بندے حق تبارک و تعالیٰ کی شان کریمی کے مظہرِ کامل ہونے کی جہت سے نہ صرف اپنی دنیاوی زندگی میں بلکہ پسِ وفات بھی خلقِ خدا پر شفقت ان کی حمایت وغمگساری اور رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

ندائے غائب، دست بوسی، قدم بوسی، سماع موتی انبیاء اولیاء اور صالحین سے استعانت یہ سب مسائل چونکہ مسئلہ توسُّل سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور تصوف و سلوک کے راستے میں ان مباحث اور ان کے ذیلی مسائل سے آگاہی وقت کا ایک اہم تقاضہ ہے لہٰذا ہم نے ان موضوعات پر اپنی محدود علمی لیاقت کے مطابق قرآن و حدیث اور علمائے اعلام کے ارشادات کی روشنی میں کچھ باتیں تحریر کرنے کی جسارت کی ہے۔ ان موضوعات پر کچھ لکھنے کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی گئی کہ نئی نسل سے تعلق رکھنے والا طبقہ خانقاہی نظام میں شامل ان امور کو شرک و بدعت سمجھ کر اس نظام ہی سے متنفر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں بیعت جیسی نعمت سے محروم رہ جاتا ہے امید ہے کہ حق پسند طبیعتیں ہماری اس کوشش کو رائیگاں ہونے نہیں دیں گی۔

ع

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ بیعت کی فرضیت کی پانچویں دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ے

پنجم ہے فرض عین طلب علمِ دین کا
برجملہ اہل قبلہ چہ مردان و چہ زناں

یعنی تمام مسلمانوں پر علم دین کا طلب کرنا فرضِ عین ہے۔

اور یہ مسلمان مردوں اور عورتوں پر یکساں فرض ہے

ے

پس دیں کا ظہر و بطن شریعت طریقت است
اور بطنِ بطن سرّ حقیقت اے جانِ جاں

یعنی دین کے ظاہری حصّہ کو شریعت اور باطنی جزء کو طریقت کہا جاتا ہے اور طریقت کے باطنی پہلو کو علمِ حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لٰہذا علمِ شریعت ہو علمِ طریقت ہو علمِ حقیقت ہو یا علمِ معرفت، سب علمِ دین ہی کی قسمیں ہیں۔ اور ان سب علوم کی تحصیل ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

ے

مثلاً رکوع و سجدہ شریعت نماز میں
اور قلب کا حضور طریقت سے ہے نشاں

یعنی نماز میں رکوع اور سجدہ کا صحیح طریقہ شریعت کے علم سے تعلق رکھنے والی بات ہے اور نماز میں دل کا حاضر رہنا اور تمام وساوس اور خطرات سے دل کا پاک ہونا علمِ طریقت کا نہایت اہم گوشہ ہے۔

ے

معبود کا شہود حقیقت ہے قلب میں
لابُد ہے پیر تا کرے اس علم کو بیاں

چشم دل سے حق تعالیٰ کے جمالِ دلنواز کا بِلا کیف دیدار کرنے (جسے اصطلاحِ تصوف میں شہود کہتے ہیں) کے لئے علمِ حقیقت سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے اور اس علم کے حصول کے لئے کسی عارفِ واصل پیر سے بیعت کرنا بنیادی طور پر لازم ہے۔ ان اشعار میں سرکار سیدنا شاہ کمال دوم شمعِ خاندانِ چشت علیہ الرحمہ نے شریعت طریقت اور حقیقت سے تعلق رکھنے والے علوم ومعارف کو علمِ دین ہی کے مختلف پہلو قرار دیا ہے۔ شریعت کا علم ہو یا طریقت کا حقیت کا علم ہو یا معرفت کا ان سب کا اصل منبع و مخزن یا ماخذ و مرجع کتاب وسنت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ علمِ دین کی اہمیت اور افادیت پر جس قدر مذہبِ اسلام نے زور دیا ہے اور کسی مذہب نے نہیں دیا۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم اور احادیثِ مبارکہ علمِ دین کی قدر و قیمت کا کس طرح تعین کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

فضیلتِ علم اور قرآنِ حکیم

مندرجۂ ذیل آیاتِ کریمہ علمِ دین کی اہمیت و عظمتِ شان پر شاہد عدل ہیں، ان کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بیشتر آیاتِ شریفہ علمِ دین کی عظمت و جلالت پر روشنی ڈالتی ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ البقرۃ : ۲-۳۱

اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط البقرۃ : ۲-۲۶۹

اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ - (اٰل عمران : ۳-۱۶۴)

اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔[1]

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (النساء ۴-۱۱۳)

اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔[2]

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ٥ (التوبہ ۹-۱۲۲)

تو کیوں نہ ہو کہ اُن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے

---

[1] یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم

[2] یہاں خطاب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم سے ہے

کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرسنائیں اِس اُمید پر کہ وہ بچیں۔

وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا○ (الکھف ۱۸-۶۵)

اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ ؎۱

هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا○ (الکھف ۱۸-۶۶)

کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دوگے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ ؎۲

وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ○ (طٰهٰ ۲۰-۱۱۴)

اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

فَسۡئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ○ (الانبیاء ۲۱-۷)

تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر ۳۵-۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ (الزمر ۳۹-۹)

تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

اَلرَّحۡمٰنُ ○ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ○ (الرحمٰن ۵۵-۲-۱)

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

؎۱ یعنی حضرت خضر علیہ السّلام کو

؎۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا

احادیث فضیلت علم

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص چالیس حدیثیں یاد کرے تو اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا۔ اس لئے ذیل میں ہم علم کے فضائل پر مشتمل چالیس احادیثِ کریمہ درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ گو کہ ان کے علاوہ بھی اس موضوع سے تعلق رکھنے والی بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

یہ تمام احادیث ہم نے حضرت العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی موقر تصنیف مقاصد الاسلام حصۂ چہارم سے لی ہیں۔

(۱) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: العلم افضل من العبادة (خط و ابن عبدالبر فی العلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم عبادت سے افضل ہے۔

(۲) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی اللہ علیه وسلم: العلم حیاة الاسلام و عماد الدین

(ابو الشیخ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے علم اسلام کی زندگی اور دین کا ستون ہے۔

(۳) عن ام هانیءٍ رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : العلم میراثی و میراث الانبیاء قبلی (فر)

روایت ہے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم میری اور مجھ سے سابق انبیاء کی میراث ہے۔

ہے پس سیکھو اور سکھاؤ اور سمجھ پیدا کرو اور مت مرو حالت جہل میں کیونکہ اللہ تعالیٰ عذرِ جہل قبول نہیں فرماتا ہے۔

(۷) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : خيّر سليمان بين المال والملك و العلم فأُعطی الملك والمال لاختياره العلم (ابن عساكر،فر)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلیمان علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں ملک و سلطنت و مال اختیار کریں یا علم، انہوں نے علم اختیار کیا جس کے باعث ان کو ملک بھی دیا گیا اور مال بھی۔

(۸) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لكل شئي طريق و طريق الجنة العلم (فر)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے کہ ہر چیز کے لئے ایک راستہ ہوتا ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔

(۹) عن ابی ایوب رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : مسئلة واحدة يتعلمها المؤمن خير له من عبادة سنة وخير له من عتق رقبة من ولد اسماعيل، وان طالب العلم والمرأة المطيعة لزوجها والولد البار بوالديه يدخلون الجنة مع الانبياء بغير حساب (ابوبكر النقاش و الرافعی فی تاريخه)

روایت ہے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک مسئلہ جو مسلمان سیکھے بہتر ہے اس کے

لئے ایک برس کی عبادت سے اور آزاد کرنے سے ایسے غلام کے جو اولاد سے اسماعیل علیہ السلام کے ہو، اور طالب علم اور جو عورت کہ فرمانبردار اپنے شوہر کی ہو اور جو لڑکا کہ ماں باپ کا فرمانبردار ہو یہ سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۱۰) عن الحسين بن علی و ابن عباس و انس وغيرهم رضی الله تعالی عنهم قالوا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : طلب العلم فريضة علی كل مسلم (عب۔هب۔ط۔ص۔خط۔طس)

روایت ہے حسین بن علی و انس و ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۱۱) عن ابن ذر و ابی هريرة رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اذا جاء الموت لطالب العلم وهو علی هذه الحالة مات وهو شهيد (البزار)

روایت ہے ابوذر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب طالب علم کو موت آجائے اور وہ حالت طالب علمی میں ہو تو وہ شہید مرے گا۔

(۱۲) عن سخبرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : طلب العلم كان كفارة لمامضی (ت)

روایت ہے سخبرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کی طلب گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

(۱۳) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : من طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع (حل)

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو علم طلب کرے سو وہ حق تعالیٰ کی راہ میں رہے گا جب تک کہ لوٹے۔

(۱۴) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : طالب العلم تبسط لہ الملائکۃ اجنحتھا رضی بما یطلب (ابن عساکر)

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے: فرشتے طالب علم کے لئے پر بچھاتے ہیں بسبب رضامندی اس چیز کی جس کو وہ طلب کررہا ہے۔

(۱۵) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : ان المؤمن اذا تعلم باباً من العلم عمل بہ اولم یعمل بہ کان افضل من ان یصلی الف رکعۃ تطوعاً (ابن لال)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان جب ایک باب علم کا سیکھتا ہے خواہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے سو یہ صرف سیکھنا ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

(۱۶) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : طالب العلم افضل عند اللہ من المجاھد فی سبیل اللہ (فر)

روایت ہے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: طالب علم اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے

والے سے افضل ہے۔

(۱۷) عن عائشة رضی الله عنها قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من انتعل ليتعلم علماً غفرله قبل ان يخطو (الشيرازی)

روایت ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص طلب علم کی غرض سے نکلنا چاہے تو قدم اٹھانے سے پہلے جوتا پہنتے ہی گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔

(۱۸) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من جاء اجله و هو يطلب العلم لقى الله تعالى ولم يكن بينه و بين النبيين الادرجة النبوة (طس)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس کی موت طالب علمی کی حالت میں آجائے تو حق تعالیٰ سے وہ ایسی حالت میں ملے گا کہ اس میں اور نبیوںؑ میں سوائے درجۂ نبوت کے اور کوئی فرق نہ ہوگا۔

(۱۹) عن حسان بن ابی سنان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طالب العلم بين الجهال كالحى بين الاموات۔ (العسكرى فى الصحابة وابو موسى فى الذيل)

روایت ہے حسان بن ابی سنان سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: طالب علم جاہلوں میں ایسا ہے جیسے زندہ مردوں میں۔

(۲۰) عن معاذ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: العالم امين الله فى الارض (ابن عبدالبر فى العلم)

روایت ہے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے: عالم زمین پر اللہ کا امین (نائب) ہے۔

(۲۱) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: العلماء مصابیح الارض و خلفاء الانبیاء وورثتی و ورثۃ الانبیاء (عد)

روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے خلیفے (جانشین) اور میرے اور دوسرے نبیوں کے وارث ہیں۔

(۲۲) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: العلماء ورثۃ الانبیاء یحبھم اھل السماء ویستغفرلھم الحیتان فی البحر اذا ماتوا الی یوم القیامۃ (ابن النجار)

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے: علماء انبیاء کے وارث ہیں جن کو آسمان والے دوست رکھتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو قیامت تک دریا میں مچھلیاں ان کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔

(۲۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اجتمع العالم والعابد علی الصراط قیل للعابد ادخل الجنۃ و تنعم لعبادتک، وقیل للعالم قف ھنا واشفع لمن احببت فانک لاتشفع لاحد الاشفعت فقام مقام الانبیاء (ابو الشیخ فی الثواب)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب عالم اور عابد صراط پر ملیں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ جنت میں چلا جا اور عبادت کے سبب سے جنت میں عیش کر، اور عالم سے کہا جائیگا کہ یہاں ٹھہر اور جس سے محبت

رکھتا ہے اس کی شفاعت کر جس کی شفاعت تو کرے گا قبول کی جائے گی! چنانچہ وہ انبیاء کے مقام میں کھڑا ہوگا۔

(٢٤) عن انس و عمران بن حصین و ابی الدرداء و النعمان بن بشیر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوزن یوم القیامۃ مداد العلماء و دم الشہداء فرجح مداد العلماء علی دم الشہداء (الشیرازی والموھبی وابن عبدالبر وابن الجوزی فی العلل)

روایت ہے انس و عمران و ابی الدرداء و نعمان رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: قیامت کے دن سیاہی علماء کی اور خون شہیدوں کا تولا جائے گا اور علماء کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا۔

(٢٥) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عالم ینتفع بہ خیر من الف عابد (فر)

روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ایک عالم جس سے نفع ہو بہتر ہے ہزار عابدوں سے۔

(٢٦) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صاحب العلم یستغفر لہ کل شئی حتی الحیتان فی البحار (ع)

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ہر چیز عالم کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں دریا میں۔

(٢٧) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : فضل

العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ، ان اللہ عز و جل و ملائکته واھل السموات والارضین حتی النملة فی جحرھا و حتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر (ت)

روایت ہے ابوامامہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر، یقیناً اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور آسمان و زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنی سوراخ میں اور مچھلیاں لوگوں کو اچھی بات سکھلانے والے کے حق میں دعا کرتے اور رحمت بھیجتے ہیں۔

(۲۸) عن واثلة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : ما من شئی اقطع لظھرا بلیس من عالم یخرج فی قبیلة (فر)

روایت ہے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کوئی چیز ابلیس کی پیٹھ توڑنے میں زیادہ اثر نہیں رکھتی اس عالم سے جو کسی قبیلے میں پیدا ہو۔

(۲۹) عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ : مجالسة العلماء عبادة (فر)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: عالموں کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔

(۳۰) عن جابر رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ : اکرموا العلماء فانھم ورثة الانبیاء فمن اکرمھم فقد اکرم اللہ ورسوله (خط)

روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے: عالموں کی بزرگی (عزت و اکرام) کرو اس لئے کہ وہ نبیوں کے وارث ہیں جس نے ان کی بزرگی کی اس نے خدا اور رسول کی بزرگی کی۔

(۳۱) عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ساعة من عالم متکیءٍ علی فراشه ینظر فی علمه خیر من عبادة العابد سبعین عاماً (فر)

روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو عالم کہ ٹیکا لگائے ہوئے اپنے بستر پر اپنے علم میں ایک ساعت غور کرے سو وہ عابد کی ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۳۲) عن عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: فضل العالم علی العابد سبعین درجة مابین کل درجة کما بین السماء والارض (ع)

روایت ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: فضیلت عالم کی عابد پر ستر درجے ہے، ہر درجے میں اتنی مسافت ہے جتنی آسمان و زمین میں ہے۔

(۳۳) عن بهزبن حکیم عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ: من استقبل العلماء فقد استقبلنی، و من زارالعلماء فقد زارنی، ومن جالس العلماء فقد جالسنی، و من جالسنی فکأنما جالس ربی۔ (رافعی)

روایت ہے بہز بن حکیم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جس نے علماء کا استقبال کیا اس نے میرا استقبال کیا، اور

جس نے علماء سے ملاقات کی اس نے مجھ سے ملاقات کی، اور جو علماء کے ساتھ بیٹھا، وہ میرے ساتھ بیٹھا، اور جو میرے ساتھ بیٹھا گویا وہ میرے رب کے ساتھ بیٹھا۔

(٣٤) عن معاذ بن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من علم علماً فله اجر من عمل به لاینقص من اجرالعامل شیئاً

روایت ہے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو علم سکھلائے اس کو ثواب اس شخص کا ہے جو اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والے کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔

(٣٥) عن ابی سعید رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من علم آیة من کتاب الله او باباً من علم انمی الله اجره الی یوم القیامة (ابن عساکر)

روایت ہے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو کوئی قرآن شریف کی ایک آیت یا کوئی باب علم کا کسی کو سکھلادے تو حق تعالیٰ اس کا ثواب قیامت تک بڑھاتا جائے گا۔

(٣٦) عن سمرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ماتصدق الناس بصدقة افضل من علم ینشر(طب)

روایت ہے سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کوئی صدقہ علم کی اشاعت سے بہتر نہیں ہے۔

(٣٧) عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: اغد عالما او متعلما او مستمعاً او محباً ولا تکن الخامس فتهلك (طس)

روایت ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کہ: بن تو عالم یا علم سیکھنے والا یا سننے والا یا دوست اس کا، اور پانچویں قسم سے مت بن کہ ہلاک ہو جائے گا۔

(۳۸) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : العلم دین والصلوٰة دین فانظروا عمن تاخذون هذا العلم و کیف تصلون هذه الصلوٰة فانکم تسئلون یوم القیامة (فر)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: علم دین ہے اور نماز بھی دین ہے، تو دیکھو کہ تم اس علم کو کیسے شخص سے سیکھتے ہو اور یہ نماز کیسی ادا کرتے ہو، کیونکہ تم سے قیامت کے دن اس کا سوال ہوگا۔

(۳۹) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: خیار امتی علماؤها وخیر علمائها رحماؤها، اَلاوان الله تعالی لیغفر للعالم اربعین ذنباً قبل ان یغفر للجاهل ذنباً واحدا، اَلاوان العالم الرحیم یجیء یوم القیامة و ان نوره قد اضاء یمشی فیه ما بین المشرق والمغرب کما یضیء الکوکب الدری (حل، خط)

روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: میری امت کے وہ لوگ بہتر ہیں جو علماء ہیں، اور علماء میں وہ بہتر ہیں جو رحم دل ہیں، اور حق تعالیٰ عالم کے چالیس گناہ بخش دیتا ہے قبل اسکے کہ جاہل کا ایک گناہ بخشے، رحم دل عالم قیامت کے دن اس شان سے آئے گا کہ نور اس کا مشرق و مغرب تک روشن ہوگا جیسے کوئی ستارہ روشن ہوتا ہے، اور وہ اس نور میں راہ طے کرے گا۔

(٤٠) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا حسد ولاتملق الافی طلب العلم (عد، هب والخطیب)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: سوائے طلب علم کے حسد اور خوشامد کسی چیز میں نہ کرنا چاہیے۔

یہ چالیس حدیثیں کنز العمال سے نقل کی گئی ہیں، اور جو رموز کہ ہر حدیث کے آخر میں مذکور ہیں ان کی تفسیر یہ ہے:

(ت) ترمذی (د) ابو داود (طب) طبرانی فی الکبیر (عد) ابن عدی فی الکامل (حل) ابو نعیم فی الحلیه (ص) سعید بن منصور (طس) طبرانی فی الاوسط (فر) دیلمی فی الفردوس (هب) بیهقی فی شعب الایمان (خط) خطیب (ط) ابو داود طیالسی (ع) ابویعلی (ك) حاکم۔ (مقاصد الاسلام حصہ چہارم ص ۲۸ تا ص ۴۱)

اوپر نقل کردہ احادیثِ کریمہ میں حدیث ۱ حدیث ۴ حدیث ۵ حدیث ۹ حدیث ۱۵ حدیث ۲۳ حدیث ۲۴ حدیث ۲۵ حدیث ۲۷ حدیث ۳۱ اور حدیث ۳۲ میں عابد پر عالم کی فضیلت اور برتری کا بیان پایا جاتا ہے۔

علمِ دین کو عبادت پر اسلئے فوقیت حاصل ہے کہ علم اصل ہے اور عمل فرع۔ علم کی بنیادوں ہی پر زہد و تقویٰ کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ علم کی افادیت کئی پہلوؤں سے عمل کی افادیت پر سبقت لے جاتی ہے۔ عمل کا نفع زیادہ تر عمل

کرنے والے کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے۔ مگر علم کی نفع رسانی کی وسعت اور ہمہ گیری کی بات کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو فرشتوں پر اسی وجہ سے برتری عطا فرمائی کہ آپ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا علم فرشتوں کے علم سے بہت زیادہ وسیع و عمیق تھا۔ خدا کی نظر میں بہت وقیع اور اپنی ہمہ جہتی اور افادیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ لہٰذا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ عمل علم کی برابری نہیں کر سکتا۔ معرفتِ خداوندی جو خود شناسی اور حق شناسی پر موقوف ہے۔ دراصل علمِ دین ہی کا دوسرا نام ہے۔

میرے آٹھویں دادا پیر سرکار سیدنا شاہ کمالِ دوم (آپ کو شاہ کمال ثانی بھی کہتے ہیں) علیہ الرحمہ اپنے دیوان "مخزن العرفان" میں فرماتے ہیں۔

ے

ہر عبادت کو اجر ہے زاہد
لیک رویت ہے معرفت پاداش

اس گفتگو سے کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ عمل صالح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عمل بارگاہِ ایزدی تک پہنچنے کے لئے نہایت ناگزیر ہے۔ تمام پیغمبروں نے ایمان اور عملِ صالح ہی کی طرف لوگوں کو بلایا ہے۔ اللہ کے ہر ولی کی زندگی ایمان و عمل کی

اہمیت کو اجاگر کرنے ہی میں گزری ہے۔ میرے سرکار سیدنا شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دیوان ''مخزن العرفان'' میں عملِ صالح کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

؂

عمل کر کمالاؔ کہ اعراضِ فانی
جواہر ہیں باقی بدار السروری

ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؔ مرحوم نے کیا عمدہ شعر کہا ہے۔

؂

منظر چمنستاں کے زیبا ہوں کہ نازیبا
محرومِ عمل نرگس مجبورِ تماشا ہے

اور ایک جگہ کہتے ہیں۔

؂

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیّارا

محدثِ اعظمِ ہند حضرت سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

؂

زیرِ شمشیر عمل ہے اوجِ فردوس بریں
دیکنا ہے دیکھ لے سیّدؔ مگر کچھ کر کے دیکھ

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ دیوانِ "مخزن العرفان" میں فرماتے ہیں۔

گِن غنیمت عمر کر نیکی کمالؔ
کِن ہوا راجع بدنیا بعدہٗ

یعنی اے کمالؔ (رحمۃ اللہ علیہ) اس دو روزہ زندگی کو غنیمت جان اور اسے حق تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں گذار دے۔ دنیا سے جانے والا کوئی شخص دوبارہ یہاں لوٹ کر نہیں آتا۔

عملِ صالح کی افادیت سے تعلق رکھنے والا ایک ضروری مسئلہ

اعمالِ صالحہ کو تقربِ الٰہی کا وسیلہ بنانا فرض ہے اور اللہ کے محبوب بندوں کو قربِ باری کا وسیلہ بنانا جائز اور مستحسن ہے۔ ذیل میں دیا گیا اقتباس ہمارے اس بیان پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔

"وسیلہ بالاعمال فرض ہے یعنی ایسے اعمال کو اختیار کرنا جس سے خدائے تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو بندوں پر فرض ہے۔ اور وسیلہ بالذوات جائز و مستحسن ہے۔" (فتاویٰ فیض الرسول جلد دوم ص۴۸۲)

ہم نے علم دین کی فضیلت کو اجاگر کرنے والی جو چالیس حدیثیں نقل کی ہیں ان میں حدیث ۲۱، حدیث ۲۲، حدیث ۳۰ میں علماءِ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا وارث

قرار دیا گیا ہے۔ اور حدیث ۳ میں علم دین کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی میراث گردانا گیا ہے۔

کیا مقام ہے علمائے کرام کا کہ ان کے حصہ میں انبیاء علیہم السلام کی دولت آئی ہے۔ علمِ دین جو انبیاء کی میراث ہے حق تعالیٰ نے علماء کو اس کا وارث بنایا اور اس بنیاد پر ان کو انبیاء علیہم السلام کا نائب اور جانشین بنایا۔ اہلِ دل کی نظر میں مالدار اور سچے تاجدار تو علمائے کرام ہی ہیں جنہیں انبیاء کے وارث ہونے کا اعزاز اور امتیاز حاصل ہے۔ حدیث ۷ میں بتایا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ وہ مال و دولت، سلطنت اور علمِ دین، ان تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو چن لیں حضرت سلیمان نے ان تینوں میں علمِ دین کو ترجیح دی اور اسے چن لیا۔ اور اس حسنِ انتخاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مال بھی عطا فرمایا اور سلطنت بھی بخشی۔ یہ روایت ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ علمِ دین و عملِ صالح جیسی نعمت سے جس خوش قسمت انسان کو مِن جانب اللہ سرفراز کیا جاتا ہے، رحمتِ خداوندی سے کچھ بعید نہیں کہ اسے دنیا کی دولت و ثروت اور ریاست و قیادت سے بھی مالا مال کردے۔ کیونکہ علمِ دین تو آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے۔ حدیث ۸ میں بتایا گیا ہے کہ دین کا علم راستہ ہے اور اُس کی منزل جنت ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ کو عبور کرنا ضروری ہے۔ حدیث ۱۰ میں بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان (مرد و عورت) پر علم دین کا طلب کرنا فرض ہے۔ حدیث ۱۱ میں بتایا گیا

طالبِ علم کو طالب علمی کے دوران موت آجائے تو وہ شہید مرے گا۔ حدیث ۱۲ میں صرف علمِ دین سیکھنے کی وجہ سے ماضی کے گناہ مٹادئے جاتے ہیں۔ یہ قدر و منزلت طالبِ علم کی ہے تو خدا کی نظر میں عالمِ دین کا مقام کس قدر بلند ہوگا۔ اور وہ حق تعالیٰ کی نظر میں کس قدر اجر و ثواب کا حقدار ہوگا۔ حدیث نمبر ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ جسے دورانِ طالب علمی موت آجائے اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف درجۂ نبوت کا فرق ہوگا۔ سبحان اللہ تشنگانِ علم و معرفت اور حق آگاہی و خدارسی کی منزل کی جانب جادہ پیما ہونے والے کارواں میں داخل ہر فرد کو کیسی نویدِ جاں فضا دی گئی ہے۔ حدیث ۱۹ میں علمِ دین کی طلب میں مصروف رہنے والے کو زندہ فرد سے اور جاہلوں کو مُردوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام بے علمی کی زندگی کو موت قرار دیتا ہے۔ مقصدِ تخلیق خالق کی معرفت اور اس کی عبادت ہے۔ اور علم کے بغیر حق تعالیٰ کی عبادت ممکن ہے نہ معرفت۔

حضرتِ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ۔

؎

چوں شمع از پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

خود شناسی اور حق شناسی ہی وہ بنیاد ہے جس پر کامیاب زندگی کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔ جو لوگ علم و معرفت جیسی گراں بہا

نعمت سے محروم ہیں ان سے بڑھ کر کوئی مفلس اور بے مایہ نہیں ہوسکتا۔ علمِ دین سے نابلد شخص زندگی کی سچی خوشی اور لذت سے ناواقف ہوتا ہے۔ کیونکہ جسے دین اسلام کا صحیح علم اور کامل معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے وہ زندگی کے ہر کٹھن موڑ پر مسکراتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی سوچ ہمیشہ مثبت سمت میں سفر کرتی ہے۔ وہ جگؔر مرادآبادی کے لفظوں میں ہمیشہ زبانِ حال سے کہتا رہتا ہے کہ

؎

ہوشیار اے شکوہ سنجِ زندگی
زندگی انعام ہی انعام ہے

وہ موت سے بھی نہیں گھبراتا اور ڈاکٹر شیخ محمد اقباؔل مرحوم کی طرح کہتا ہے کہ

؎

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبح دوام زندگی

حدیث ۲۰ اور ۲۱ میں بتایا گیا ہے کہ عالم زمین پر اللہ کا نائب ہے۔ اللہ اللہ کیسا عظیم و جلیل منصب علماء کے حصہ میں آیا ہے۔ بھلا خدا کے نائب کی کون برابری کرسکتا ہے۔ اس حدیث نے یہ ثابت کردیا کہ اصلی اور دینی قیادت علماءِ کرام ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ علماء ہی قرآن و حدیث کی روشنی کو زمین پر پھیلانے

کی کامیاب کوشش کرتے ہیں اور انہیں کے پھیلائے ہوئے شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کے اجالے سے شرق و غربِ عالَم نورِ توحید میں نہائے ہوئے ہیں۔ علمائے کرام انبیاء علیہم السلام کے خلفاء ہیں۔ اور ان کے تمام پیغامات کے محافظ اور مبلغ ہیں۔ حضور نبیِ کریم ﷺ نے ان کو زمین پر خدا کا امین بتایا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں اور دینی و دنیاوی تمام سعادتیں انہیں کے ہاتھوں سے تقسیم ہوتی ہیں۔

فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ
مگراس کے لینے کے ہوتے ہیں ڈھب کچھ

مخفی مبادکہ صوفیۂ کرام بھی علمائے اہل سنت ہی میں داخل ہیں۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے قرآن و حدیث میں مذکور علمائے کرام کی جماعت سے علم و عمل سے آرستہ پیرانِ طریقت کو خارج کردیتے ہیں۔ علماء ہوں یا صوفیہ دونوں گروہوں کو قرآن نے علماء ہی کے خطاب سے نوازا ہے۔

ہم یہ بات بار بار اس لئے دہرا رہے ہیں کہ بعض نا آگاہِ شریعت و طریقت لوگ جاہلوں کو پکے صوفی سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ عارفین کا ارشاد ہے کہ جاہل صوفی شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے معتقدین کی بھی عاقبت تباہ کرتا ہے۔ جہاں علمِ ظاہر و باطن کے زیور سے آراستہ صوفیۂ صافیہ

نے اسلام کے چَمن کو ہر دور میں تازہ بہار عطا کی وہیں خود ساختہ مجذوبوں ڈھونگی پیروں اور دنیادار دین بیزار جاہل صوفیوں نے مسلمانوں کی وحدت اور دیگر ملّی مفادات کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جو شریعت کی ابجد سے واقف نہیں ہے وہ امتِ مسلمہ کے کاروان کو منزل پر کیسے پہنچائیگا۔

ع

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یعنی جو خود سو رہا ہے وہ سونے والوں کو کیونکر جگا پائے گا۔

ع

گو خویشتن گم است کرا رہبری کند

یعنی جو خود گمراہ ہے وہ کسی کی رہبری کیسے کر سکتا ہے۔

حدیث ۲۲ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ علماء کرام انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور ان سے آسمانوں میں رہنے والی خدا کی مقدس مخلوق محبت کرتی ہے اور ان کے لئے سمندر کی مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور یہ سلسلہ ان کی موت کے بعد سے قیامت تک جاری رہتا ہے۔ علماء سے خدا کی مقبولِ بارگاہ مخلوق (یعنی فرشتے) جب محبت کرتی ہے تو خدائے پاک ان نفوس قدسیہ سے کیوں محبت نہیں فرمائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مخلوق کی محبت خدا کی محبت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ علماء کی وفات کے بعد قیامت

تک سمندر کی مچھلیاں ان کے لئے جب مغفرت کی دعا مانگتی ہیں اور بحکم الٰہی مانگتی ہیں تو ذرا غور فرمائیں کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کے دلوں میں کس قدر علماء کی محبت کو راسخ فرماتا ہوگا۔ جانور جن سے محبت کریں اگر اشرف المخلوقات کہلانے والا انسان ان سے محبت نہ کرے تو وہ جانوروں سے بھی زیادہ پستئ کردار کا شکار اور اخلاقی قدروں سے ناآشنا تصور کیا جائیگا۔ عجیب بات ہے کہ جانور بھی علماء کے رتبہ سے واقف اور (فضل الٰہی سے تہی دست) آدمی ناواقف ہے۔

حدیث ۳۰ میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کی تعظیم و اکرام کا امت کو حکم دیا ہے اور انبیاء کے وارث ہونے کے پہلو سے ان کی تعظیم و توقیر کو خدا اور اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم قرار دیا ہے۔

حدیث ۳۳ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے علماء کا استقبال کیا اُس نے میرا استقبال کیا۔ اور جس نے علماء کی زیارت کی اُس نے میری زیارت کی۔ اور جو علماء کی ہم نشینی کے شرف سے مالا مال ہوا وہ میری ہم نشینی کے شرف سے مشرف ہوا۔ اور جو میری ہم نشینی کے اعزاز سے سرفراز ہوا گویا وہ خدائے بزرگ و برتر کی ہم نشینی کی دولت سے سرفراز ہوا۔ یعنی علماء کرام سرکارِ مدینہ تاجدارِ انبیاء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور جس میں نبی کے صفاتِ مقدسہ کی مظہریت کا کمال پایا جاتا ہے وہ مردِ کامل، کمالِ عبدیت

کی سرحد کو چھولینے کی وجہ سے مظہرِ خدا ہونے کا امتیازی مقام حاصل کرلیتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بات بھی بتائی گئی کہ علماء کی زیارت کی فضیلت کیا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے علماء سے ملاقات کی اُس نے مجھ سے ملاقات کی۔ اور اس خوشخبری میں علماء کی حیاتِ ظاہری کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یعنی علماء سے ان کی حیات میں یا ان کی وفات کے بعد ملنے والے کو زیارتِ رسول سے مشرف ہونے والا فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اولیاءِ امت کو علماء سے بھی اونچا درجہ حاصل ہوتا ہے اور تمام اولیاء علماء ہی ہوتے ہیں تو علماء اور اولیاء کی زیارت سے منع کرنا کوئی مستحسن اقدام نہیں کہلا سکتا۔ علماء و اولیاء اور فقراء کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے رسولِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم (جو اللہ کی تمام نعمتوں کے تقسیم کرنے والے ہیں) کی عطا کردہ نعمتیں ہم تک پہنچتی ہیں۔ اور جو بدنصیب ان ہستیوں کی صحبت کے شرف سے محروم رہا اُسے دنیا ملی نہ عقبیٰ بندے ملے نہ خدا۔

علماء کے استقبال ان کی زیارت اور صحبت کے مواقع اس وقت ضرور ہاتھ آتے ہیں جب وعظ و نصیحت کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ محافلِ میلاد کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ خانقاہوں میں ذکر و فکر کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں۔

حدیث ۳۴ میں اس بات کی تصریح ہے کہ علمِ دین سکھانے والے کو اس شخص کے عمل کا بھی اجر ملتا ہے جو اُس معلّم سے علمِ دین سیکھے۔ اور عمل کرنے والے کا اجر و ثواب بھی کچھ کم

نہیں ہوتا۔ اس طرح معلّمِ دین اپنے متعلّمین کے اعمال کا ثواب اپنی زندگی کے دوران بھی اور بعد وفات بھی حاصل کرتا رہتا ہے۔

حدیث ۳۶ میں بتایا گیا کہ سب سے اعلیٰ اور افضل صدقہ اور خیرات یا انسانیت کے حق میں سب سے قیمتی تحفہ اشاعتِ علم ہے۔ ایمان اور علمِ دین سے بڑی کوئی دولت اور نعمت نہیں ہوسکتی۔ وہ شخص سب سے زیادہ خوش قسمت ہے جسے قدرت نے علمِ دین سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اتنی بڑی دولت حق تعالیٰ کے بندوں میں تقسیم کرنے والا اس حدیث کی رُو سے سب سے بڑا سخی ہے۔ علماء کے دروازوں سے سب سے بڑی دولت یعنی علمِ دین تقسیم ہوتی ہے لہٰذا عوام علماء کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کرکے یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے علماء کرام سے لی ہوئی نعمت کی قیمت چکا دی۔

حدیث ۳۷ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر ایک امتی کو حکم دیا ہے کہ وہ عالمِ دین بنے اگر ہنوز عالم نہیں بن سکا ہے تو طالبِ علم بنے اگر یہ بھی نہ بن سکا تو علمی گفتگو اور دینی مذاکرات کو غور سے سننے کی سعادت حاصل کرے اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم علمِ دین اور علمائے کرام سے خلوصِ دل سے محبت کرنے والوں کی صف میں ضرور شامل ہو۔ تاکہ اس محبت و عقیدت کی برکت سے وہ کسی دن علم و عمل کی دولت سے بھی نواز دیا جائے۔ اور اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (الحدیث) (یعنی انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہوتی ہے) کی نعمت عظمیٰ سے مالا مال ہو۔ اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ

جو نہ عالم بنے نہ متعلّم، نہ دین کی باتیں غور سے سننے والا بنے نہ علم اور علماء سے محبت کرنے والا، ایسا بد قسمت شخص ہلاک ہونے والا ہے۔ ہر مسلمان کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس تباہی سے بچائے۔ علمِ دین سے ہر پہلو سے بے رغبتی اور دوری اور علماء سے بغض و عداوت انسان کے بُرے مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ آج کل بہت سے مسلمان، علماء اور شیوخ سے نفرت کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی اس خطرناک روش کے انجام و عواقب سے بے خبر ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں توفیقِ خیر مرحمت فرمائے (آمین)

حدیث ۳۸ میں یہ درس دیا گیا ہے کہ علمِ دین جس سے حاصل کیا جائے وہ عقیدہ کے لحاظ سے اور علم و عمل کے اعتبار سے اس قابل ہو کہ مسلمان اپنی رہبری کے لئے اس کا انتخاب کریں۔ جو خود حدود شرع کو پھلانگنے والا ہو، اور حضور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا نہ ہو، اس سے رہبری کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے کیا عمدہ نصیحت فرمائی ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

یعنی اس دنیا میں ایسے بہتیرے شیاطین ہیں جن کی صورت

آدمیوں کی سی ہے۔ اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے تو وہ نسلِ آدم سے تعلق رکھتے ہیں مگر انکی ابلیسی ذہنیت اور عزازیلی کردار کی وجہ سے وہ ہرگز اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ لوگ انہیں اپنا مذہبی رہنما یا پیر و مرشد تسلیم کریں۔ اس حدیث میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نماز دین کا ایک نہایت اہم رکن ہے۔ ایمان کے بعد تمام عبادتوں میں نماز ہی کو افضلیت حاصل ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ یہ فریضۂ اسلام اس کے تمام شرائط اور جملہ آداب کو مدنظر رکھتے ہوئے ادا کریں۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب شعر کہا ہے۔

؎

تیری نماز بے سرور تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گذر ایسے امام سے گذر

دوسری جگہ کہتے ہیں

؎

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نماز میں خشوع و خضوع کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ خشوع و خضوع اور حضورِ قلب پیرِ کامل کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔

بیعت کی فرضیت کو دلائل کے ذریعہ ثابت کرتے ہوئے ان دلائل میں سے چھٹی دلیل کے بارے میں حضرت شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ے

اسلام اور جہاد اور اسرار پر ششم
کیتے ہیں مصطفیٰ سے صحابہ نے بیعتاں

یعنی اسلام اور جہاد اور کسی بات کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لئے صحابہ نے حضوراقدس ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی ہے۔

ے

پیری مریدی اصل میں بیعت ہے بے خلاف
اور اس کی فرضیت پہ تو قطعی ہیں حجتاں

سیدنا شاہ کمال دوم شمعِ خاندانِ چشت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پیری مریدی اصل میں بیعت ہی ہے اور اس کی فرضیت پر کئی قطعی دلائل موجود ہیں۔

ے

پس پیر اور مرید میں بیعت فریضہ ہے
از بہر اتباع رسول و صحابیاں

یعنی پیر کا مرید کو بیعت کے ذریعہ اپنے مریدوں کے حلقہ

میں شامل کرنا اور مرید کا خلوصِ دل سے متبّع سنت پیر کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنا رسولِ مقبول ﷺ اور آپ کے صحابہؒ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کے شرف سے مشرف ہونے کیلئے فرض ہے۔

ساتویں دلیل کے بیان میں فرماتے ہیں کہ

ہفتم جہاد فرض ہے لاکن ہیں دو جہاد
اکبر بنفس خویشتن اصغر بکافراں

جہاد فرض ہے اور جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جہادِ اکبر جو اپنے نفسِ امّارہ سے کیا جاتا ہے۔ دوسرے جہادِ اصغر جو کفار و مشرکین سے لڑی جانے والی جنگ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندوں سے مدد مانگنی جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ ان سے ہم عرض کرتے ہیں کہ جہاد اصغر میں آدمی دشمن یعنی (کافر) کی تلوار سے مارا جاتا ہے اور جہاد اکبر میں اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے عشق کی تلوار سے مارا جاتا ہے۔

جہادِ اصغر میں مارا جانے والا جب زندہ جاوید ہو جاتا ہے تو جہاد اکبر میں قتل ہونے والا حیات جاودانی سے کیونکر محروم رہ جائے گا۔ غرض کہ شہداء ہوں یا اولیاءاللہ زندہ ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔
جب وہ زندہ ہیں تو ان سے استمداد و استعانت بھی جائز ہوئی۔

؎

کیونکر مرے یہ خصم بجز پیر کے کمک
کیونکر کرے نشانہ بجز تیر اور کماں

یعنی نفس و شیطان جیسے دشمنِ ایمان پیر کی کمک کے بغیر کیسے مریں گے یا ہزیمت اٹھائیں گے۔ پیر جب تک اپنے ارشادات اور پند و نصیحت کے ذریعہ مرید کو ان دونوں دشمنوں اور ان کے اَتباَع و اَذناب کے لشکر سے لڑنے کا حوصلہ اور ہدایت نہ دے، مرید اس مہم میں کامیابی کا منہ کیسے دیکھے گا۔

؎

ہشتم قرآن میں تُوبُوا الی اللہ کہا خدا
یا اَیُّھا الَّذِیۡنَ سے کر اٰمِنُوۡا قِراں

یعنی آٹھویں دلیل یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں حق تعالیٰ نے اہل اسلام کو اسطرح مخاطب فرمایا کہ
یَآ اَیُّھا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡا اِلَی اللّٰہ۔ اے ایمان والو! خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو

؎

ہونا مرید توبہ ہے اس وجہ سے کہ خلق
کرتے ہیں ترک فعلِ بد البتہ بعدازاں

یعنی بیعت کرنا خود توبہ کی ایک شکل ہے کیونکہ خلقِ خدا بیعت کے بعد گناہ ترک کردیتی ہے۔

گر کوئی کہے کہ توبہ کو درکار نیں ہے پیر
اس کا جواب یہ ہے سنو دل کا دھر کے کاں

یعنی اگر کوئی کہے کہ توبہ کرنے کے لئے پیر کا ہونا ضروری نہیں ہے تو اس کا جواب پوری توجہ اور دلچسپی سے سنو۔

درکار بلکہ شرطِ انابت ہے پیرِ راہ
جوں آبدست شرط نماز مصلیاں

یعنی جسطرح طہارت نماز کی شرط ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور توبہ و انابت کی راہ طے کرنے کے لئے کسی پیرِ کامل سے بیعت کرنا شرط ہے۔

چھوڑو گناہ ظاہر و باطن کے کرکے نیز
ہم پر کیا ہے امر خداوند کن فکاں

یعنی پروردگار عالم جس نے "کُن" کا حکم دے کر اٹھارہ ہزار عالم تخلیق فرمائے اُسی نے ہم کو ظاہر و باطن کے گناہوں کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

محسوس تن ہے اس کے گناہاں ہیں مُشتَہَر
دل روح کے گناہ ہیں معروفِ عارفاں

یعنی یہ جسم خاکی جو عناصرِ اربعہ سے ترکیب پاکر وجود میں آیا ہے۔ حواسِ خمسہ کی گرفت میں آنے والی چیز ہے۔ اس مادّی جسم سے سرزد ہونے والے گناہ بھی مشہور ہیں۔ مگر قلب و روح کے گناہوں سے صرف عرفاء (صوفیۂ کرام) واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی عارف کے ہاتھ پر بیعت کرنا ناگزیر ہے۔

دیگر سرِ ذنوب ہے تشریک با خدا
پس او بھی تین قسم ہیں نزدِ موحداں

مندرجۂ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ سرِ ذنوب یعنی تمام گناہوں کی جڑ اور سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ مخبرِ صادق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "الا انبئکم باکبر الکبائر (۳ بار) کیا میں تمہیں سب کبیروں سے بڑے کبیرہ کی خبر نہ دوں صحابہ کی عرض پر فرمایا۔ الا شراك بالله

وعقوق الوالدین ......الخ خدا کا شریک کرنا اور ماں باپ کو ستانا۔" (فتاوی مصطفویہ ص ۵۵۰)

حضور شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرک بھی تین قسموں میں منقسم ہے۔

؎

شرکِ جلی کہ اسکا تعلق ہے جسم سے
دیگر خفی جو دل میں کیا آپنا مکاں

یعنی شرکِ جلی (کھلا ہوا شرک) کا تعلق جسم سے ہے۔ غیر اللہ کو مستحقِ عبادت ماننا شرکِ جلی کہلاتا ہے۔ غیرِ خدا کو اپنے اعضاء و جوارح سے پوجنا بھی شرک جلی ہی کی تعریف میں داخل ہے۔ شرکِ خفی کا تعلق دل سے ہے۔ شرکِ خفی (یعنی پوشیدہ شرک) یہ شرک کی دوسری قسم سے ہے۔

؎

اخفیٰ ہے سیو میں جو چھپایا ہے آپ کو
جوں دیو فُلک نوح میں در روح صالحاں

یعنی شرک کی تیسری قسم شرکِ اخفیٰ ہے۔ یہ شرکِ خفی سے زیادہ پوشیدہ شرک ہے۔

یہ نیکوکاروں کی روح میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح نوح علیہ السلام کی کشتی میں شیطان چھپا ہوا تھا۔

ے

بے فیضِ مرشد آپ سے آپ اس گناہ کو
کیا جانتے ہیں توبہ کریں تاکہ عاصیاں

یعنی مرشدِ کامل کے فیضانِ نظر اور ان کی دعا کی برکت کے بغیر شرکِ خفی یا اخفیٰ جیسے گناہ کا جب گناہگار کو علم ہی نہیں ہوتا تو وہ اس سے کس طرح دامن بچائے گا۔
شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ے

پاک کر شرکِ جلی سے تن کمال
اور خفی اخفیٰ سے اپنا جان و تن

اس نظم میں شاہ کمال علیہ الرحمہ نے صرف شرک کی تین قسمیں ہی گنوائی ہیں۔ چوتھی قسم کا ذکر نہیں کیا ہے۔ شرک کی چوتھی قسم "شرکِ خفیٌّ الاَخُفیٰ" ہے۔ اس شرک کا تعلق سِر سے ہوتا ہے۔ شرکِ خفیٌّ الاَخفٰی چونکہ شرکِ اخفیٰ ہی کا ایک مخفی گوشہ ہے۔ لٰہذا بعض اوقات شرکِ خفی الاخفیٰ کو عرفا شرکِ اخفیٰ ہی کا نام دے دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شرکِ خفی شرکِ اخفیٰ اور شرکِ خفی الاخفیٰ کے لئے صرف شرکِ خفی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔
دیکھئے شمع خاندانِ چشت جامیٔ دکن حضرت سیدنا شاہ کمال دوم

رحمۃ اللہ علیہ اپنے دیوان ''مخزن العرفان'' میں فرماتے ہیں۔

شرکِ خفی سے پاک ہوا دل زہے شرف
ساقی ترے دہن کے شرابِ طہور میں

اس شعر میں صرف شرکِ خفی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر اِس ایک لفظ میں دیگر دو شرکوں اخفیٰ اور خفیٌّ الاَخفیٰ[1]، کا ذکر بھی پوشیدہ ہے۔ شرکِ جلی سے تو ہر مسلمان پاک ہے۔ بت پرستی کی نحوست سے امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اللہ رب العالمین نے اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے طفیل بہت دور رکھا ہے۔

شمعِ خاندانِ چشت فرماتے ہیں کہ

از شرکِ جلی طاہر ہر چند ہے ہر مومن
از شرکِ خفی اخفیٰ تطہیر خدا دینا

یعنی شرکِ جلی سے تو تمام اہلِ ایمان محفوظ ہیں۔ مگر شرکِ خفی، شرکِ اخفیٰ اور شرکِ خفی الاخفیٰ، سے پاک وہی ہوسکتا ہے جس پر خدا کا خصوصی کرم اور مصطفیٰ کی خاص نظر

---

[1] شرکِ اخفیٰ اور شرکِ خفیٌّ الاخفیٰ اصطلاحاتِ تصوف ہیں۔ وَلاَمُشَاحَۃَ فِی الاِصطِلاح

التفات ہو۔ ایسا شخص پیر کامل سے بیعت کا شرف حاصل کرتا ہے اور اپنے پیر کی تعلیمات کی روشنی میں اُسے شرک کی چاروں قسموں اور ان سے بچنے کے طریقوں کا علم ملتا ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

چار شِرکاں چار سَرکاں ہیں تجھے
اِن کو سَرکا، یار حاصل ہو تجھے

شرکِ جلی سے جو پاک ہوتا ہے اُس کا ایمان و ایقان یہی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہی خدا ہے۔ اُس کے غیر کی عبادت سب سے سنگین جرم ہے۔ لا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا عقیدہ اُس کی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔ وہ صنم پرستی کی لعنت سے ہمیشہ دور و نفور رہتا ہے۔

ایسے مردِ موحّد پر قبر پرستی، اور شخصیت پرستی کا بے بنیاد الزام لگانا نہایت غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل ہے۔ اور اسلامی تعلیمات اور اخلاقی قدروں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ شرکِ خفی سے جو پاک ہوتا ہے وہ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کے علم و یقین کی دائمی لذتوں سے سرشار رہتا ہے۔

جو شخص بحکمِ الٰہی اور رسولِ دوجہاں ﷺ کے وسیلہ سے کسی پیر کامل کے ارشادات کی مدد لیکر شرکِ اخفیٰ کے دَلدَل سے نکل جاتا ہے وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ لَا

مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ۔
پھر پیر کامل عارفِ واصل کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے اور اُسکی تعلیم و تلقین کے نتیجہ کے طور پر طالب صادق کو شرکِ خفی الاخفیٰ کی قید و بند کی صعوبتوں اور پندارِ دوئی کے کرب سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ اور وہ جگرؔ مرادآبادی کی زبان میں کہہ اٹھتا ہے کہ

؎

پیشِ نظر ہے حسنِ دوست حسن کے ماسوا نہیں
عشق میں مبتلا ہوں میں شرک میں مبتلا نہیں

اب شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ فرضیتِ بیعت کی نویں دلیل پیش فرماتے ہیں۔

؎

نہم خدای عزوجل کے کلام میں
ایمان لاؤ کر کے ہیں مامور مومناں

فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنے کلامِ قدیم قرآن مجید فرقانِ حمید میں اہل ایمان کو ایمان لانے پر مامور فرمایا ہے۔
یَآ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا م بَعِیْدًا○ (پارہ۵ سورۃ النسآء آیت ۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اُتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اُتاری اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گُمراہی میں پڑا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس آیت کے حوالے سے تفسیر مظہری میں حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایمان کی حقیقت اور تکمیل یہ ہے کہ مومن اپنی بصیرت فکر سے پہچان لے کہ اللہ ہی کا وجود اصلی اور حقیقی ہے وہی ہر چیز کا خالق اور نقصان یا نفع پہنچانے والا ہے اس کے علاوہ کسی میں حقیقی اور اصلی کمال و حسن نہیں جو کچھ ہے اُسی کا دیا ہوا ہے اس عارفانہ ایمان کے بعد مومن کا علمی فکری اور جذباتی تعلق سوائے اللہ کے کسی سے نہیں رہے گا اور اس علاقہ محبت کی وجہ سے اللہ کے اوامر و نواہی کی پابندی اس کی فطرت میں داخل ہو جائے گی آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ آگ میں جھونکے جانے سے بھی زیادہ اس کو ارتکاب گناہ سے نفرت ہو جائے گی۔"

(تفسیر مظہری اردو جلد ۳ ص ۲۰۱ زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور)

تفسیر نعیمی میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینے کی متعدد توجیہیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے تین ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا: پہلا آمنو ماضی مطلق ہے۔ دوسرا آمِنوا امر یا تو آمنوا سے مراد عام مومنین ہیں جو پہلے ایمان لاچکے

اور آمنوا امر سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا۔ یا آمنوا سے مراد ہے اجمالی ایمان اور آمنوا امر سے مراد ہے تفصیلی ایمان یا آمنوا سے مراد ہے تقلیدی ایمان اور آمنوا امر سے مراد ہے تحقیقی ایمان۔"

(تفسیر نعیمی و المحصنٰت، النساء ۵۴۰)

بیعت کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہونے والا ایمان پر ثابت قدم بھی رہتا ہے۔ اجمالی ایمان کے بعد تفصیلی ایمان سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اور تقلیدی ایمان اور تحقیقی ایمان دونوں سے سرفراز بھی ہوتا ہے۔ ان تینوں عظیم ترین نعمتوں سے مالامال ہونے کے لئے بیعت کرنا ناگزیر ہے۔ تقلیدی ایمان نور ہے اور تحقیقی ایمان نورٌ علیٰ نور ہے۔ اگر تحقیقی ایمان کی دولت میسر نہ ہوسکے تو تقلیدی ایمان کی نعمت کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے۔ ایمان کا یہ درجہ بھی قدرت کی بہت بڑی دین ہے۔

شاہ سید محمد ذوقی اپنی تصنیف "سرِّ دلبراں" (جس میں اصطلاحاتِ تصوف کی تفہیم وتشریح آسان پیرایۂ بیان میں کی گئی ہے) میں تقلیدی ایمان والوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ایسے لوگ اُن لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو عقل کے پھندوں میں گرفتار ہو کر شک و شبہ کے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور بالآخر جو تھوڑا بہت ایمان رکھتے ہیں وہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ یا ماورائے عقل امورِ اسلامی کو توڑ مروڑ کر اپنی ناقص عقل کے مُطابق بنالیتے ہیں اور اسلام کی سچی اور اصلی صُورت کو اپنی خام عقل کی خاطر مسخ کر دیتے ہیں۔ ایمانِ تقلیدی خواہ دُنیا کے اہلِ

عقول کے نزدیک پسندیدہ اور قابلِ قبول نہ ہو مگر بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہے اور سبب بنتا ہے دخولِ جنّت اور خوشنودیٔ الٰہی کا۔

(سِرِّ دِلبراں ص ۸۱۔۸۲)

تقلیدی ایمان نجات کے لئے ضروری ہے۔ اُس کی اہمیت کا انکار خلافِ عقل و نقل ہے۔ ہاں یہ بھی ایک صداقت ہے کہ تحقیقی ایمان پر جن بلند درجات کا دار و مدار ہے وہ صرف تقلیدی ایمان کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا ایمان کی ان دونوں قسموں کی تحصیل کے حوالے سے حضور سیدنا شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎

تحصیل تم کو ہم کو دو ایماں کا فرض ہے
یک پر بسندمت کرو اے حق پسندگاں

یعنی ان دونوں کی تحصیل فرض ہے دونوں میں کسی ایک پر اکتفاء کرنا درست نہیں۔

؎

دہم محبّ مرید کا معنی ہے یعنی دوست
پس فرض ہے محبتِ مولیٰ بہ بندگاں

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ بیعت کی فرضیت کی دسویں دلیل یہ بتاتے ہیں کہ مرید محبّ کو کہتے ہیں۔ یعنی مرید دوست کو کہا

جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی محبت تمام بندوں پر فرض ہے۔

ے

اول رکھا ہے دوست خدا ہمکو ہمنے اب
اس دوستی کے جذب سے ہوں اس کے دوستاں

آیہ یحبہم و یحبونہ' کی دیکھ
تا درک ہووے یہ سخن اسکا ہے ترجماں

جامیٔ دکن شمعِ خاندانِ چشت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خدا نے ہم بندوں کو پہلے دوست رکھا ہے اور ہم سے پہلے محبت کی ہے اور خدا کی اس دوستی کے نتیجہ کے طور پر ہم اُس سے دوستی کرتے ہیں۔ حضور شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی اللہ اپنے بندگانِ خاص سے محبت کرتا ہے اور وہ بندے حق تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ اس آیتِ شریفہ میں حق تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اس کے بعد بندوں کی محبت کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ بندوں کی محبت خالق کی محبت کے اثر سے ظہور میں آتی ہے۔

اللہ اکبر! پہلے خدا بندوں سے محبت کرتا ہے۔ بعد بندے خدا سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اگر بندوں سے پیار نہ کرے تو بندوں کی کیا مجال کہ اُس سے پیار کریں جو بندہ خدا کو چاہتا ہے

اُسے مژدہ ہو کہ خدا اُس سے محبت کرتا ہے۔
اس آیت میں بڑے اسرار پوشیدہ ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات جو عین وجودِ حقیقی ہے مختلف مظاہر میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس طرح مخلوق حق جل مجدہٗ کا مظہر بنتی ہے تعیناتِ خلق سے حق تعالیٰ کا تجلی (ظہور) فرمانا صوفیہ صافیہ کثرہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک خدائے تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے محبت کرنا ہے۔ اسے وہ (صوفیہ) حُبِّ ذاتی یا حُبِّ حقیقی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے اسمائے وصفیہ میں ایک اسم " الودود " ہے یعنی بہت محبت کرنے والا۔ حق تعالیٰ کے اپنے مظاہر و مجالی میں ظہور و تجلی فرمانے ہی کو اُس کی شانِ ودودی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اس (الٰہی) محبت کے نتیجہ میں بندے حق تعالیٰ کی مظہریت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ مخلوق کی یہی مظہریت مخلوق کا خدا سے محبت کرنا ہے۔
حضور شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دیوان " مخزن العرفان " میں فرماتے ہیں۔

رمزِ یُحِبُّھُمْ و یُحِبُّوْنَہٗ کو پا
ذو نسبتین عبد ہے ربِّ ودود سے

یعنی خدا اپنی ظاہریت کے ذریعہ اپنے بندے کو چاہتا ہے تو خدا محبّ اور بندہ محبوب ہوتا ہے اور یہی خدا کا محبوب بندہ جب اپنی (مظہریت) کی وجہ سے خدا کو چاہتا ہے تو خدا اُس کا محبوب ہوتا

ہے۔ اسطرح خدا بندے کا محبّ اور محبوب ہوتا ہے اور بندہ بھی خدا کا محبّ اور محبوب ٹھہرتا ہے۔[1]

؂

سُن گیارہویں دلیل متکلف پہ فرض اول
اللہ کی معرفت ہے کہے ختم مرسلاں

یعنی بیعت کی فرضیت کی گیارہویں دلیل یہ ہے کہ ہر مکلّفِ شرعی پر خدا کی معرفت حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فرض ہے۔ سلطان المفسرین حبر الأُمّہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن کی تفسیر "لِیَعْرِفُوْن" کی ہے یعنی جن و انس کی تخلیق کی غایت معرفتِ الٰہی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بیعت کی سعادت سے مشرف ہونا فرض ٹھہرا۔

پھر شاہ کمال دوم قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

؂

محبوبِ حق ہے یہ کہ پچھانے اوسے عباد
احببت قبل و بعدہٗ اَنْ اُعْرَفَ بخواں

---

[1] مذکورۂ بالا مسئلہ تصوف وسلوک کے دقیق مسائل میں شامل ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی تفہیم کسی عارفِ کامل ہی کے بس کی بات ہے۔ ہم یہاں اس مسئلہ کا اجمالی بیان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لئے

کہ حق تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ اُسے بندے پہچانیں اسی لئے اس نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے کہ کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخلَقتُ الخَلقَ۔

ترجمہ: میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

حق تعالیٰ نے اس حدیثِ قدسی میں "اَرَدتُّ" (میں نے ارادہ کیا) نہیں فرمایا بلکہ "اَحبَبتُ" (یعنی میں نے اس بات سے محبت کی) فرمایا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کا عرفان حاصل کریں۔

حدیث کُنتُ کَنزاً مَخفِیّاً کے بارے میں ایک ضروری بات

ڈاکٹر میرولی الدین صاحب سابق صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) اپنی مشہور و معروف اور منفرد تصنیف "قرآن اور تصوف" میں لکھتے ہیں کہ۔

" اکثر اکابر صوفیہ میں ایک حدیث قدسی مروی ہے جس کو امام غزالیؒ و حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے بھی بیان کیا ہے اور اہلِ کشف اس کی صحت کے قائل ہیں اور وہ یہ ہے:-

کُنتُ کَنزاً مَخفیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخلَقتُ الخَلقَ لِاُعرَفَ"

(قرآن اور تصوف ۱۲۳)

پھر اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

" اس حدیث کو حافظ سخاوی نے بعض الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ " مقاصد حسنہ " میں نقل کیا ہے اور علاّمہ محدث محمد بن ابراھیم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صوفیہ سے مروی ہے، جس شخص نے آیت ذیل پر تفکر و تدبر کیا ہے اس کو اس کی صحتِ معنوی حاصل ہوسکتی ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَھُنَّ ط یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَھُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا (۲۸:ع۱۸)

اور ملا علی قاری کہتے ہیں کہ معنی اس کے مطابق ہیں حق تعالےٰ کے اس قول کے:

وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون (۲۷:ع۲)

ای لیعرفون جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے تفسیر فرمائی ہے۔

(حاشیہ " قرآن اور تصوف " ص ۱۲۳)

اس کے بعد صاحبِ " مخزن العرفان " فرماتے ہیں۔

بعضے خدا کو عقل سے جانیں کہ پائے ہم
حادث کہو قدیم کے تئیں پاسکے کہاں

یعنی بعض لوگ بہ زعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خدا کو

عقل کے ذریعہ پالیا۔ بھلا حادث جس کا وجود مسبوق العدم ہو وہ ذاتِ قدیم کو کہاں پاسکتا ہے۔ اکبؔر الہ آبادی نے کہا ہے کہ

؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

مخلوق کی عقل بھی مخلوق ہے مخلوق خالق کو کیسے پاسکتی ہے۔ انسانی عقل و فہم کی کیا مجال کہ خدائے بزرگ وبرتر کو کَماحَقّہٗ جان لے۔ جبکہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ و الثناء کے مقام و مرتبہ کو کماحقہ جان لینا اِس کے بس کی بات نہیں۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

؎

خرد والے نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے کبھی اسکو
یہ اہل دل سمجھتے ہیں مقام مصطفیٰ ؐ کیا ہے

اسی لئے حق تعالیٰ کی معرفت کو صوفیۂ کرام ماروائے طورِ عقل و دانش کہتے ہیں۔ حضور سیدی شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ دیوانِ "مخزن العرفان" میں فرماتے ہیں۔

؎

معرفت ہے ورائے طورِ خرد
متکلم کہے عجب کیوں کر

اسی لئے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کہتے ہیں کہ

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ایک اور جگہ کہتے ہیں

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی نایاب کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ
و منقول را تابع معقول ندارد، وابوابِ تاویل وتشکیک بر بندد، و از راہِ اعتقاد و اتباع بیروں نیفتد، و برفہم قاصر و عقلِ ناقص خود اعتماد نکند کہ ہر کہ بوادیٔ ضلالت افتاد از اعتماد برعقل و اعجاب و استبداد رائے افتاد اگر عقل در معرفت اسرارِ غیب و صلاح و فسادِ مبدا ؤ معاد، استقلال و استبداد می داشت۔ ارسالِ انبیاء و بعثتِ رسل برائے چہ بودے۔ غایتِ کار عقل و حکمت در آفرینشِ وے ہمیں است کہ فہمِ اوامر و نواہی الٰہی و تحمل امانت تکالیفِ شرعیہ بکند، عقل بارے کیست کہ تفصیلِ احوالِ آخرت، وکیفیتِ اسرارِ اعمال و مقادیر و ہیأت و تعینِ اوقات و خصوصیات جزائے آں بے واسطہ

وحی آسمانی تواند دریافت، اینجا کشف و وجدان سراسیمہ و حیران است، عقلِ خود کدام است۔ ہمچنانکہ حس در ادراک مدرکات عقل بیکار است، عقل در دریافتِ مضمراتِ کشف معزول، ہمچنیں کشف در احاطۂ اسرارِ وحی و ایمان بے دخل در طورِ ایمان چیزہا معلوم گردد کہ بقوتِ کشف و وجدان دریافتہ نشود، از عقلِ خود چہ گویند، ظاہر ترین موجودات محسوسات است، و روشن ترین محسوسات اجسام۔ و تمامہ عقلاء از متکلمین و حکماء در دریافت حقیقتِ آں سرگردانند و بتحقیقِ در نیافتہ کہ حقیقتِ جسم چیست و ترکیبِ او ازچہ۔ و قریب ترین اشیاء بآدمی ہستیٔ وے و لطیفہء انانیت اوست کہ بداں اشارت باناَ می کند و می گوید من کردم، و من گفتم، و من دیدم۔ ہیچ عاقلے بحقیقتِ آں پے نبردہ کہ ایں کیست و چیست کہ می گوید من کردم و من گفتم ازیں جا گفتہ است

آنکہ خود را شناخت نتواند
آفرینندہ را کجا داند

تو کہ در ذاتِ خود زبوں باشی
عارفِ کردگار چوں باشی

اگر بجہت کمالِ ظہورِ نور ہستی حق و وجود آثار صنع وے مجملاً بوجودِ وے تعالیٰ و صفات وے عقل پے برد، دور نباشد۔ و لیکن تفصیلِ صفات و افعال و آثار وے تعالیٰ و تقدس دریں عالم و در

عالمِ دیگر کہ بے حدّ و اندازہ است جز باخبارِ رسل صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نتواں دانست۔" (مَرَجَ البَحرَین مع اردو ترجمہ ص ۲۴ بہ اہتمام شیخ عبدالحق محدّث اکاڈمی ۲۰۱۴ کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی)

"ترجمہ: اور منقول کو معقول کا تابع نہ بنائے۔ تاویلات اور شک و شبہ کے دروازوں کو بند کردے، اعتقاد اور اتباع کے راستے سے باہر نہ جائے اور اپنی کوتاہ سمجھ اور ناقص عقل پر بھروسہ نہ کرے۔ کیونکہ جو شخص بھی گمراہی کے گڑھے میں گِرا وہ اسی عقل پر اعتماد اور اپنی رائے پر گھمنڈ کرنے کی بنا پر گِرا۔ اگر عقل غیب کے بھیدوں کو سمجھنے اور مبداء و معاد کے درست ہونے اور بگڑنے میں استقلال و استبداد رکھ سکتی تو پھر انبیاء علیہم السلام کے بھیجے جانے اور رسولوں کی بعثت کا کیا مقصد تھا۔ عقل اور حکمت کے پیدا کرنے کی اصل غرض و غایت صرف یہ تھی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے عائد کردہ اوامر و نواہی کو سمجھے اور شریعت کی تکلیف کو برداشت کرے۔ عقل آخر کون ہوتی ہے کہ وہ آخرت کے حالات کی تفصیل اور اعمال کے بھیدوں کی کیفیت اور ان کی تعداد، ان کی وضع قطع ان کے اوقات کا تعین اور ان کی جزا کی خصوصیات، آسمان سے آئی ہوئی وحی کے بغیر معلوم کرلے۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ اس معاملہ میں کشف و وجدان تک حیران و پریشان ہیں پھر عقل کس شمار میں ہے جس طرح کہ حِس (جزئی چیزوں کے ادراک کی قوت) مدرکاتِ عقل (کلّی چیزوں کے ادراک کی قوت) کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح عقل، کشف کے

بھیدوں کے دریافت کرنے سے معذور ہے۔ اور اسی طرح کشف، وحی اور ایمان کے بھیدوں کا احاطہ کرنے میں بیکار ہے۔ ایمان کے طریقوں میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہیں کہ جو کشف اور وجدان سے دریافت نہیں ہوسکتیں پھر بھلا عقل کا کیا ذکر ہے۔ موجودات میں جو سب سے زیادہ ظاہر ہیں وہ وہ چیزیں ہیں جو محسوس کی جاسکیں اور محسوسات میں سب سے زیادہ ظاہر اور نمایاں اجسام ہیں لیکن متکلمین اور حکماء میں سے تمام عقلمند لوگ ان کی حقیقت معلوم کرنے میں حیران و سرگرداں ہیں چنانچہ ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جسم کی حقیقت کیا ہے اور اسکی بناوٹ اور ترکیب کس چیز سے ہوئی ہے۔ آدمی کے قریب ترین شئے اس کی اپنی ہستی اور اس کا نفس ناطقہ ہے اور اس کی طرف وہ اشارہ "میں" کے لفظ سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں نے کیا" "میں نے کہا" اور "میں نے دیکھا" پھر بھی کوئی عقلمند اس بات کا پتہ نہیں چلا سکا کہ یہ کون ہے یا کیا ہے جو کہتا ہے کہ "میں نے کیا" اور "میں نے کہا" اسی لئے کہا گیا ہے۔

آنکہ خود را شناخت نتواند
آفرینندہ را کجا داند

تو کہ در ذاتِ خود زبوں باشی
عارفِ کردگار چوں باشی

(یعنی جو شخص خود کو نہ سمجھ سکا وہ پیدا کرنے والے کو کیا جانے گا۔ جب تو اپنی ذات کی معرفت میں خوار و زبوں ہے تو تجھ کو معرفتِ کردگار کیسے حاصل ہوسکتی ہے)۔

عقل کو ذات وصفات کا مجملاً ادراک ہوسکتا ہے

تاہم اگر اللہ تعالیٰ کی ہستی کے نور کے کمال اظہار، اور اس کی صنعتوں کے آثار کی بنیاد پر عقل مجملاً اس کے وجود اور صفات کا کچھ سراغ لگالے تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ مگر اس کی صفات اس کے افعال و آثار کی تفصیل اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں بے حد و بے حساب ہے لہٰذا سوائے ان خبروں کے جو رسولوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں کسی دوسری طرح معلوم نہیں کی جاسکتی۔" (مَرَجَ البَحرَین مع اردو ترجمہ ص ۹۳، ۹۴، ۹۵ باہتمام شیخ عبدالحق محدث اکاڈمی ۲۰۱۴ کوچہ چیلان، دریا گنج نئی دہلی)

مخفی مباد کہ عقل حق تعالیٰ کی بہت بڑی دین ہے۔ عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم کی اہمیت اور اُس کی مسلّمہ قدر وقیمت کا کون ذی شعور انسان انکار کرسکتا ہے۔ حق آگہی اور حق رسی کی منزلیں طے کرنے والے لوگ قدم قدم پر عقل کی رہنمائی کے مرہونِ منت ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر جس طرح ہم صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لئے عقل کی رہبری کے محتاج ہیں اسی طرح

ہماری عقل بھی حق تعالیٰ کی بارگاہِ بیکس پناہ کو جانے والے راستہ پر دین و ایمان بالفاظِ دیگر اسوۂ محمدی (علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کی دستگیری اور ہدایت کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔

ؔ

حکمت تری کنیز تفکر ترا غلام
سمجھے ہیں کس نے معنئ قرآں ترے بغیر

مظفؔر وارثی صاحب کا درج ذیل نعتیہ شعر میں اکثر گنگناتا رہتا ہوں۔

شعر نہیں ہے الہام ہے۔
کہتے ہیں۔

ؔ

چلے نہ ایمان اک قدم بھی اگر ترا ہمسفر نہ ٹھہرے
ترا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے

اسی لئے علماء کرام اور صوفیۂ عظام فرماتے ہیں کہ عقل کو ہمیشہ شریعتِ مطہرہ کے تابع رکھو۔ ورنہ اس عقل سے بڑا تمہارا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے دانشور شریعتِ مقدّسہ کی آغوشِ رحمت کی پناہ میں نہ آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے کفر و شرک کی تاریکیوں میں کھوگئے۔

بعد ازاں شاہ کمالؔ دوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

کچھ علم پڑھ کے بعضے کہیں ہم ہیں حق شناس
تحقیق نیں یہ لیک ہے تقلید کاملاں

بعض لوگ کچھ علم پڑھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حق شناس ہیں۔ ہمیں حق تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحقیق نہیں ہے بلکہ کاملین کی نِری تقلید ہے۔ ''مخزن العرفان'' ہی میں ایک مقام پر جامیؒ دکن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

کسبِ تقلیدِ تصوف ہے قناعت بہ سطور
اسکی تحقیق ہے موقوف فہمِ اہلِ صدور

اہل اللہ کی تصانیف کے مطالعہ کی افادیت ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور یہ از بس ضروری ہے کہ تصوف و سلوک کے راستہ کی پیچیدگیوں اور اس راہ کے نشیب و فراز سے کما حقہ، آگاہ ہونے کے لئے اس فن میں مہارت رکھنے والی اہل قلم ہستیوں کی تحریریں دیکھی جائیں اور ان کی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے۔
پیر کامل مخدوم سید علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ العزیز کی فنِ تصوف میں بنیادی حیثیت رکھنے والی اور اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کی مصدر و ماخذ ہونے کے مرتبہ کی حامل کتاب ''کشف المحجوب'' کی اہمیت

اور افادیت کا کون انکار کر سکتا ہے۔

شیخ محمد اکرام تاریخِ ملّی میں علی ہجویری لاہوری کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

" فارسی نثر کی سب سے پہلی مذہبی کتاب جو برصغیر پاک و ہند میں پایۂ تکمیل کو پہنچی 'کشف المحجوب' ہے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرّہٗ نے قبۃ اسلام لاہور میں مکمل کیا۔" (تاریخ ملی ص ۷)(کشف المحجوب (اردو) ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی، ص ۱۳)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرّہٗ کا ارشاد گرامی اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔

" اگر کِسی کا پیر نہ ہو تو ایسا شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پیر کامِل مِل جائے گا۔ میں نے اس کتاب کا مکمّل مطالعہ کیا ہے۔ (ترجمہ) اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کشف المحجوب آپ کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کی بدولت برصغیر پاک و ہند میں صحیح اسلامی تصوّف نے فروغ پایا اور اس وصفِ خاص کی بدولت آج بھی کشف المحجوب کی قدر و منزلت اتنی ہے جتنی آج سے نو سو برس پہلے تھی۔

(کشف المحجوب (اردو) ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی، ص ۱۳)

کتابِ ہذا کے صفحہ ۱۳، ۱۴ ہی پر لکھا ہے کہ

" کشف المحجوب کی قبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صوفیائے کرام کے مشہور تذکرہ نگاروں مثلاً خواجہ فرید

عطارؒ، حضرت مولانا جامی قدس سرّہٗ صاحبِ نفحات الانس۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ صاحب فصل الخطاب اور خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ نے اپنے تذکروں میں اور تصانیف میں کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے اور مشائخ تصوّف کے حالات اس سے اخذ کئے ہیں۔ آپ کے مقولوں اور آپ کی تحقیق کو بطور سَند پیش کیا ہے۔

کشف المحجوب میں جو رموزِ طریقت اور جن حقائق معرفت کو منکشف کیا گیا ہے ان کی بنیاد حضرت داتا صاحب قدس سرّہ نے اپنے مکاشفات پر نہیں رکھّی ہے بلکہ ان کا ماخذ قرآن و سنت کو قرار دیا ہے یا دنیائے عرفان کی مستند کتابیں ہیں جن کا ذکر ''کشف المحجوب'' میں داتا صاحب قدس سرّہٗ نے اپنی تصنیف لطیف میں کیا ہے اور یہی اس کی مقبولیت کا راز ہے کہ آپ کے بعد کے بزرگان طریقت اور ارباب تصوّف کے لئے وہ ہمیشہ ماخذ کا کام دیتی رہی ہے۔''

اس سے بھی پہلے طاؤس الفقراء حضرت عبد اللہ بن محمد بن یحیٰ، ابونصر سراج قدس اللہ سرہٗ نے کتاب اللُّمع تحریر فرمائی۔ جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے وسط کی تصنیف ہے اور اس وجہ سے یہ کتاب تصوف کی سب سے قدیم کتابوں میں شامل کی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی اس کے سب سے پہلے مترجم جنھوں نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا پروفیسر سید اسرار بخاری صاحب ہیں۔ اس کتاب کے مقام و مرتبہ کا جائزہ لیتے ہوئے سید محمد فاروق القادری ایم۔اے لکھتے ہیں

کہ

"ہم پہلے یہ بات عرض کرچکے ہیں کہ کتاب اللمع سے پہلے تصوف کی تمام کتابیں کسی ایک خاص موضوع سے متعلق تھیں۔ کتاب اللمع پہلی کتاب ہے جس نے تصوف کو ایک ہمہ گیر اور جامع فکر کے طور پر متعارف کرایا ہے، اس میں انتہائی سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے تاکہ ہر شخص استفادہ کرسکے، یہ شرف بھی کتاب اللمع ہی کو حاصل ہے کہ متقدمین صوفیا کے اقوال، اشارات، نکات، معمولات اور واقعات کو اس نے پہلی بار پوری تفصیل کے ساتھ ایک جگہ جمع کردیا ہے اگر اس موقع پر یہ ساری چیزیں اس طرح جمع نہ کی جاتیں تو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے یہ سارا ذخیرہ ضائع ہوجاتا، آج قدیم العہد صوفیائے کرام کے اقوال و اشارات جاننے کے لیے ہمارے پاس بنیادی ماخذ کتاب اللمع ہی ہے۔ (کتاب اللمع فی التصوف ص ۲۰، ۲۱ مصنف شیخ ابونصر سراج رح (م ۳۷۸ھ) مترجم سیّد اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی)

کتاب اللمع مترجمہ سید اسرار بخاری کے پیش لفظ میں سید محمد فاروق القادری ایم۔اے یہ بھی لکھتے ہیں کہ

"تصوف کی اُمّہات الکتب کی ترتیب اس طرح قائم کی جاسکتی ہے:

کتاب اللمع فی التصوف،	ابونصر سراجؒ	م ۳۷۸ ھج
التعرف لمذہب اہل التصوف،	ابوبکر الکلاباذیؒ	م ۳۸۵ ھج
قوت القلوب،	ابوطالب المکّیؒ	م ۳۸۶ ھج

طبقات الصوفیہ،	عبدالرحمان السُلمیؒ	م ۴۱۲ ھجری
حلیۃ الاولیا،	ابونعیم الاصفہانیؒ	م ۴۳۰ ھجری
الرسالۃ القشیریہ،	ابوالقاسم القشیریؒ	م ۴۶۵ ھجری
کشف المحجوب،	سید علی بن عثمان الہجویریؒ	م ۴۷۰ ھجری
فتوح الغیب،	سید عبدالقادر جیلانیؒ	م ۵۶۲ ھجری
تذکرہ الاولیاء،	شیخ فریدالدین عطارؒ	م ۶۲۰ ھجری
عوارف المعارف،	شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	م ۶۳۲ ھجری

(کتاب اللمع فی التصوف ص ۱۱ مصنف شیخ ابو نصر سرّاجؒ م ۳۷۸ ھجری) مترجم سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی)

تصوف و سلوک کے موضوع پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ مندرجہء بالا کتابوں کے منظرِ عام پر آنے کے بعد بھی ہر دور میں جاری رہا اور بحمد اللہ آج بھی جاری ہے اور انشاء اللہ تعالٰی بہ طفیلِ دامنِ مصطفٰی (علیہ الصلوۃ والتسلیم) صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ میرے آٹھویں دادا پیر حضرت شاہ کمال دوم م ۱۲۲۴ھ نے دیوانِ "مخزن العرفان" (اُردو) کلماتِ کمالیہ (فارسی نثر) حسن السوال و حسن الجواب (اُردو نظم) وغیرہ جیسی یگانۂ روزگار تصانیف کے ذریعہ اس فنِ شریف کو حیاتِ نو بخشی۔ پھر میرے پردادا پیر کنز العرفان ابوالایقان مبلغِ اسلام و احسان پیر و مرشد مولانا الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف بہ غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی قدس اللہ سرہُ العزیز نے تصوف و سلوک کے موضوع کے تحت آنے والے مباحث پر "مقصدِ بیعت" "نور النور" "معیّتِ الٰہ" "کلمہء طیبہ" جیسی یگانۂ روز

گار تصانیف کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ یہ کتابیں اپنی نظیر آپ ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور اربابِ طریقت نے ان کتابوں کی انفرادیت اور ان کی گرانقدر علمی حیثیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ان زندہؑ جاوید علمی شاہکاروں کے علاوہ پیر و مرشد مولانا الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف بہ غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ''طیبات غوثی'' نامی مجموعہء کلام کے ذریعہ اردو ادب کو تصوف و سلوک کی بلندیوں پر پہنچایا۔ اس طرح شعر و ادب حال و قال کے دائرہ میں پہنچ کر ایک نئی معنویت اور نئی قدر و قیمت سے سرفراز ہوگئے۔ میرے دادا پیر نبیرہؑ غوثِ اعظم (رضی اللہ عنہ) نور المشائخ حضرت سید نوری شاہ چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ وَ جَزاہُ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُہٗ بھی اپنے پیر و مرشد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تصوف و سلوک کے عنوان پر '' اہمیتِ طریقت '' '' اسرارِ لا الٰہ الا اللہ '' ''تفسیرِ نوری '' (تفسیر سورہؑ فاتحہ بطرزِ معارف) کے علاوہ ماہنامہ ''ترجمانِ جامعہؑ الٰہیات نوریہ'' کے ذریعہ '' فتوح الغیب [1] '' کی تشریح بعنوان ''دادا کی کہانی پوتے کی زبانی'' لمبے عرصے تک فرماتے رہے۔ میرے پیر و مرشد شمس المفسرین فرید العصر حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری جعفری الجیلانی دامت برکاتہم نے بھی ہمیشہ تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔

"محوِ سجود" تصوف میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد تصنیف ہے یہ مجموعہء کلام میرے پیر و مرشد والد ماجد (مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِظِلّٰہِ الممدود) کی شہرت و مقبولیت کا بہت کامیاب وسیلہ ثابت ہوا۔ بحولہ تعالیٰ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۸ء تک کی مدت میں اس کے دو ایڈیشن چھپ کر پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ اس کتاب کو عوام و خواص میں یکساں پذیرائی حاصل ہوئی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک حال ہی میں آپ کی ایک اور تصنیف "لِیْ خَمْسَۃٌ" منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس کا علاقائی زبان (ٹمل) میں نفیس ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔ اس کتاب کو بھی اہل علم حضرات نے بہت پسند فرمایا یہ کتاب اردو نثر کا بہترین نمونہ کہلانے کے قابل ہے۔ اس کتاب نے بھی تعلیم یافتہ طبقہ کے علاوہ عوام کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔ یہ بھی تصوف و سلوک کے موضوع پر قلمبند کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے حقائق نگار قلم سے وقتاً فوقتاً چھوٹی بڑی کوئی نہ کوئی کتاب وجود میں آتی رہتی ہے۔

قطبِ ارشاد حضرت مخدوم محمد عبد الحق ساوی المعروف بہ دستگیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو قطبِ ویلور حضرت سید شاہ ابو الحسن قربی علیہ الرحمہ کے شیخ ہیں) کی مایۂ ناز تصنیف میزان التوحید (فارسی) فنِ تصوف پر ایک شاہکار کی حیثیت رکھنے والی علمی کاوش ہے۔ اسکے علاوہ بھی آپ کی کئی کتابیں ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر اقطابِ ویلور قدس اللہ اسرارہم کی تصنیف کردہ کتب کا ذکر نہ کرنا بڑی علمی خیانت ہوگی۔ جنوبی ہند میں علم و

عرفان کو اپنی تحریروں اور مختلف تصانیف کے ذریعہ روشناس خاص و عام کرنے میں اس خانوادہ نے نہایت شاندار کردار ادا کیا ہے۔ " مجموعہ رسائلِ قربیؔ " (نثر) دیوانِ قربیؔ (نظم) حضرت زبدۃ العارفین مولانا مولوی سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقیؔ ویلوری علیہ الرحمہ (جو قطبِ ویلور حضرت سید شاہ ابو الحسن قربی ویلوری علیہ الرحمہ کے فرزند گرامی ہیں) کی تصنیفِ منیف " انشائے لطف اللّٰھی " (فارسی) اور آپ کی دیگر نظم و نثر میں پائی جانے والی یادگار تصانیف اور حضرت قطبِ ویلور مجدّدِ جنوبی ہندوستان سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی ویلوری علیہ الرحمہ کی شانِ مجدّدیت کی آئینہ دار اصلاحی فکر کی علمبردار اور افراط و تفریط کی بھول بھلیّوں میں بھٹکنے والے مسلم طبقے کو فکری کجروی اور انتہا پسندانہ طرزِ عمل سے نجات دلانے والی تصنیف " فصل الخطاب " اور اسکے علاوہ تصوف و سلوک پر تحقیق و تدقیق سے بھرپور آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف " جواہر السلوک " اور آپ کے قلم کی دیگر اور بہت سی یادگاریں علمِ لدنی اور تصوف کے حقائق و معارف کی تفہیم و تبلیغ کے حوالے سے بہت بڑا ملّی سرمایہ ہیں۔ اقطابِ ویلور کی تصنیفی سرگرمیوں کا میں نے یہاں صرف ایک اجمالی خاکہ ہی پیش کیا ہے۔ ورنہ یہ موضوع تو نہایت شرح و بسط کا متقاضی ہے۔ میرے پر دادا پیر سیدنا الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف بہ غوثی شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند خلیفہ اور جانشین مفسرِ قرآن شیخ الاسلام احمد ابن عربی المعروف بہ حضرت مولانا الحاج پیر صحوی شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ

نے بھی " تشریحی ترجمۂ قرآن " اور پارہ وار تفسیر " کتاب مبین" "بدعتِ حسنہ " " گیارہ مجالس " " اصولِ دین " " موجِ ہوا " "منظوم ترجمہ اَلٓـمّ تـرَ تـا وَالـناس " " رمضان اور روزے " " سیرِ عبدیت " " خون پارے " " تقدیسِ شعر " وغیرہ کتابوں کے ذریعہ شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کی تبلیغ و اشاعت کا نہایت عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ گرامی اور آپ کے خلیفۂ اکبر اور جانشین حضرت مولانا غوثوی شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم نے بھی اپنے والد ماجد اور جدِّ امجد رحمۃ اللہ علیہما کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے میزانِ طریقت، رسول جہاںؐ، اسرارالوجود، تذکرہ نعمانؒ، تاریخِ صوفی، قرآن سے انٹرویو، تاج الوظائف، مرأۃ العارفین، کبریتِ احمر، جوہرِ سلیمانی، عظمتِ مدینہ، حج گائیڈ دیارین، کتابِ سلوک، فیوضاتِ کمال، تعلیماتِ صحویہ، عقائدِ اہلِ سنت، خاتم النّبیّین، تذکرۂ شیخ اکبرؒ، گلکدۂ خیال، حسن حسین، قرآن گائیڈ وغیرہ۔ کتابوں کے ذریعہ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کی گراں بہا خدمت انجام دی ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی علمی اور تاریخی صداقت ہے کہ حضرت العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی گراں قدر تصانیف بھی راہ سلوک کی مشکلات کو آسان کرنے میں نہایت اہم رول ادا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر میر ولیؔ الدین صاحب منشی فاضل، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا، صدر شعبۂ فلسفہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

کی قرآن اور تصوف، رموزِ عشق وغیرہ کتابیں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ علمِ باطن پر تصنیف کردہ فقید المثال کتابوں کی مذکورہ فہرست کے علاوہ بے شمار کتابیں اور کتابچے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں بڑی اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم یہاں ان کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں۔ اس قبیل کی کتابوں کا مطالعہ سالکین کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ اس صداقت کو بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ صرف کتب بینی سے منزلِ مقصود پر پہنچ جانا ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا صرف کتابوں کے مطالعہ پر قناعت کرنے والے بھولے بھالے لوگ حق آگہی اور حق رسی کی کہکشاں کو چھولینے والے خوش نصیب لوگوں میں شامل نہیں ہوسکتے۔

عرفانِ نفس اور عرفانِ حق کی بلندیوں تک وہی لوگ رسائی حاصل کرسکتے ہیں جو کسی عارفِ واصل کی صحبت کے اعزاز سے سرفراز ہوں۔ مرشدِ کامل کی تعلیم و تلقین کی روشنی کے بغیر صرف ذاتی مطالعہ کی بنیاد پر منازلِ سلوک طے کرنے کی کوشش کرنا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہوگا۔ کتابوں کے مطالعہ سے ہم توحید و معرفت سے تقلیداً تو روشناس ہوسکتے ہیں مگر اس کی حقیقت کا انکشاف کسی پیرِ کامل عارفِ واصل کی تعلیم و تفہیم کے بغیر ناممکن ہے۔ الا ماشاءاللہ۔

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ے

توحید و معرفت جو ہے کشفی او اصل ہے
وہ کیا تو ہے عنایتِ حق بر پیمبراں
پیغمبراں سے بخش ہے اصحاب و آل پر
اصحاب وآل سے ہے عطا بر مشایخاں

توحید و معرفت کا یہ کشف یا حال پیغمبروں پر حق تعالیٰ کی عنایت ہے۔ یہ عنایت تمامی پیغمبروں سے انکے اصحاب و آل کو عموماً اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلے سے حضور کی آل پاک اور آپ کے صحابہ کو خصوصاً حاصل ہوتی ہے۔ پھر آلِ رسول اور اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے پیرانِ سلاسل کے حصے میں آتی ہے۔

علم کی قسمیں

علمِ دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمِ سینہ جو ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سینہ سے یہ علم خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ، اصحابِ صفہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاکیزہ سینوں میں منتقل ہوا۔ پھر یہ مقدس گنجینہ صحابہ کے سینوں سے تابعین کے

سینوں میں اور ان کے عظیم سینوں سے تبع تابعین کے پاک سینوں میں منتقل ہوا۔ پھر ان مقدس ہستیوں کے پرنور سینوں سے اولیاءِ امت، ائمہء مجتہدین اور مشائخینِ کرام قدس اللہ اسرارہم کے منور اور مطہّر سینوں کی زینت بن کر انہیں ہر زاویئے سے اجالتا رہا۔

علم کی دوسری قسم علمِ سفینہ ہے اسے علم ظاہر اور علم شرع بھی کہتے ہیں۔ علمِ سینہ کو علمِ باطن بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پیشتر بھی عرض کرچکے ہیں کہ علمِ باطن ہی کو علمِ لدنّی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰه تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُ هُمَا فَبَثَّثْتُهٗ وَاَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَّثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (علم) کے دو برتن یاد کیئے۔ ایک تو پھیلا دیا۔ دوسرے کو پھیلاؤں تو یہ نرخرہ کاٹ دیا جائے۔ (صحیح بخاری)

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پہلا علم ظاہری ہے اور دوسرا باطنی، پہلا عوام کے لئے اور دوسرا خواص کے لئے جو اپنی زندگی کے احوال اور اپنی روحانی حالت درجۂ کمال تک لے جاکر مشاہدۂ قلب حاصل کرنا چاہتے ہیں

جبکہ عوام الناس اور ظاہر بین حضرات پہلے علم سے ہی لبریز ہوجاتے ہیں جبکہ اہل صفا دوسرے علم کے بغیر زندگی کو بےکار سمجھتے ہیں۔"

(حقیقت تصوف ص:۱۹۳)

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مذید تحریر فرماتے ہیں

" امام ابونعیم اصفہانیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہُ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

وان علی ابن ابی طالب عندہ من الظاھر والباطن

اور بے شک حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ظاہری علم بھی تھا اور باطنی بھی۔"

(الاتقان للسیوطی،۲:۱۸۷)(حقیقت تصوف از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ص:۱۹۴)

حضور سیدنا شاہ کمال دوم شمعِ خاندانِ چشت رحمۃ اللہ علیہ دیوانِ " مخزن العرفان " میں فرماتے ہیں کہ:

سمجھ کہ علم دو ہیں آخرت کے نزد کرام
کہ یک کا علمِ لدنی و باطنی ہے نام

بھی اسکو بولتے علمِ حقائق و اسرار
وراثت اور اشارت مکاشفہ ابرار

یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والے علوم دو ہیں۔ ان میں سے ایک علم وہ ہے جسے علمِ لدنی یا علمِ باطنی کہتے ہیں اس کے علاوہ

اس علمِ کو علمِ حقائق و اسرار بھی کہتے ہیں اسے علمِ اشارت بھی کہتے ہیں۔

تلقین درس اہلِ نظریک اشارت است
کردم اشارتے و مکرر نمی کنم
(حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ)

علمِ وراثت بھی اسی کا نام ہے اور اہل اللہ کے نزدیک علمِ مکاشفہ بھی اسی کا نام ہے۔

علمِ باطن کو علمِ وراثت کہنے کی وجہ

اسے علمِ وراثت کہنے کی وجہ مندرجۂ ذیل حدیث کے الفاظ ہیں۔ جسے ہم مشہور و معروف دیوبندی عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب التّشرف سے نقل کر رہے ہیں۔

" الحدیث من عمل بما علم ورثہ اللّٰہ علم مالم یعلم ابو نعیم فی الحلیه من حدیث انس و ضعفه الحدیثان اصل لما یسمونه العلم الباطن الذی یترتب عَلےٰ العمل و لادخل فیه للد رس۔

حدیث جو شخص اپنے اس علم پر عمل کرتا ہے جو اس نے حاصل کیا ہو اللہ تعالےٰ اُس کو ایسا علم عطا فرماتا ہے جو اُس نے

حاصل نہیں کیا۔ اس کو ابو نعیم نے حلیہ میں انس کی حدیث سے روایت کیا ہے اور ضعیف بھی کہا ہے۔ یہ دونوں حدیث اصل ہیں اس کی جسکو علمِ باطن کہتے ہیں جو عمل پر مرتب ہوتا ہے اور جس میں درس و تدریس کو کچھ دخل نہیں۔ (چنانچہ ورث کے لفظ میں اس کے غیر مکتسب ہونے کی طرف اشارہ ہے)۔"

(التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف مع ترجمتھا الموسومۃ بہ تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف، الہادی بابت رجب ۱۳۴۳ھ ص ۳۳،۳۴)

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

؎

او نور ہے جو چمکتا ہے قلب میں بے ریب
کہ دیکھتا ہے او دل اس ضیا سے چندیں غیب

جونیں ہوئے ہیں دگر مرداں اپر ظاہر
حواس خمسہ کے احساس سے بھی ہیں باہر

علمِ مکاشفہ ایک نور ہے جو دل میں چمکتا ہے اور اس نور سے وہ دل بہت سے غیوب کو دیکھتا ہے جو دوسرے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے اور حواسِ خمسہ کے احساس و ادراک سے بھی باہر ہوتے ہیں۔

؎

بطور معجزہ پیغمبراں پہ بعض غیوب
کھُلیں روش سے کرامت کے ہم براہلِ قلوب

یعنی انبیاء علیہم السلام پر بعض مغیبات بطور معجزہ منکشف ہوتے ہیں اور اہلِ دل حضرات یعنی اولیاء کرام پر بھی بعض غیوب ازروئے کرامت کھل جاتے ہیں۔

ولیک جمع مغیبات بوجہنا لاریب
ہے خاص حق سے کہ ہے عالمِ شہادت و غیب

لیکن تمام غیوب کا علم بلاشبہ حق تعالیٰ کا وصفِ خاص ہے۔ جس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

کشفِ کونی اور کشفِ الٰہی کی بحث

پچھے سمجھ کہ ہے علمِ مکاشفہ دو قسم
کہ کشفِ کونی و اصغر ہے ان میں یک کا اسم

یعنی علمِ مکاشفہ کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک کا نام کشفِ کونی اور کشفِ اصغر (چھوٹا کشف) ہے۔

دگر ہے کشفِ الٰہی جو کشف ہے اکبر
یہی مدارِ ولایت سمجھ نہ او دیگر

علمِ مکاشفہ جسے علمِ لدنی یا علمِ باطن وغیرہ کہا جاتا ہے اس کی دوسری قسم کشفِ الٰہی ہے جو کشفِ اکبر (بڑا کشف) ہے۔

کشفِ الٰہی کی اہمیت

زبدۃ العارفین حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی ویلوری علیہ الرحمہ دنیا کے چار نادر و نایاب علوم (۱) علمِ کیمیا (۲) علمِ سیمیا (۳) علمِ حیلمیا اور (۴) علمِ ریمیا کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

"اب دنیا کے اندر ان علوم کا ماہر عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ کہ ان علوم کا عالم نادر و نایاب ہے۔ لیکن صاحب کشف کا وجود بہت ہی نادر ہے۔

کشف کی دو قسمیں ہیں۔ کشف کونی اور کشف الٰہی۔

کشفِ کونی یہ ہے کہ مغیبات کو ظاہر و عیاں دیکھے۔ جیسے قبور کے احوال۔ لوگوں کے دلوں کے احوال۔ عالم علوی اور سفلی کے احوال۔ قیامت، جنت و دوزخ کے احوال کا مشاھدہ کرنا۔

کشف الٰہی یہ ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کی تحقیق کے مقام و مرتبہ پر طالب پہنچ جائے۔ اور عینیت اور غیریت کی نسبت حاصل کرلے جو عبد اور رب کے درمیان ہے۔ اور یہ خاص مرتبہ ہے اور کشف کونی کا مرتبہ عام ہے اور یہ کفار کو بھی حاصل ہے بر خلاف کشف الٰہی کے۔ اور یہ مرتبہ صرف انبیاء صلحاء اور ان کے

متبعین کو حاصل ہے۔
کشف الٰہی کا حاصل ہونا مشقت بھری ریاضتوں اور تکلیف دہ مجاھدوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ نعمت مرشد کامل اور شیخ مربی کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے۔ نفس کشی کے سخت اور دشوار مجاھدوں اور ریاضتوں کے نتیجہ میں کشف کونی کا حاصل ہونا تو ممکن ہے کشف الٰہی کا حاصل ہونا ناممکن ہے اور کشف کونی کا مرتبہ حاصل کرنے میں سخت ترین ریاضتوں کے بعد مرشد کامل کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور اس امر بدیہی کیلئے دلیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس کے لئے تمام وجدان ہی شاہد ہے۔"

(انشائے لطف اللّٰہی رقعہ ۶۲ کا ترجمہ سالنامہ اللطیف ۱۴۲۰ھ ص ۵۴، ۵۵)

شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ بیعت کے فرض ہونے کی گیارہویں دلیل پیش فرماکر ارشاد فرماتے ہیں

اور جس کو وصل و قربِ خدا کا نہیں طلب
نیں مستحب ہے اس کو ارے خشک زاہداں

جسے حق تعالیٰ کے وصل و قرب کی طلب نہیں ہے اُس پر بیعت کی سعادت حاصل کرنا فرض نہیں ہے بلکہ اُس کے لئے مستحب ہے کہ کسی مرشد کامل کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائے۔

حضور شمعِ خاندانِ چشت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

؎

اما وہی ہے پیر جو صاحب کمال ہو
شیخوخیت کہاں ہے سزاوار ناقصاں

یعنی پیر وہی ہوسکتا ہے جو اہلِ کمال کی صف میں شامل ہو۔ جو ناقص ہو وہ شیخ کہلانے کا اہل نہیں ہوسکتا۔

جمعِ اضداد تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ وَلَا مُشَاحَۃَ فِی الِاصْطِلاح (اور اصطلاح میں کوئی حرج نہیں)

شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

؎

دو ضد جو عین ہم کریں با کون غیریت
کہنا اُسے شہنشہہ فوج حق آگہاں

جو جمعِ اضداد کے فن کا ماہر ہو اور قدرت نے اُسے رہنمائے جامع الاضداد بنایا ہو اُسے حق آگاہوں کی فوج کا شہنشاہ کہنا چاہئے۔ دیوانِ ''مخزن العرفان'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

؎

جمعِ اضداد جس کو ہے آساں
او معارف کے فن میں ماہر ہے

میرے پردادا پیر سیدنا الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف بہ

غوثی شاہ صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جمعِ اضداد کے سوا غوثی
عارفوں میں کہو ہنر کیا ہے

شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

ایسا کبھی جو پیر میسر نہ ہووے تو
بہتر ہے اتباعِ شریعت فحسب ہاں

اگر قرآن و حدیث کے معیاروں پر پورا اترنے والا شیخ میسر نہ ہوسکے تو بہتر ہے کہ شریعتِ مقدسہ کی اتباع ہی پر اکتفا کی جائے۔ کیونکہ جو پیر کہلانے کی اہلیت نہیں رکھتا اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے بہتر ہے کہ بیعت نہ کی جائے کہ ایسے شخص کی صحبت و ارادت آخرت کی صلاح و فلاح کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔

واضح باد کہ جامیٔ دکن علیہ الرحمہ نے گیارہ دلائل کی روشنی میں بیعت کے مقدس عمل کو فرض قرار دیا مگر اس کا مکلّف صرف اسے قرار دیا جو خدائے تعالیٰ کے قرب و خوشنودی کا پیاسا ہو۔ اور جولوگ اس تشنگی سے محروم ہوں ان کے لئے بیعت و اردات کو صرف مستحب و نفل ہی بتایا ہے۔ اس موقع پر مجھے حضرت سرمد

شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حسبِ ذیل رباعی یاد آرہی ہیں۔

سرمدؔ غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار
ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

غرضکہ شاہ کمالؔ دوم علیہ الرحمہ کے نزدیک بیعت اپنی حقیقت اور اہمیت اور بارگاہِ رب العزت میں مقبولیت کے لحاظ سے فرض ضرور ہے۔ مگر اس عظیم نعمت خداوندی سے مستفیض ہونے والوں کے درجات کے تفاوت کی وجہ سے یہ کسی پر فرض اور کسی کے حق میں فقط مستحب ہوتی ہے۔

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

(غالبؔ)

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ سید العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسن قربی قادری بیجاپوری ثم ویلوری رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبِ دیوانِ ''مخزن العرفان'' جامیٔ دکن شمع خاندان چشت حضور سیدنا شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک بیعت فرض ہے۔ ایسی جلیل القدر شخصیتوں کی نظر میں جو کام فرضیت کا درجہ رکھتا ہو اس کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ع

علمِ حق جس عمل سے حاصل ہو
فرضِ عینی ہے مستحب کیونکر

(سیدی شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆☆☆

بیعت کے بارے میں حرفِ آخر

اب بیعت کے سلسلہ میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھنے والا بیان پڑھ لیجئے۔ میرے پردادا پیر کنزالعرفان، ابوالایقان مبلغِ اسلام و احسان پیر و مرشد مولانا الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف بہ غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف منیف ''مقصدِ بیعت'' میں بیعت کے بارے میں خود سوال کرتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

'' سوال۔ بیعت کے متعلق حکم کیا ہے، فرض ہے، یا واجب ہے، یا سُنّت؟

جواب۔ فرض بھی ہے، واجب بھی، سُنّت بھی۔ بعضوں کے پاس توحیدِ محض کے لئے فرض ہے۔ ذِکر اللہ کے لئے واجب، تزکیۂ نفس وغیرہ کے لئے سنّت۔ محض سنّت ہونا بلا خلاف سب کے پاس مسلّم ہے۔

سوال۔ سُنّت ہے تو صرف سُنّت یا سُنّتِ مؤکّدہ ؟

جواب۔ ایک حدیث کے اعتبار سے سنتِ مؤکِدہ ہونا پایا جاتا ہے یعنی جو مَرا ایسی حالت میں کہ اس کی گردن میں بیعت کی ڈوری نہ ہو وہ جاہلیت کی یعنی کفر کی موت مرا۔ دوسرے حضورؐ کا صحابہؓ کو دعوتِ بیعت کرنا اور اس کی ترغیب دینا یہ بھی قریب بہ

سنتِ مؤکّدہ ہے۔ سنت ہونا تو قول و فعل و تقریر ہی سے ثابت ہے۔" (مقصدِ بیعت ص ۳۳ ، ۳۴)

مندرجہء بالا بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیعت کا سنتِ غیر مؤکدہ ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

" سرِّ دلبراں اصطلاحاتِ تصوف " کے مصنف حضرت شاہ سید محمد ذوقی کا بیان بھی میرے پر دادا پیر علیہ الرحمہ کے بیان کے عین مطابق ہے۔ لکھتے ہیں۔

" بعض لوگوں کے نزدیک بیعت واجب ہے۔ مگر گروہِ کثیر کے نزدیک بیعت سنّت ہے۔ اور حضور سَرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک متواتر اور متوارث چلی آرہی ہے۔" (سرِّ دلبراں اصطلاحاتِ تصوف ص ۹۵ ناشر ادبی دنیا، ۵۱۰ مٹیا محل دہلی)

دیوبندی علماء کے سرخیل مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب (جو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے استاد ہیں) بھی بیعت کے استحباب کے قائل ہیں۔ اس بات کا گواہ خود ان کا فتویٰ ہے۔ مولوی محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان سے سوال کیا گیا کہ

" بعض لوگ بیعت کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ کیا مروجہ بیعتِ طریقت ضروری ہے؟۔ اگر کوئی شخص کسی سے بیعت نہ ہو تو اس سے قیامت کے دن سوال ہوگا؟

اس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف مولوی رشید احمد گنگوہی کا درجِ ذیل فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

" الجواب: بیعت کا مقصد نسبت احسان کو حاصل کرنا ہے۔ جو

کہ حدیث شریف " ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ الحدیث" میں مذکور ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ یہ نسبت کسی صاحبِ نسبت کے توسل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ گو بعض کو اس کے بغیر بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا مستحب ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۷۵) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفااللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ جلد اول ص ۳۶۹)

اس فتوے سے ثابت ہوا کہ دیوبندی علماء کے اکابر بھی بیعت کی اہمیت اور افادیت کے منکر نہیں ہیں۔ اور اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔

دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور مولانا عبد الکریم صاحب گمتھلوی کی تالیف " امداد الاحکام" جو دیوبندی علماء کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی نگرانی میں وجود میں آئی، کی جلداول کے صفحہ ۴۸ پر لکھا ہے کہ

" بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مرشد اور اس کے شاگرد (مرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارنا سِکھائے گا، اور مرید وعدہ کرتا ہے کہ مرشد جو بتلائے گا اس پر عمل ضرور کرے گا، یہ بیعت فرض و واجب تو نہیں، اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاحِ نفس کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، لیکن بیعت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہء کرام رض کی سنت ہے اور معاہدہ کی وجہ سے فریقین کو اپنی ذمّہ داریوں کا احساس بھی قوی

رہتا ہے، اس لئے بیعت سے اس مقصد کے حصول میں بہت برکت اور آسانی ہو جاتی ہے۔" (امداد الاحکام جلد اول ص ۴۸)

دیوبندی اسکول سے تعلق رکھنے والے علماء کے نزدیک فقیہ الامت اور مفتی اعظم ہند ہونے کا امتیازی مقام و مرتبہ رکھنے والے مفتی محمود حسن صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ

"پیرِ کامل سے مرید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔" (فتاوی محمودیہ ج۱۵ ص۸۸ باب السّلوک)

اس کے جواب میں مفتی صاحب مذکور تحریر فرماتے ہیں۔

"الجوابُ: حامداً وَّ مصلّیاً۔ عقائدِ حَسنہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کی تحصیل ہر شخص پر واجب ہے خواہ اساتذہ سے خواہ کتابوں سے پڑھ کر یا بزرگانِ دین کی صُحبت میں رہ کر ہو یا خواہ بذریعہ مطالعہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں جو حضرات بحالتِ ایمان حاضر ہوئے تو برکت صحبت سے ان کو یہ چیز حاصل ہوگئی، ان کے باطن میں ایک نور پیدا ہوگیا جس کے ذریعہ سے وہ حضرات حق و باطل، صحیح و غلط میں بے تکلف فرق کرلیتے تھے، اتنا تقویٰ قلب میں پیدا ہوجاتا تھا کہ عمومی حالات میں بھی نفس و شیطان پر قابو رکھتے تھے۔ بعد میں آپ کے خلفاء اور دیگر صحابہ کے فیض صحبت سے دوسروں کو اس نوع کا نفع حاصل ہوتا رہا۔ پھر بعد زمانہ اور تغیّر ماحول کی بناء پر اس مقصد کی تحصیل کے لئے مجاہدہ و ریاضت کی ضرورت پیش آئی۔ جن حضرات نے اس نسبت کو حاصل کیا اب بھی ان کی صحبت سے بہت نفع پہونچتا ہے۔ اور

اب اس دَور میں عمومی استعداد اتنی ضعیف ہوچکی ہے کہ بغیر پیر کامل سے رابطہ قائم کئے اور بغیر ان کی ہدایت پر عمل کئے اخلاقِ رذیلہ زائل نہیں ہوتے اور اخلاقِ فاضلہ حاصل نہیں ہوتے، تاہم آج بھی کوئی سلیم الفطرۃ (جو لاکھوں میں سے ایک ہوگا) اپنے عقائد، اخلاق، اعمال کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق خود ہی بنالے تو اس کو بیعت ہونے کی ضرورت نہیں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (حرَّرہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعُلوم دیو بند ۱۰۔ ۱۔ ۸۹ ھ)
جواب صحیح ہے۔ اور ان تمام باتوں کے باوجود بیعت سُنّت ضرور ہے اس کی سُنیت سے انکار درست نہ ہوگا۔ بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دارا لعُلوم دیوبندؔ"۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۵ ص ۸۸ ، ۸۹ بابُ السّلوک)
مذکورہٗ بالا فتوے اور اس کے تتمہ سے معلوم ہوا کہ بیعت سنت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور بیعت

" شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یوں سمجھ لے کہ بیعت سنت ہے واجب نہیں، اس واسطے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اس کے سبب اللہ تعالیٰ کی نزدیکی چاہی۔ کسی دلیل شرعی نے تارکِ بیعت کے گناہ گار ہونے پر دلالت نہ کی اور ائمہ دین نے تارکِ بیعت پر انکار نہ کیا تو یہ عدم انکار گویا اجماع ہوگیا اس پر کہ وہ واجب نہیں۔" (القول الجمیل ،

ص ۲۰ ، از شاہ ولی اللہ۔ مطبوعہ لاہور۔)(افکار شاہ ولیُ اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور مسلکِ اہلسنت ص ۳۷ ، باب دوم)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جن کے متعلق شیخ الجامعہ النظامیہ حیدرآباد دکن حضرت علامہ عبد الحمید صاحب نے فرمایا۔

"مولانا احمد رضا خاں صاحب سیف الاسلام اور مجاہدِ اعظم گذرے ہیں۔ اہلِ سنت و جماعت کے مسلک و عقائد کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔ آپ کا مسلمانوں پر احسانِ عظیم یہ ہے کہ ان کے دلوں میں عظمت و احترامِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اُمت کے ساتھ وابستگی برقرار ہے خود مخالفین پر بھی اس کا اچھا خاصہ اثر پڑا اور ان کا گستاخانہ لب و لہجہ ایک حد تک درست ہوا۔ بجا طور پر آپ امام اہل سنت و جماعت ہیں۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات علوم کا ایک بحر ذخّار ہیں۔"

(ص ۲۰ - ۲۱ استقامت ڈائجسٹ ستمبر۱۹۷۶ء کانپور، انٹرویو از حضرت علامہ عبدالحمید صاحب شیخ الجامعہ النظامیہ حیدرآباد دکن) (ماخوذ از دبستانِ رضا امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں از یٰسٓ اختر مصباحی ص ۱۱۸)

آیئے دیکھتے ہیں کہ بیعت ان کے نزدیک واجب ہے یا سنت؟

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں آپ سے پوچھا گیا کہ " مرید ہونا واجب ہے یا سنت نیز مرید کیوں ہوا کرتے ہیں۔ مرشد کی کیوں ضرورت ہے اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔" (فتاویٰ رضویہ ص ۱۹۹، جلد دوازدہم کتاب الشتّٰی)

اس کے جواب میں آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

" مرید ہونا سنت ہے اور اس سے فائدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتصال مُسلسل۔ تفسیر عزیزی دیکھو آیۂ کریمہ صراط الذین انعمت علیھم میں اوس کی طرف ہدایت ہے یہاں تک فرمایا گیا من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطٰن۔ جس کا کوئی پیر نہیں اوس کا پیر شیطان ہے صحت عقیدت کے ساتھ سلسلہ صحیحہ متصلہ میں اگر انتساب باقی رہا تو نظر والے تو اوسکے برکات ابھی دیکھتے ہیں جنہیں نظر نہیں وہ نزع میں قبر میں حشر میں اوس کے فوائد دیکھیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتاویٰ رضویہ ص ۱۹۹ کتاب الشتّٰی جلد دوازدہم)

معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے نزدیک بھی بیعت سنت ہے جیسا کہ علماء و مشائخ کی غالب اکثریت کی نظر میں اس کا شرعی حکم ہے۔

بیعت کے فوائد و برکات

شمس المفسّرین خادم القرآن بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صِدّیقی حسرتؔ رح پروفیسر و سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ اپنے منفرد انداز میں بیعت کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

" قرآن شریف، حدیث اور کتبِ فقہ سب ہمارے سامنے ہیں۔ پھر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی کیا ضرورت؟

دیکھو! ذرا غور کر کے اس کا جواب دو کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں چار میں سے اگر دو تفریق کریں تو دو باقی رہتے ہیں۔ حساب ایسا یقینی علم ہے کہ بہ مشکل کوئی دوسرا علم ایسا یقینی و قطعی ہوسکتا ہے۔ مگر پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک حساب کی تعلیم اساتذہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ تب کہیں اس میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی غلطی معلوم نہیں ہوسکتی۔ استاد، شاگرد کی غلطیوں کو پکڑتا جاتا ہے۔ جب ایسی بدیہی چیزوں میں غلطی ہونے سے استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو لطیف اور نازک چیزوں میں غلطیوں کا ہونا کثیر الوقوع ہے۔ استاد اپنے شاگردوں کی ہمیشہ نگرانی کرتا ہے اور ان کو ان غلطیوں پر متنبہ کرتا رہتا ہے۔ جب دنیاوی کاموں میں استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو سلوک راہِ خدا میں استادِ روحانی یا شیخ کی کیوں ضرورت نہ ہوگی۔

اچھا! ایک ہی شخص کی تعلیم کے پابند رہنے کی کیا وجہ؟ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات سن کر آدمی کو حیرت لاحق ہوجاتی ہے۔ اس واسطے اپنے معتمد علیہ ہستی کو اپنا پیشوا بنانا چاہئیے۔

ذرا غور کرو کہ کسی اہم مقدمہ میں ہر روز ایک وکیل بدلا جائے تو نہ پیروی برابر ہوسکتی ہے نہ کامیابی کی توقع ہے۔ اردو میں قانون کی کتابیں موجود ہیں۔ کیا ان کو دیکھ دیکھ کر مقدمہ کو چلاسکتے ہیں۔ نہیں ہر کام میں ایک شخص ماہر ہوتا ہے۔ اسی پر اعتماد کرکے اپنے تمام مقدمات و معاملات کو اس کے حوالے کرنے کی

ضرورت ہے۔" (نظام العمل فقراء ص ٦)

بیعت کے مزید فوائد و منافع کا ذکر کرتے ہوئے بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"ذرا سوچو ! الحب فی اللہ بڑی اہم چیز ہے حدیث میں ہے اللہ کے واسطے محبت رکھنے والوں کے لئے نور کا ممبر لگایا جائے گا جس پر پیغمبر بھی غبطہ کریں گے۔ ہٹ دھرمی چھوڑو ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ مرید اپنے مرشد کو کیوں چاہتا ہے۔ اللہ کے واسطے چاہتا ہے الحب فی اللہ دونوں کے درمیان رہتا ہے معلوم نہیں المرء مع من احب و انت مع من احببت جو جس کو چاہے اس کے ساتھ تو جس کو چاہے اس کے ساتھ۔

قرآن شریف میں ہے وَاَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اولاد اگر عمل میں کم بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ماں باپ سے ملا دیتا ہے یہ مرید کون ہیں؟ روحانی اولاد ہیں انشاء اللہ مریدین اپنے مرشد سے ملحق ہوجائیں گے ان کے ساتھ اٹھیں گے جہاں مرشد رہیں گے وہیں مرید بھی رہیں گے۔" (نظام العمل فقراء ص ۹ - ۱۰)

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کی آیتِ کریمہ سے بیعت و ارادت کی افادیت پر استدلال اور استشہاد بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حصے کی چیز ہے۔ فجزاہ اللہ عنا ما ھو اھلہ۔

بیعت کے بعض برزخی فوائد

بیعت کے فیوض و برکات، منافع و مصالح اور عظمت و جلالت پر بحث فرماتے ہوئے پیر و مرشد عارف باللہ الحاج حضرت مولانا ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ حیدرآبادی ارشاد فرماتے ہیں۔

"سلطانِ سنجر رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد ایک شخص نے اُن کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ مرنے کے بعد آپ سے کیا معاملہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوئے تو اُس میں سے کوئی بھی اس قابل نہ نکلا جو میرے کام آسکے حکم ہوا کہ اس کو دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ رکّھو تعمیل حکم سے پیشتر ہی دوبارہ فرمانِ خداوندی صادر ہوا چونکہ اس نے فلاں دن دمشق میں خواجہ حاجی شریف زندانی کی قدمبوسی کی تھی اس لئے اس سعادت کی برکت سے اُسے میں نے بخش دیا۔" (مواعظِ حسنہ جلد دوم ص ۸۹ ، پیری مُریدی)

ایک امید افزا واقعہ

اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے ایک حیرت انگیز امید افزا اور وجد آفریں واقعہ محدّثِ دکن علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ

" حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا جب وہ وفات پایا تو میں اُس کے جنازہ کے ساتھ تدفین میں شرکت کے لئے گیا اور اس کو دفن کرنے کے بعد سب لوگ لوٹ آئے لیکن میں تھوڑی دیر کے لئے اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عذاب کے فرشتے قبر میں آئے اور انہوں نے کچھ سوال کرنے نہ پائے تھے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے اور اُن عذاب کے فرشتوں سے فرمایا یہ شخص میرا مُرید ہے اس پر عذاب نہ کرو فرشتے آپ کے ارشاد کے موافق واپس تو ہوئے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر عرض کیا کہ خداوندِ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یہ مُرید آپ کا مطیع نہ تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ بے شک یہ صحیح ہے کہ وہ میرا مطیع نہ تھا۔ لیکن میرے دامن سے وابستہ تو تھا اتنے میں پھر فرمانِ خداوندی ہوا کہ ائے فرشتوں خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید پر عذاب نہ کرو

میں نے ان کے طفیل میں اس کو بخش دیا۔" (مواعظ حسنہ جلد دوم ص ۹۱ پیری مریدی)

عام طور پر صرف اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ قبر میں کوئی نہیں آتا مگر حضرت مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب قبلہ نقشبندی مجددی محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ جیسی عبقری شخصیت کا بیان پڑھ کر اولیاء اللہ کے مقامات اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی مقبولیت اور وجاہت کے منکرین بھی ان کے علوّ مرتبت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اولیاء اپنے مریدوں کو ان کی قبروں میں بھی نفع پہنچاتے ہیں۔ سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں مگر پیر کا سہارا ہر جگہ ساتھ رہتا ہے۔ قبر میں مرید کو تنہا نہ چھوڑنے والا پیر دنیا میں اسے کب بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے۔

؎

یہ کیوں کہوں کہ غم زندگی گراں گذرا
وہ ساتھ ساتھ رہے میں جہاں جہاں گذرا
اندھیری رات ہے سایہ تو ہو نہیں سکتا
یہ کون ہے جو مرے ساتھ ساتھ آتا ہے

مگر اپنے پیر و مرشد کی دستگیری پر بھروسہ کر کے بد اعمالیوں میں مبتلا ہوجانا اور حق تعالیٰ کی نافرمانیوں کے سنگین نتائج سے بے خوف ہوجانا شریعت و طریقت کی تعلیمات کے منافی رویّہ ہے۔ وہ شخص کبھی اہلِ طریق نہیں کہلا سکتا جو ایک لمحہ کے لئے بھی شریعتِ مقدسہ کی خلاف ورزی کرنے کی جسارت کرے۔

اپنے رنگ میں رنگ دینا

علامہ غلام رسول سعیدی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرِ عزیزی میں درج ایک واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہی شاہ عبد العزیز صاحب اقرا باسم ربك کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے تفسیرِ عزیزی پ ۳۰ ص ۲۴۵ پر فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نانبائی سے خوش ہوکر فرمایا۔

بخواہ چہ بخواہی او عرض کرد کہ مرا مثل خود بسازید فرمودند تحمل ایں حالت نمی توانی کرد چیزے دیگر بخواہ او بر ہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض می فرمودند تا آں کہ لجاج او بسیار شد ناچار او را در حجرہ بردند و تاثیر اتحادی بر وے کردند چوں از حجرہ برآمدند درمیانِ خواجہ و درمیانِ نانبائی در صورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد ایں قدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و آں نانبائی مدہوش و بے خود۔

مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا ہم شکل بنا دیجئے۔ فرمایا تو اس کو برداشت نہ کرسکے گا۔ اور کچھ مانگ لے۔ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا۔ اور خواجہ اعراض فرماتے رہے۔ پس جب اس کا اصرار بہت بڑھا تو آپ اندر لے گئے اور اس پر توجّہ کی۔ جب باہر آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا۔

اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔ بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہُشیار تھے اور نانبائی مَدہوش اور بےخود تھا۔" (توضیح البیان ص ۹۵،۹۶)

جب اہل اللہ ہر کسی کو اپنا ہم شکل بنانے پر قادر ہیں تو اپنے مریدین و معتقدین کو اپنا ہمرنگ بنانے کے کمال سے کیوں عاری ہوں گے۔ جب کوئی شخص اللہ کے مقبول بندے کے تصرف کے نتیجہ میں اُس کا ہم صورت ہوسکتا ہے تو اُسکی کرامت کے طور پر اُس کا ہم سیرت کیوں نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے بحرالعلوم حضرت محمد عبد القدیر صدّیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر شخص میں سے اس کے خیالات اس کی صحبت کے اثرات تموج کرتے ہیں اور چو طرف پھیلتے ہیں۔ نیک کی صحبت سے نیکی حاصل ہوتی ہے اور بد کی صحبت سے بدی، پانی پر اگر ایک کنکر ڈالیں تو اس سے تھوڑا تموج اور چھوٹا دائرہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر بڑا پتھر ڈالیں تو اس سے زیادہ تموج اور بڑا دائرہ پیدا ہوگا۔ اگر ایک کنکر اور ایک پتھر دونوں بیک وقت پانی پر ڈالے جائیں تو بڑے پتھر کا تموج کنکر کے تموج کو اپنے تموج میں مضمحل کردیگا اسی طرح معمولی خیالات والا آدمی کمزور یقین کا شخص اگر کسی کامل کی صحبت میں بیٹھے تو اس کے وساوس اور واہی تباہی خیالات مضمحل اور معدوم ہو جائیں گے اور وہ کامل اور قوی ارادہ والے شخص کے اثرِ صحبت سے متاثر ہو جائے گا۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اس سے بھی شیخِ کامل کے اثر صحبت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے الغرض شیخِ کامل کی صحبت کی ضرورت اور اس کے اثرات ناقابلِ انکار ہیں۔" (نظام العمل فُقراء ص ۸)

لوہا کچھ دیر آگ کی صحبت میں رہتا ہے تو انا النار (میں آگ ہوں) پکار اٹھتا ہے۔ اگرچہ کہ لوہے کا ذاتی رنگ سیاہی ہے مگر وہ آگ کی صحبت اختیار کرتا ہے تو تھوڑی ہی دیر میں آگ اس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ جب لوہے کی صحبت میں یہ کمال پایا جاتا ہے تو اہل حق کی صحبت کے اثرات کا کیا کہنا۔ اللہ کا ولی اگر اپنے مرید کو اپنے رنگ میں رنگ دے اور اسے اپنا ہم خیال اور ہم مشرب و ہمراز بنادے تو کونسی حیرت کی بات ہے۔

؎

یوں تو سب رنگ رنگا کرتے ہیں
رنگ پختہ ہی دیا کرتے ہیں
جو کہ رنگریز ہوا کرتے ہیں
اپنے ہم رنگ رنگا کرتے ہیں

کوئی شاعر حضور علاءالدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ سے منت سماجت کر رہا ہے کہ

ایک نجر مجھ پر بھی صابر پاون لاگوں تور
تن تو میں نے رنگ لیا اب منوا رنگ دے مور

تن رنگنے سے کچھ نہ ہووے من جب رنگا نہ جائے
منوا رنگنا بہت کٹھن ہے اپنے بس میں نائے

تو ہی رنگ دے او رنگرجوا منتی کروں میں تور
تن تو میں نے رنگ لیااب منوا رنگ دے مور

سندر سندر رنگ میں رنگ دے من کی یہ چادریا
تھوڑا چشتی رنگ ملا دے تھوڑا سا قادریا

دونوں رنگ علی مولیٰ کے دونوں ہی چِت چور
تن تو میں نے رنگ لیا اب منوا رنگ دے مور

رنگِ شریعت میں ڈوبے تو رنگِ طریقت چمکے
دونوں سے جب کرنیں پھوٹیں نورِ حقیقت بنکے

جل اٹھیں آشا کے دیپک ناچے من کا مور
تن تو میں نے رنگ لیا اب منوا رنگ دے مور

یہاں یہ پوری نظم ہم نے اس لئے نقل کردی تاکہ اس کی رس بھری راگنی آپ کو اُس کی مخصوص جذباتی فضا میں پہنچادے اور عشق و محبت کا جوش اور تصوف و سلوک کے نازک اور پیچیدہ مراحل

کا تجزیاتی تجربہ ایک حسین ہم آہنگی کے ساتھ مطالعہ کے راستے سے آپ کی روح کی پرسکون پہنائیوں کا حصہ بنتا جائے۔

مرید کا ظاہر و باطن جب پوری طرح پیر کے رنگ میں ڈوب جاتا ہے اور اسکی زندگی کے تمام پہلوؤں پر پیر کے کردار اور اسکے شعور و احساس کی گہری چھاپ دکھائی دینے لگتی ہے اس وقت مرید زبانِ حال سے کہہ اٹھتا ہے۔

رنگ سب ان کے ہیں تصویر سجی ہے میری
سب کمال ان کا ہے اور نام ہوا ہے میرا

حقیقتِ بیعت

اپنی جان اور مال خُدا کو فروخت کردینا اصل بیعت ہے۔ حقیقتاً سب کچھ حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ بندے کا جسم ہو یا جان و مال اللہ ہی کی ملک ہے۔ بندہ جب خُدا کی مِلک کو اپنی چیز سمجھنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق اُس کے بیجا استعمال میں مصروف ہوجاتا ہے تو وہ اپنے بادشاہِ حقیقی کی رعایا میں شامل ہونے کے باوجود اس کے احکام کی خلاف ورزی کرکے اپنی دنیا و آخرت تباہ کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی اس غلطی پر متنبّہ ہوتا ہے۔ اس سرکشی سے نادم ہوکر اپنے خیال اور اپنی روش کی اصلاح کرتا

ہے اور دل سے ہر چیز کو خُدا کی ملکیت سمجھنے لگتا ہے۔ ایک فرماں بردار عبد کی طرح حق تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے اس تغیر حال کے جملہ تقاضوں پر عمل درآمد کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے اور کسی مردِ حق آگاہ کے دستِ حق پرست پر اس ارادہ پر ہمیشہ کاربند رہنے کا پختہ عہد کرتا ہے تو اس رجوع الی اللہ کو بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کوئی چیز کسی کو دی جاتی ہے اور اُس کے بدلہ میں دُوسری چیز لی جاتی ہے تو اس لین دین کو بیع کہتے ہیں۔ بیعت بیع سے مشتق ہے۔ بندہ جب اپنے جسم و جاں اور ملک و مال کو بہ رضا و رغبت اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردیتا ہے اور اس کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے تو اُس کے بدلے میں اللہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرتا ہے۔ اس لین دین کو اللہ تعالیٰ بھی خرید و فروخت کے نام سے موسوم فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط۔ (التوبہ ۹:۱۱۱، ع ۱۴)

"تحقیق اللہ نے مول لی ہیں مسلمانوں سے جانیں اُن کی اور مال اُن کے بدلہ میں اس کے کہ ان کے لئے جنت ہے۔"

صُورتِ بیعت

شاہ سید محمد ذوقی بیعت کی عملی صورت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" خرید و فروخت کی تکمیل کے لئے صرف نیت کافی نہیں۔ فروخت کرنے والے کا صرف دِل میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کروں گا اور خریدنے والے کا صرف دل میں خیال کرلینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص سے خریدوں گا اور اُسکی یہ قیمت دُوں گا۔ خرید و فروخت کے عمل میں آنے کے لئے کیونکر کافی ہوسکتا ہے جب تک کہ ان خیالات کا اظہار نہ ہو اور اُن پر عمل کا جامہ نہ پہنایا جائے۔ جان و مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے بھی صرف نیت کافی نہیں بلکہ عمل کے ذریعہ اس نیت کے اظہار کی ضرورت ہے۔"

(سرّ دلبراں اصطلاحات تصوف ص ۹۳)

شاہ صاحب موصوف پیر کامل کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" حق تعالیٰ کے ساتھ یہ بیع ہمیشہ اُس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتی ہے جو اس سنجیدہ اور مہتم بالشّان معاملہ میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو:-

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدہ ۵ : ۳۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو طرف اُس کے وسیلہ اور مجاہدہ کرو اُس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔"
(سرّ دلبراں اصطلاحاتِ تصوف ص ۹۳)

وسیلہ

شاہ صاحب موصوف مزید فرماتے ہیں۔

"وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے ماقبل اور مابعد واوِ عطف ہے جس کا ہونا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی جس وسیلہ کی جانب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے وہ تقویٰ اور مجاہدہ کے علاوہ ایک اور چیز ہے۔

متقدّمین اور اکابرِ امّت کے نزدیک یہاں وسیلہ سے توسّلِ مرشد مراد ہے۔ شاہ عبد الرحیم صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ متأخّرین میں اُن بزرگوں میں ہیں جن کی ہر معقول پسند گروہ وقعت کرتا ہے۔ ان جملہ حضرات نے وسیلہ کے یہی معنی لئے ہیں۔" (سرِّ دلبراں اصطلاحاتِ تصوف ص ۹۳-۹۴)

جو لوگ بیعت و ارادت کی اہمیت اور اسکی ہمہ گیر فیض رسانیوں کے منکر ہیں اور کسی مرشدِ کامل کو وسیلہ تسلیم کرنے اور اس کی

تلاش و جستجو میں منہمک رہنے والوں کی مخالفت میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ساری زندگی اسی ایک سعئ لاحاصل میں صرف کردیتے ہیں۔ ایسے لوگ درجِ ذیل عبارت غور سے پڑھیں جس میں مولوی اسمٰعیل دہلوی مذکوۂ بالا آیتِ مقدّسہ میں"وسیلہ" سے مراد ایمان یا اعمالِ صالحہ نہیں لیتے بلکہ رسول یا نائب رسول یعنی امام ہی لیتے ہیں۔

چنانچہ شاہ سید محمد ذوقی لکھتے ہیں۔

" مولونا اسمٰعیل صاحب اپنی کتاب " منصبِ امامت " مطبوعہ مطبعِ فاروقی دہلی کے صفحہ ۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"

(المائدہ ۳۵:۵)

و مراد از وسیلہ شخصے است کہ اَقرب اِلی اللہ باشد در منزلت

کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ۔" (بنی اسرائیل ۱۷:۵۷)

واقرب الی اللہ باعتبارِ منزلت اوّل رسُول اَست بعد ازاں امام کہ نائبِ اوست "

یہ دُوسری آیت سورۃ بنی اسرائیل کے رکوع (٦) میں واقع ہے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے بھی شخص اقرب الی اللہ کے لئے وسیلہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس لفظ کا استعمالِ قرآنی معلوم کرنے کے بعد کسی مُسلمان کے لئے شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ

مقرّبین بارگاہ ربّ العزت ہی کا وسیلہ وہ وسیلہ ہے جس کے حاصل کرنے کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمائی ہے۔"

(سرِّ دلبراں اصطلاحاتِ تصوف ص ۹۴)

اور مقربینِ بارگاہِ ربّ العزت میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے لیکر انبیاء کے تمام نائبین یعنی علماءِ حق اور صوفیہ صافیہ داخل ہیں۔ وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دینے والی آیتِ کریمہ اور سورۂ بنی اسرائیل کی وہ آیت جس میں حق تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس سے زیادہ تقرب رکھنے والی شخصیت کو وسیلہ ثابت کیا ہے، کی روشنی میں یہ ایمانی اور عرفانی سچائی روز روشن کی طرح عالم آشکار ہوجاتی ہے کہ کسی مرشد کامل (جو بلاشبہ نائبِ رسول ہی ہوتا ہے) کو دربارِ ایزدی میں اپنا وسیلہ بنانا اور اس سے پہلے اس کی تلاش میں مصروف رہنا قرآنی حکم ہے اور قرآن میں دئے گئے تمام احکام احکامِ خداوندی ہونے کے ناطے ہرگز بدعت و ضلالت کے دائرہ میں نہیں آسکتے۔ ڈاکٹر اقبال جنہیں بعض لوگ تصوفِ اسلامی کا سخت ترین مخالف قرار دیتے ہیں۔ (حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے) مسلمانانِ عالم کو کیا خوب نصیحت کرتے ہیں۔

از دو جہاں کنارہ گیر و صحبتِ آشنا طلب
ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

یعنی دونوں جہاں سے کنارہ کر کے کسی آشنائے راز (عارفِ

واصل) کی جستجو کر اور خدا سے بھی فقط خودی کو طلب کر اور خودی سے بھی مانگ تو صرف خدا کو مانگ۔

اقسامِ بیعت

میرے پر دادا پیر کنزالعِرفان ابوالایقان مبلغِ اسلام و احسان پیر و مرشد مولانا الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف بہ غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف منیف "مقصدِ بیعت" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

" اسکے کئی اقسام ہیں۔ بیعتِ اسلام، و جہاد، و رضوان، و بیعتِ توبہ و انابت، و عدمِ سوال وغیرہ۔

بیعتِ اسلام

ابتداءً اسلام میں لانے کے لئے باعتبارِ توحید و رسالت کی جاتی تھی، چنانچہ صحابہؓ جنگِ خندق کے موقعہ پر فرماتے ہیں،

نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّداً

عَلٰی الاِسلَامِ مَا بَقِینَا اَبَداً

یعنی ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

اسلام پر قایم رہنے کی بیعت کی ہے۔

بیعتِ جہاد

یہ اپنی مدافعت کے لئے اور راہِ حق میں لڑنے، مرنے اور اشاعتِ توحید کیلئے ہوتی تھی۔

بیعتِ رضوان

بیعتِ رضوان بھی اسی جہاد کی قسم سے ہے، البتہ اس میں لڑنے، مرنے اور مارے جانے پر مصمم طور پر بیعت لی گئی اور اس کی تفصیل میں اور آیات بھی نازل ہوئیں۔

بیعتِ توبہ و انابت

بیعتِ توبہ و انابت گناہوں سے بچنے اور اعمالِ صالحہ پر چلنے اور رجوع بحق ہونے کے لئے کی گئی۔

تُوبُوٓا اِلَی اللّٰہِ اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ جَمِیْعًا ،

توبہ کرو اللہ کی طرف (رجوع ہونے کیلئے) اے سب ایمان والو۔

"بیعتِ انابت جو پیرانِ طریقت سے کی جاتی ہے ترکِ معصیت اور التزامِ حسنات کے لئے ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی ہوتی تھی، مگر اس میں قدرے تغیر ہوگیا ہے، وہ کیا؟ التزامِ اذکارِ طریقۂ معیّنہ اور ان کے روش کی پابندی۔ اس قدرے تغیر سے اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہ بیعت بھی بیعتِ خلافت کی ہم عمر ہے۔ اسی عہد سے یہ بھی جاری ہے، اور بڑی مقدّس جماعت میں جاری رہی اور اس کے عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔ تہذیبِ قوائے باطنیہ و تزکیۂ روح و اکتسابِ کمالاتِ روحانیہ اسی کے ثمرات ہیں۔" (سورہ ممتحنہ جلد ہفتم تفسیر حقانی ص ۹۱۳۹)

بیعتِ عدمِ سوال واہتمام وعزیمت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کسی چیز کے نہ مانگنے کا مُعاہدہ۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَةً اَوْ ثَمَانِيَةً اَوْسَبْعَةً فَقَالَ اَلَا تُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَسَطْنَا اَيْدِيَنَا وَ قُلْنَا عَلٰى مَانُبَايِعُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَلٰى اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ تُصَلُّوا الصَّلٰوتِ الْخَمْسَ وَتَسْمَعُوْا وَتُطِيْعُوْا، وَ اَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً قَالَ وَلَا تَسْئَلُوا النَّاسَ شَيْئًا فَلَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَ اُولٰئِكَ النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُ اَحَدِهِمْ فَمَا يَسْئَالُ اَحَدًا يُّنَاوِلُهٗ اِيَّاهُ۔ اخرجه مسلم وابو داؤد ونسائی (تیسیر کلکته ص ۱۱)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک الاشجعی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، نو تھے یا آٹھ یا سات، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یارسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا اِن امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ان کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتّفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اُٹھاکر ان کو دیدے۔

”حضراتِ صوفیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصِل مُعاہدہ ہے التزام احکام و اہتمامِ اعمالِ ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عُرف میں بیعتِ طریقت کہتے ہیں۔ بعض اہلِ ظاہر اس کو اس بناء پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ صرف کافروں کو بیعتِ اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا۔ مگر عوف بن مالک اشجعی...... الخ کی حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہؓ ہیں اس لئے یہ بیعتِ اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصِل لازم آتا ہے اور مضمونِ بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعتِ جہاد بھی نہیں بلکہ بدلالتِ الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے۔ پس مقصود

ثابت ہوگیا۔ عادۃ۔ تعلیم خفی للمصلحۃ اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں۔ کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا اس لئے اظہار میں افتتان و اضلال عوام کا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم دلیلِ خصوصیت و اہتمام ہے۔ اس میں طالبین کے دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سن کر حرص و تقلید نہ کریں جن کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے۔ سو اس حدیث میں اس عادت کی اصل پائی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک امر خفی طور سے فرمایا جس میں علاوہ بعض مصالح مذکورہ کے عجب نہیں کہ علی الاطلاق اس کے واجب نہ ہونے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ امورِ واجبہ کا مقتضاء اعلان ہے۔ بہرحال مطلق مصلحت سے اخفا ثابت ہوگیا۔

ف (مسئلہ) مبالغہ در امتثالِ امرِ شیخ۔ اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایتِ معنیٰ کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا دوسرے کی چیز مانگنے سے نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے مگر چونکہ لفظ فی نفسہٖ اس کو متحمل تھا گو وہ احتمال قراین کی وجہ سے یقیناً منفی ہے۔ اس احتمالِ لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے کی بھی احتیاط رکھی جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ سلم نے اثناء خطبہ میں

فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، ایک صحابیؓ دروازہ سے آرہے تھے سُن کر وہاں ہی بیٹھ گئے حالانکہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ اندر آکر موقع پر بیٹھ جاؤ، کھڑے مت رہو، نہ یہ کہ آؤ بھی مت۔ یہ شعبہ ہے غایتِ احترام و تادیبِ شیخ کا جو کہ استفادۂ باطنی کے لئے شرطِ اعظم ہے۔"

(الکشف مولفہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۳۱۷)(مقصدِ بیعت ص ۱۶ تا ۲۱)

اوپر دئے ہوئے اقتباس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اپنے شیخِ طریقت کا حد درجہ ادب و احترام مرید پر لازم ہے۔ کیونکہ یہ پیر کے باطن (قلب) سے اکتسابِ فیض کی سب سے بڑی شرط ہے۔ استفادۂ ظاہری تو شیخ کے ارشادات کو بغور سننے اور سمجھنے پر موقوف ہوتا ہے۔ مگر استفادۂ باطنی کی سعادت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تعظیم و توقیر پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر یہی نصیب نہ ہو تو سوائے محرومی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

از خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

یعنی ہم خدا سے توفیقِ ادب مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب آدمی خدا کے لطف و کرم سے محروم ہوجاتا ہے۔

میر تقی میر نے ادب کے مضمون کو جو نازک خیالی اور سچی داخلیت

سے بھرپور فضا دی ہے۔وہ اسی کا حصہ ہے۔ میرؔ کہتا ہے۔

دور بیٹھا غبار میرؔ اُس سے
عشق بِن یہ ادب نہیں آتا

علامہ اقبالؔ کہتے ہیں

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہایش عشق آغازش ادب

مولانا محمد باقر آگاہؔ شافعی قادری ویلوری ثم مدراسی رحمۃ اللہ علیہ (مرید و تلمیذِ خاص رکن الملّۃ والدّین مولانا حضرت سید شاہ ابو الحسن القادری قدس سرہٗ) فرماتے ہیں۔

مزن بہ پیش حریفانِ عشق دم گستاخ
منہ بہ بزمِ ز خود رفتگاں قدم گستاخ

بقول حضرت آگاہؔ علیہ الرحمہ جب خاصانِ خدا کی بارگاہ میں کوئی گستاخ اور بے ادب حاضر ہونے کا کوئی حق نہیں رکھتا تو کوئی بے ادب یا ناقص الادب اپنے شیخ کے فیضانِ باطنی سے کیونکر مستفیض ہوسکتا ہے۔ غرضکہ باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب

ہوتا ہے۔ بے ادبی تمام عبادتوں کو رائگاں کردیتی ہے اور ہر اونچے مقام سے محروم کردیتی ہے۔ اور ادب تمام حاصل کردہ نعمتوں اور بلند مقامات کا محافظ ثابت ہوتا ہے۔ فرشتوں نے سجدۂ تعظیمی کے ذریعہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم کا فریضہ ادا کیا مگر شیطان نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو سجدۂ تحیت نہ کرکے ان کی بارگاہِ عالی میں گستاخی کا ارتکاب کیا اور صرف اس ایک گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ سے نکال دیا گیا۔ اور ابدی لعنت کا مستحق ہوا۔

فاعتبروا یا اولی الا بصار۔

غفلت میں نہ رہ کھول ذرا دیدۂ عبرت
ہر واقعہ اک درس مسلماں کے لئے ہے

صرف ایک گستاخی نے شیطان کی ہزاروں سال کی عبادت و ریاضت کو برباد کردیا۔ خدا کے ایک بندۂ خاص کی تعظیم نہ کرنے کی پاداش میں اس کی عمر بھر کی نیکیاں (جن کی حقیقت خدائے پاک کی عبادت کے سوا کچھ بھی نہیں تھی) رائگاں گئیں۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

(شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ مرحوم)

اسی لئے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ سلوک کا ہر دشوار گذار مرحلہ ادب سے نہایت آسان ہوجاتا ہے۔

ع

اَدِّبُوا النَّفسَ اَیُّهَا الطُّلَّاب
طُرُقُ العِشقِ کُلُّهَا اٰدَاب

اے طالبانِ خدا اپنے نفس کو باادب بناؤ اور ہمیشہ مؤدب رکھو۔ کیونکہ عشق کی تمام راہیں ادب ہی سے عبارت ہیں۔

بیعتُ النِّساء (عورتوں کی بیعت)

کنزالعرفان ابوالایقان علیہ الرحمہ اس موضوع کے تحت شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:-

"یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(پ ۲۸ الممتحنہ ع ۸)

ترجمہ:- اے نبیؐ جس وقت کہ آویں آپ کے پاس مومن

عورتیں بیعت کرتی اوپر اس بات کے کہ نہ شریک لاویں ساتھ اللہ کے کسی چیز کو، اور نہ چوری کریں، اور نہ زنا کریں، اور نہ مار ڈالیں اولاد اپنی کو، اور نہ لاویں طوفان کہ باندھ لیویں اس کو درمیان ہاتھ اپنے کے اور پاؤں اپنے کے، اور نہ نافرمانی کریں آپ کی بیچ کسی حکم شرع کے، پس بیعت قبول کیجئے اُن سے اور بخشش مانگئے واسطے اُن کے اللہ سے۔ تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے کیا معلوم ہوا ؟

شِرک ۱ کا قطعی چھوڑ دینا، توحیدِ حقیقی کا لینا، اور توحیدِ حقیقی کا حصول خود حضرتِ واحد تعالیٰ کی یافت ہے۔(اس کے بعد معاصی سے بچنے کا معاہدہ) یعنی چوری ۲، زنا ۳، قتلِ اولاد ۴، بُہتان ۵، نافرمانی ۶ امرِ شرعی میں۔

یہ عنوانات بعد توحید، معاصی کثیرہ سے بچنے کے اصول ہیں۔ ان مقاصد پر ان سے بیعت لیجائے، یعنی معاہدہ لیا جائے، یہاں امرو اجازتِ بیعت صراحتاً ' فَبَايِعْهُنَّ ' کے اعتبار سے ہے۔ اس کے بعد ان بیعت کرنے والوں کے لئے بیعت لینے والے (یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اِن کو اُن کیلئے دعا مانگنے کا امر ہے اور حق تعالیٰ خود کو اس موقع پر غفور و رحیم کی نسبت سے جزا کا اعتبار ٹھہراتے ہیں، یعنی اس قسم کی بیعت کرنے والوں کے لئے حق تعالیٰ بیعت لینے والے کو متوجہ بہ دعا اور خود کا غفران و رحمت سے سرفراز کرنا فرماتے ہیں۔ اب اس کی اہمیت اہلِ غور کے لئے ظاہر و باہر ہے کہ اس کا کتنا اہتمام اور پاس و لحاظ رکھا گیا ہے، اور اس

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیعت کرنے والیاں مومنات، ایمان والی ہیں اور اپنے نبیؐ کے پاس حاضر ہوئی ہیں، جو کہ بلا اجازتِ بیعت، بیعت لینے کے مجاز ہیں، اور جو عنوانات کہ مذکور ہوئے ہیں وہ باعتبارِ نبوت، بلا اعتبارِ بیعت، ان مومنات کو بجا لانے کا امر کر سکتے ہیں، اور وہ مومنات اس پر بہر صورت چل سکتی اور پیروی کرنے پر مامور ہوسکتی ہیں باوجود اس کے 'فَبَایِعْھُنَّ' کے امر سے بیعت کی خصوصیت اور اہمیت کچھ اور رمز کی طرف راہ بتاتی ہے، اور اسی طرح ان کے حال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اور حق تعالیٰ کا غفران اور رحمت کا نازل فرمانا خصوصیاتِ خاصہ ہیں۔

انتباہ۔ یہاں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بیعت عورتوں کے لئے ہی ہے، مردوں کو اس میں مخاطبت نہیں۔ کیونکہ قرآن میں کئی جگہ مردوں کی مخاطبت عورتوں کو شامل ہے اور قرآن کے احکام دونوں کے لئے لازمی، چنانچہ اس مقصد کے تحت بھی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں یعنی صحابہؓ سے بیعت لی، اور ان ہی عنوانات پر لی، اور یہ کہہ کرلی کہ کیا تم اُن عنوانات پر جن پر عورتوں نے بیعت کی ہے، بیعت نہیں کرتے۔اَلَا تُبَایِعُوْنِیْ عَلیٰ مَا بَایَعَ عَلَیہِ النِّسَاءُ......الخ (بخاری جلد دوم کتاب التفسیر پارہ ۲۸ سورہ ممتحنہ)

اور اسی کی تفصیل اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَہٗ عِصَابَۃٌ مِنْ اَصْحَابِہٖ تَعَالَوْا بَایِعُوْنِیْ عَلیٰ اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئاً وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ وَلَا تَاْتُوْبِبُھْتَانٍ

تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْنِيْ فِيْ مَعْرُوْفٍ ط

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اصحابِ کبار حاضر تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آؤ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی شئے کو نہیں ملائیں گے یعنی کسی قسم کا بھی شرک نہیں کریں گے۔ اور نہ چوری کریں گے نہ زنا، اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گے اور نہ کسی پر بہتان باندھیں گے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان، اور نہ کوئی حکم شرعی کا خلاف کریں گے۔ بخاری اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اسی کے ساتھ آپ نے یہ آیت بھی پڑھی۔ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ......الخ پھر فرمایا جو شخص اس وعدہ کو پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دیگا اور جو ان گناہوں کا مرتکب ہوا پھر سزا دیا گیا۔ پس یہ سزا اِس کے لئے کفارہ ہے اور جس گنہگار کی پردہ پوشی کرے اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے خواہ عذاب دے یا بخش دے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ہم نے اس بات پر آنحضرتؐ سے بیعت کی۔ لیجئے ان تمام صیغوں میں وہی عنواناتِ مقاصدِ بیعت جو عورتوں کے لئے آئے تھے مردوں کے لئے بھی آئے۔ یعنی بیعت کرو میرے ہاتھ پر اس مقصد میں کہ نہ شریک ۱ کریں گے کسی چیز کو اللہ کے ساتھ اور نہ چوری ۲ کریں گے نہ زنا ۳، نہ قتلِ اولاد ۴ کریں گے اور نہ بہتان ۵ باندھیں گے اور نہ نافرمانی ۶ کریں گے امر شرعی میں۔ چنانچہ ان ہی عنوانات پر کئی صحابہؓ نے بیعت کی، اور وہ صحابہ مسلم و مومن، صالح اور مجاہد تھے۔ اس سے

بیعت کی طرف توجہ دلانا، ترغیب دلانا، غفران اور رحمتِ الٰہیہ کی بشارت دینا، اور خود قولی و فعلی سنت ٹھہرانا، ترغیباً تاکید کی طرف رُجحان پایا جاتا ہے۔

تفسیر و احادیث میں ہے کہ عورتیں بہ یک وقت چارسواسی کی تعداد میں حاضرِ خدمت ہوگئیں تو اُس وقت حضُور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کثرت کی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، اور ان عورتوں کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ ان سے نیابتاً بیعت لیں۔ چنانچہ حضرتِ فاروقؓ نے ان عورتوں کے پاس جاکر خطاب فرمایا اَنَا رَسُوْلُ رسُوْلِ اللّٰـهِ اِلَيْكُنَّ جَـمِيْعاً، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا ہوں تم سب کی طرف۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ کو ان عورتوں کی طرف بڑھا دیا (لیکن کسی عورت کے ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملایا صرف ہتھیلی اور پنجہ کو ان کی طرف کردیا) اور ان عورتوں نے اسی طرح ان عنوانات پر نائبِ حضورؐ سے بیعت کرلی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنہ عورتوں میں کثیر تعداد نے اشتیاقاً حاضر ہوکر بیعت کرلی اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ نے اپنے بظاہر حینِ حیات میں نائب بھی مقرر فرما دیا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیوخ میں رسمِ خلافت ونیابت جو جاری ہے یہ اسی سنّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنبط ہے۔ علاوہ بیعتِ توبہ وغیرہ کے طریقِ صوفیاء میں جو بیعت کہ جاری ہے اسی بیعت کے اعتبار سے مستنبط و مستند ہے۔

بیعتِ طریقت

دورِ حاضر میں جو بیعت جاری ہے اس کو بیعتِ طریقت کہتے ہیں۔ بیعتِ طریقت کی اصل کیا ہے؟ وہ بیعت جس میں توحید و اعمالِ صالحہ کا اقرار کیا جاتا تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔ صحابہؓ سے مخاطب ہوکر حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُھْتَانٍ تَفْتَرُوْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَ اَرْجُلِکُمْ وَلَا تَعْصُوْنِیْ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔

ترجمہ: بیعت کرو مجھ سے اس بات پر کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور نہ چوری کریں گے نہ زنا اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گے اور نہ کسی پر بہتان باندھیں گے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ کوئی حکمِ شرعی کا خلاف کریں گے۔

یہ حدیث بتارہی ہے کہ یہ صحابہؓ کے ساتھ ہے جو مسلم و مومن ہیں۔ باوجود اس کے شرک نہ کرنے اور فسق سے بچنے کا اقرار لیا جارہا ہے۔ اگر اس سے صرف شرک فی المعبودیت کی نفی مراد لی جائے تو یہ حاصِل تھی۔ تو پھر اس سے مقصد کیا تھا؟ یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا بھی شرک نہ کیا جائے یعنی جیسے معبودیت کا شرک نکالا گیا ویسے ربوبیت کا شرک دور کیا

جائے۔ یعنی حق تعالیٰ ہی کی قوت سے واسطہ رہے اور موصوفیت کا شرک بھی نکالا جائے یعنی صفاتِ الٰہیہ ملحوظ رہیں، اور ذات کا شرک بھی نکالا جائے یعنی ذات باعتبار وصف ظاہر بصیرت میں رہے تاکہ قطعاً شرک سے بالکلیہ محفوظ ہوکر حق رسیدہ ہوجائے۔ اب رہا یہ سوال کہ حق رسی کے بعد صلوٰۃ و صوم کی بندش کی پھر کیا ضرورت باقی ہے، اسی لحاظ سے اس کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ کا اقرار بھی لیا گیا تاکہ اس غلط فہمی سے بچ جائیں کیونکہ حق رسی سے مومن، حق نہیں ہوسکتا۔ نہ اسی عالم میں ہوش کے ساتھ رہ کر قیدِ اعمال سے واگذاشت ہوسکتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ صرف اسم سے آشنا تھا اب مسمّٰی کا آشنا ہوگیا، اس سے اس کا اضطرار رفع ہوکر اطمینان حاصل ہوا۔

اس قسم کی بیعت مسنون ہونے میں کسی کو کلام نہیں، علاوہ اس کے اس پر قدیم سے عمل درآمد ہے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں بڑے بڑے علماء نے بیعت کی اور تاہنوز کرتے ہیں۔ البتہ بعض وہ حضرات جن کو طبعاً اس سے شغف نہیں وہ محروم ہیں۔

" حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد آپؐ کے اصحابؓ کی ایک جماعت تھی، اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم شرک نہ کروگے، اور چوری نہ کروگے، آخر حدیث تک روایت کیا اِس کو بخاری و مسلم نے، (مشکوٰۃ ص ۵)

ف۔ متفرقات۔ بیعتِ طریقت۔ حدیث میں تصریح ہے کہ جن

لوگوں کو آپؐ نے بیعت کا امر فرمایا وہ صحابہؓ تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعتِ اسلام و جہاد کے ترک معاصی و التزامِ طاعات کیلئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعتِ طریقت ہے جو صوفیہ میں معمول ہے۔ پس اس کا انکار نا واقفی ہے۔"

(التکشف ص ۴۳۸) (مقصد بیعت ص ۲۱ تا ۲۸)

راقم الحروف کے پر دادا پیر کنزالعرفان، ابوالایقان مولانا غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی قدس سرہ العزیز اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "مقصدِ بیعت" میں پیری و مریدی کی سنّیت (سنت ہونا) اور اس کی ضرورت کو قرآنِ مجید کی روشنی میں اجاگر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

الغرض پیری و مریدی

”ہدایتِ رُشد و اِرشاد، قرب و تزکیۂ نفس و تصفیہ قلب کرنے کا نام ہے۔ یہ کام وہ شخص کرسکتا ہے جس نے خود کسی مُرشد ربّانی سے رُشد و ہدایت حاصل کی ہو اور اس کا اجازت یافتہ ہو۔ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ (پ ۹ اعراف ع ۲۲) یعنی ہماری مخلوق میں ایسی جماعت بھی ہے جو ہدایتِ حقّہ کرتی ہے۔ یہی خدائی ہدایت کا پہنچانے والا مرشد اور پانے والا مرید اور مُسترشِد ہے۔ مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ (پ ۱۵ کہف ع ۲) جس کی خدا ہدایت کرے تو وہی ہدایت یافتہ ہے وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَلَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (پ۱۵کہف ع۲) جسے وہ گمراہ کرے تو اُس کے لئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم کوئی ولیِ مرشد نہ پاؤ گے یعنی کوئی ایسا ولی جو صاحبِ ارشاد ہو نہ پاؤ گے، مطلب یہ کہ جس کی خدا ہدایت کرتا ہے، تو بہ عالمِ اسباب[1] اس کی ہدایت ولیِ مرشد کے ذریعہ کرتا ہے، ایسے لوگوں کو ولی مرشد مل جاتے ہیں اور ایسے گمراہ کو جس کی خدا ہدایت نہ کرے اور جسے خدا گمراہ کرے ولی مرشد نہیں ملیں گے۔“ (مقصد بیعت ص ۲۸ _ ۲۹)

☆☆☆☆☆

---

[1] بہ عالمِ اسباب (یعنی عالمِ اسباب میں)

لفظِ پیر کی تحقیق

بعض حضرات کہتے ہیں کہ لفظِ پیر قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا۔ لہٰذا پیری مریدی کی اساس قرآن و حدیث کی تعلیمات پر قائم نہیں ہے۔ ان سے ہم عرض گذار ہیں کہ وہ براہ کرم ذیل کی محققانہ تحریر غور سے پڑھیں۔

" انتباہ۔ پیر کا لفظ تو قرآن میں نہیں، مرشد کا لفظ قرآنی ہے، اِسی مرشد کو اردو میں پیر کہتے ہیں اور اسی پیری مریدی کو رُشدو اِرشاد، وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرَاھِیْمَ رُشْدَہٗ (پ ١٧، انبیاء ع ۵)

بیشک دیا تھا ہم نے ابراہیم کو ان کا رشد یعنی راہِ رشد بتائی تھی کیونکہ ہم ان کی صلاحیّت سے واقف تھے۔ وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ، (پ ٢۴ المومن ع ۵)

اس شخص نے کہا جو ایمان لاچکا تھا، اے میری قوم پیروی کرو میں تم کو راہِ رُشد کی ہدایت کروں گا، اس سے معلوم ہوا کہ اِس راہ کے بتانے والے کو اپنی پیروی کی فرمائش کرنی چاہئے تاکہ مرید و مُستَرشِد کو یہ معلوم ہوکہ ظاہری و باطنی احکامِ مولیٰ کی تعمیل کس طرح کرنی چاہئے۔ اس سے کیا معلوم ہوا؟

یہ کہ پیری و مریدی، بیعت ہی کو کہتے ہیں۔

ف (١)۔ بیعت کتاب و سنت میں اُس معاہدہ کو کہتے ہیں جو

حق رسی اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کے لئے کیا جاتا ہو۔ ایسے معاہدہ کے لینے والے کو بزبان فارسی پیر اور بزبانِ قرآن مُرشِدُ اور ایسا معاہدہ کرنے والے کو بزبانِ عربی مُستَرشِدُ یعنی مُرید (ارادت مند) کہتے ہیں اور یہ کتاب وسنّت اور صحابہؓ کے عمل سے ثابت ہے۔

ف (۲)۔ بطور خود کوئی شخص (اِلّاماشاءاللہ) حق رس نہیں ہو سکتا، اگرچہ کتاب و سنت اس کی رہبری کے لئے کافی ہے لیکن اسی طریقہ سے جس کو کہ پیش کیا جاتا ہے، کتاب و سنت کو رسولؐ نے ہی سکھایا اور اس کی تربیت دی، اسی طرح سیکھے ہوؤں نے دوسروں کو سکھایا، اہلِ تربیت نے تربیت دی، چونکہ کتاب و سنت میں تعلیم و تربیت کے دو شعبے ہیں، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت، تزکیۂ نفس، صحبتِ رسول میں، کتاب و حکمت، تعلیم رسولؐ میں حاصل ہوا اور ہوتا ہے، جو لوگ خود صحبتِ رسولؐ سے مزکیّٰ ہوئے اور دوسروں کو مزکیّٰ کرنے کی اجازت پائی، اور اسی طرح کتاب و سنت سے طالبین کو مستفیض کرتے رہے، اور اس قسم کا استفادہ متوارث طور پر چلا آرہا ہے۔" (مقصدِ بیعت ص۲۹ تا ۳۱)

کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ

پیر بن مدّعا نہیں ملتا
خضر بن راستہ نہیں ملتا

شمعِ خاندانِ چشت، جامیٔ دکن حضور سیدنا شاہ کمال دوم (گرم

کنڈہ شریف) فرماتے ہیں۔

ے

خود بخود نیں خدا رسی ممکن
پیر شہمیر راہبر ہونا

(مخفی مبادکہ پیر شہ میر حضرت شاہ کمال دوم صاحبِ "مخزن العرفان" کے سب سے بڑے بھائی اور آپ کے پیر و مرشد اور استادِ شریعت ہیں۔ حضرت پیر شہ میر قدس اللہ سرہ العزیز کا مزارِ پر انوار تلپول (قریب کدری، ضلع اننت پور) میں مرجع خلائق ہے۔) (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے " تذکرۂ حضرت شہ میر اولیاءؒ " از حکیم محمود بخاری) شمعِ خاندان چشت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

ے

مت گزار اوقات پیو کی یاد بِن
مت یہ رہ چل پیر کے ارشاد بِن

لے نکو درسِ کتابِ معرفت
عاشقی کے علم کے استاد بِن

کیوں اڑے طائر ہوا میں بے جناح
کیوں چلے دریا میں کشتی باد بِن

منزلِ مقصد کو پونچا جگ میں کون
رہنمای جامع الاضداد بِن

ان اشعار کے بعد دو شعر ہیں ان کے بعد شاہ کمال دوم فرماتے ہیں کہ

؎

جوں خدا کو پونچنا ممکن نہیں
مرشدِ فیاض کے امداد بِن

ووں ہے ملنا پیر کامل کا محال
طالبِ صادق کو حق کی داد بِن

یعنی فیض بخش پیر کامل کی مدد کے بغیر خدا تک پہنچنا ناممکن ہے اور جس طرح مرشدِ فیاض کے فیضِ صحبت اور اس کی توجہ کے بغیر خدا رسی ناممکن ہے اسی طرح عارفِ واصل شیخِ مربی کا ملنا بھی حق تعالیٰ کے خصوصی کرم کے بغیر نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔

دیوانِ ''مخزن العرفان'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

؎

شہ میر دستگیر کے مفتاح فیض سے
ایوان معرفت کا کئے فتح باب ہم

یعنی شہ میر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کی کنجی سے ہم نے معرفت کے محل کا دروازہ کھولا ہے۔ اس شعر سے بھی ثابت ہوا کہ پیر کامل کا فیض حصولِ معرفت کے لئے نہایت ناگزیر ہے۔

اسی دیوان میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

؎

یہ نکتہ یہ عبارت یہ رمز یہ اشارت
ممکن نہیں سمجھنا جز فیضِ پیرِ کامل

یعنی پیرِ کامل کے فیض کے بغیر اسرار توحید اور حقائق و دقائق کے رازہائے سربستہ سمجھنا ممکن نہیں۔
اسی دیوان میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

؎

مرشدِ صاحب کمال حضرتِ شہ میر سا
ڈھونڈ کے ہو مستفیض گر ہے تجھے حق طلب

دیوانِ مخزن العرفان میں مزید فرماتے ہیں۔

؎

پیر کامل ڈھونڈ کر لے اس سے فیض
تجھ پہ تا ہو حل معما بعدہٗ

اپنے اسی دیوان میں ایک مقام پر حق تعالیٰ کا شکران الفاظ میں بجالاتے ہیں کہ

؎

شکر للہ مرشد کامل کو پایا ہے کمال
جس کا اسمِ با مسمیٰ حضرتِ شہمیر ہے

اہمیت شیخ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

اب تک آپ نے میرے آٹھویں دادا پیر حضرت شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات پڑھے۔ اب عالمِ اسلام کی بے حد مقبول اور بے انتہا معروف شخصیت حضرت مولانا محمد جلال الدین رومی علیہ الرحمہ جو ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ اور ۶۷۲ھ میں بمقام قونیہ وفات پائی۔ جن کی مثنوی کے چھ دفتر تصوف وسلوک کے حقائق ومعارف کی توضیح و تشریح میں اپنا جواب آپ ہیں۔ مولانا رومی جن کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں۔ کی مثنوی کے بارے میں مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

مثنوئ مولوئ معنوی
ہست قرآں درزبانِ پہلوی

اسی مثنوی شریف میں مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ پیر کامل کی صحبت کی اہمیت کو اجاگر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد
او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد

جو شخص بغیر مرشد کے راہ حق کو طے کرتا ہے وہ شیاطین کی گود میں پہنچ کر گمراہ اور چاہ ضلالت میں گرجاتا ہے۔

؎

گر تو بے رہبر فرود آئی براہ
گرہمہ شیری فروافتی بچاہ

اگر تو بے رہبر کے راہ حق میں اُترے گا تو شیر جیسی عالی ہمت ہونے کے باوجود بھی گمراہی کے کنویں میں گر پڑے گا۔

؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید
ہم بعون ہمت مرداں رسید

جس شخص نے نادر طور پر تنہا یہ راستہ قطع بھی کیا ہو تو وہ بھی یقیناً کسی کامل وقت کے غائبانہ توجہ و فیضان ہی سے منزل مقصود تک پہنچا ہوگا۔

؎

کور ہرگز کے تواند رفت راست
بے عصاکش کور را رفتن خطاست

اندھا آدمی کبھی سیدھا راستہ طے نہیں کرسکتا اس لئے بغیر لاٹھی پکڑنے والے راہبر کے کسی اندھے کا چلنا ہی خطا ہے۔

دست پیر از غائباں کو تاہ نیست
دست او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ (اس کی توجہ و فیضان) غائبین تک بھی اثر کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گویا کہ حق تعالیٰ ہی سے بالواسطہ توبہ اور عہد کرنا ہے۔

پیر باشد نرد بان آسماں
تیر پراں از کہ گردد از کماں

پیر آسمان کے لئے یعنی خدا تک پہنچنے کے لئے مثل سیڑھی کے ہے کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ تیر کہیں بدون کمان بھی اڑسکتا ہے۔ تیر اگر قیمتی ہو اور کمان معمولی ہو تب بھی تیر کا کام چل جاوے گا پس اگر مرید عالم اور فقیہہ اور مفسر اور محدث ہو اور شیخ بقدر ضرورت ہی علم دین جانتا ہو مگر اس کی صحبت سے یہ کامل ہوجاوے گا۔ مرغی کے پروں میں مور کا انڈا رکھ دینے سے مور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مرغی کا ممنون تربیت و احسان ہوگا اور اگر خود بینی اور تکبر سے مرغی کے پروں سے یہ مور کا انڈا دور رہے گا تو ہزار سال بھی مردہ ہی رہے گا اور جان نہ آئے گی پس صحبت شیخ سے صحیح زندگی عطا ہوتی ہے۔"

(معارفِ مثنوی حصہ دوم منظومات مثنوی ۴۲۷، ۴۲۸)(تالیف مولانا حکیم محمد اختر

صاحب، ناشر:- کتب خانہ مظہری۔کراچی)

خاصانِ خدا جو خدا کے بندوں کو خدا سے ملانے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم کے اجالوں میں پہنچانے کا کارنامہ انجام دینے والوں کی قیادت کی ذمہ داری اپنی آخری سانس تک بحسن و خوبی نبھاتے ہیں۔ ان خدا مست درویشوں کی شان میں مولانا روم رحمہ اللہ جن کے بارے میں علامہ اقبالؔ نے فرمایا کہ

؎

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب ایک کلیم سر بہ کف

ارشاد فرماتے ہیں کہ

"؎

ماہیان قعر دریائے جلال
بحر شاں آموختہ سحر حلال

یہ دریائے جلال کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں اور حق تعالیٰ کے بحر قرب نے انہیں سحر حلال یعنی کلام مؤثر عطا فرمایا ہے

شیخ نورانی ز رہ آگہہ کند
نور را بالفظہا ہمرہ کند

اللہ والے نورانی مشائخ حق تعالیٰ کے راستہ سے بھی آگاہ کرتے ہیں اور اپنے ارشادات کے الفاظ کے ہمراہ اپنے انوار قلوب بھی شامل کردیتے ہیں۔

کار مرداں روشنی و گرمی ست
کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

مردوں کا کام روشنی و گرمی ہے یعنی سرگرمی عمل ان کا شیوہ ہوتا ہے اور کمینوں کا کام حیلہ و بہانہ سازی اور بے شرمی ہے یعنی مجاہدات سے جان چراتے ہیں۔

از حدیث شیخ جمعیت رسد
تفرقہ آرد دم اہل جسد

اللہ والوں کی باتیں قلب کو سکون عطا کرتی ہیں اور اہل ظاہر کی باتیں دل میں انتشار اور بے اطمینانی پیدا کرتی ہیں۔

چونکہ دست خود بدست او دہی
پس ز دست آکلاں بیروں جہی

اور جس دن تو کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت و توبہ

کرے گا اسی دن گمراہ کرنے والے تمام طبقات اور ان کے نظریات باطلہ اور افکارِ کاسدہ کے دام سے خلاصی پا جاوے گا۔

رہبر راہ طریقت آں بُود
کو باحکام شریعت می رود

طریقت اور سلوک باطنی کا راہبر وہی ہوسکتا ہے جو احکام شریعت کا خود بھی پابند ہو اور طالبین کو اس پابندی کی ہدایت کرتا ہو۔ وہ جہلائے صوفیہ جنہوں نے شریعت اور طریقت کا فرق بیان کرکے شریعت کے جوئے کے بار کو کندھوں سے اتار پھینکا ہے اور خوب حلوے مانڈے اڑا کر اپنی توندیں پھُلا رکھی ہیں مولانا نے اس شعر میں ان کی قلعی کھول دی ہے۔

(معارفِ مثنوی حصہ دوم منظوماتِ مثنوی ص ۴۲۸، ۴۲۹)

حضرت شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دیوان ''مخزن العرفان'' میں فرماتے ہیں

حق داد ہے ولایتِ صوری و معنوی
نیں منحصر بخواجہ و مولا و شیخ و سید

یعنی ولایتِ صوری ہو یا ولایتِ معنوی حق تعالیٰ کی دین ہوا کرتی ہے جسے ربِّ کریم چاہے عطا کرے۔ اس کی بخشش اور

دین یہ نہیں دیکھتی کہ یہ آقا ہے وہ غلام ہے یہ شیخ ہے وہ سید ہے۔ یہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والا ہے لہٰذا ولایت اسکو سونپنی چاہیئے وہ نچلے طبقہ کا آدمی ہے اسلیئے وہ ولایت کا استحقاق نہیں رکھتا۔ سادات ہی کے حصے میں ولایت کی دولت نہیں آئی بلکہ خدائے بے نیاز نے جہاں ساداتِ کرام کو اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے وہاں شیوخ، مغلوں، پٹھانوں اور دیگر ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو بھی اس ابدی سعادت سے نوازا ہے۔ اور اس کے در سے یہ خیرات اسی انداز سے تا قیامِ قیامت بٹتی رہے گی۔ لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکثر اولیائے کرام نسباً سید ہی ہوئے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ آلِ نبی اور اولادِ علی ہیں۔ شاہ کمال دوم ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں

؎

نیں ولایت منحصر اشراف پر
حق کے بل موقوف ہے الطاف پر

ہر رنگ و نسل اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو حق تعالیٰ نے ولایت کا عظیم منصب سونپا ہے۔ اور سونپ کر یہ ثابت کردیا ہے کہ

؎

دادِ حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

"

ان کی بخشش کسی آئین کی پابند نہیں
چاہتے ہیں تو خطاؤں پہ عطا کرتے ہیں

چنانچہ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

"

دست زن در دامن ہر کو ولی ست
خواہ از نسل عمر خواہ از علی ست

جب کسی ولی اللہ سے مناسبت محسوس ہو تو فوراً اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدو اور یہ نہ دیکھو کہ اس کا کیا نسب ہے اور کس خاندان سے ہے۔

گر نباشد در عمل ثابت قدم
چو رہاند خلق را از دست غم

اگر کوئی مرشد خود ہی اعمال میں سست ہوگا تو مخلوق کو غفلت کے غم سے کیسے چھڑا سکتا ہے۔

گر تو گوئی نیست پیرے آشکار
تو طلب کن درہزار اندر ہزار

اگر تو کہتا ہے کہ ہم کو تو کوئی اللہ والا نظر ہی نہیں آتا تو اے شخص تو برابر تلاش جاری رکھ۔

زانکہ گر پیرے نباشد در جہاں
نے زمیں بر جائے ماند نے مکاں

کیونکہ اگر اللہ والے زمین پر نہ ہوتے تو یہ زمین اور یہ کون و مکان بھی اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے تھے یعنی جب اللہ اللہ کرنے والے نہ ہوں گے تو قیامت آجائے گی

دست گیرد بندۂ خاص الٰہ
طالبان را می برد تا پیشگاہ

جب حق تعالیٰ کے خاص بندے طالبین کے ہاتھوں کو پکڑ لیتے ہیں یعنی بیعت کرلیتے ہیں تو اپنی اصلاحات اور ارشادات و صحبت کی برکت سے طالبین کو مولیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔
(معارف مثنوی حصہ دوم منظوماتِ مثنوی ص ۴۳۰)

راقم السطور کے پردادا پیر سرکار غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی حیدرآبادی علیہ الرحمہ اس سوال کے جواب میں کہ دست بہ دست بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تحریر فرماتے ہیں کہ
”یہ ضرورت نسبتِ حق کے استحکام اور فیضانِ قرب کے لئے

خدا اور رسولؐ ہی نے مقرر فرمائی۔ یعنی جو لوگ کہ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے وہ دست بدست ہی کرتے تھے، اس کو حق تعالیٰ نے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے، فرما کر اپنی نسبتِ خصوصی سے سرفراز فرمایا، اور یہ بات اُن لوگوں کو نصیب نہیں ہوئی جنہوں نے دست بدست اِس فیضان کو حاصل نہیں کیا۔

سوال۔ تو کیا کسی عالم متبحّر کو بھی اس کی ضرورت ہے ؟

جواب۔ ہاں اس فیضانِ خصوصی کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے، جب کہ صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دلائی اور انکے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تو اب اوروں کے لئے کس قدر ضرورت باعتبارِ تربیت و برکت ہوئی، توحیدِ حقیقی اور تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب کے لئے ایسے رہبر کا ہونا جس نے مسلسل، متوارث طور پر حضورؐ سے اس کا استفاضہ کیا، ضروری ہے، اور اس سے بڑی چیز یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم کا فیضان، خصوصی اور اہم ہے جس سے کسی صحیح ذی علم اور ذی فہم کو جو کہ دین کی عظمتِ صیحہ کا خیال رکھے، غفلت و لاپرواہی نہیں ہوسکتی، اِس سے محرُوم رہنا بڑے کمالاتِ دین سے محروم رہنا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے بعد اور اب تک کئی بڑے بڑے امام، اولیاءاللہ، علماءباللہ، محققین کرام اس سے مستفیض ہوئے، پُرنُور ہوئے، اور عالم کو مستفیض کیا اور اِس کا عملدرآمد تا ہنوز باقی ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ حشر تک رہے گا۔

(مقصدِ بیعت ص ۳۱، ۳۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے دستِ اقدس پر بیعت کی پھر خلافت کی بیعت لی جانے لگی اس سے بھی بیعت کی برکت اور اس کے فضائل سے اہل اسلام مالا مال ہوتے رہے خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے احکام کی روشنی میں بیعت کی جاتی رہی۔ خلفاء بیعت لینے کے مجاز ظاہری و باطنی تھے۔ اسطرح بیعت کا فیضان مسلسل جاری رہا۔ اس گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ بیعتِ مروّجہ (بیعتِ طریقت) کے انوار و برکات بیعتِ خلافت کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔ اگرچہ جس زمانے میں بظاہر بیعتِ خلافت رائج تھی اس زمانے میں بیعتِ طریقت و سلوک کا وجود نظر نہیں آتا پھر خلفاء کے اس دور کے بعد جبکہ بیعتِ خلافت موقوف ہوگئی، بیعتِ طریقت کا رواج شروع ہوگیا۔ الغرض جو بیعت پیری مریدی کا رکنِ اعظم مانی جاتی ہے وہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک عہد سے لے کر آج تک مختلف انداز میں جاری ہے۔ اور انشاء اللہ صبح قیامت تک اس کا تسلسل برقرار رہے گا۔ رہا اسلامی تصوف تو تاریخ عالم و آدم کا کوئی دور اس کے مقدس وجود سے خالی نہیں رہا۔ کیونکہ تصوف وسلوک تو تمام انبیاء و صدیقین کے اعمال و احوال کا دوسرا نام ہے۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدّین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۶۶۱ھ تا سنہ ۷۸۲ھ) کا فرمان ہے۔

”معلوم ہو کہ راہ تصوف قدیم ہے اور انبیا و صدیقین کے

اعمال بھی یہی ہیں۔ اس زمانہ میں چونکہ برائی کا غلبہ ہے اس لئے صوفیوں کا حال بھی لوگوں کی نگاہ میں زشت دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ یہ راہ محبت کی راہ ہے۔"

(مقدمہ انتخاب مکتوبات صدی حصہ اول ص ۱۶ از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیریؒ۔ ترجمہ و حواشی۔ ڈاکٹر سید شاہ امام الدین فردوسی)

انگلستان کے ایک دانشور پروفیسر ایچ۔اے۔آر۔گب (H.A.R.GIBBS) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی مجلس میں یہ تقریر کی۔

"تاریخِ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔" (مقدمہ، انتخاب مکتوبات صدی (حصہ اول) ص ۱۷ از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیریؒ۔ ترجمہ وحواشی ڈاکٹر سید شاہ امام الدین فردوسی)

علاماتِ شیخِ کامل

کنزالعرفان ابوالایقان سرکار غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی قدس سرہٗ کی یہ موقر تحریر ضرور حق پسند حضرات کا مرکز توجہ بنے گی، فرماتے ہیں

" شیخ کامل و مجاز وہ ہے جو کہ کم ازکم علمِ دین میں عقائدِ صحیحہ

و کتاب و سنّت کے ضروری مسایل سے واقف ہو اور بدعاتِ سیّئہ سے مجتنب اور اعمالِ سیّئہ سے محفوظ ہو۔ اعمالِ صالحہ و اوامر ونواہی کا پابند ہو؛ تعبّدِ الٰہیہ و تعظیمِ اولیاءاللہ و علمائے باللہ۔ بجا لاتا ہو۔ گستاخ و بے ادب نہ ہو۔ برادرانِ طریق اور اپنے مریدین ومعتقدین کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ حُبِّ شیوخ و حب اللہ و حُبّ رسول اللہ سے مستفیض ہو، ریا اور توجہ بغیر حق سے محفوظ ہو اور کسی شیخِ مجاز سے بیعت کر کے دین اور بصیرۃِ دین تعلیماً، تربیتاً حاصل کیا ہو اور ایک مدت تک شیخِ کامل کی صحبت میں فیضانِ تربیت و صحبت حاصل کیا ہو۔ متوکل علی اللہ، کم ازکم ترکِ نظر اسباب کرچکا ہو۔ اہلِ سنّت سے ہو۔ فضولیات اور ہزلیات سے پرہیز رکھتا ہو۔ حلیم و باوقار ہو۔

"چونکہ بدون علامات تلاش ممکن نہیں اس لئے اس مقام پر شیخِ کامل کے شرایط و علامات مرقوم ہوتے ہیں۔ اوّل علمِ شریعت سے بقدرِ ضرورت واقف ہو خواہ تحصیل سے خواہ صحبت علماء سے تا فسادِ عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالب علم کو بھی محفوظ رکھ سکے۔ ورنہ مصداق "او خویشتن گم است کرا رہبری کند" کا ہوگا۔ دوم متّقی ہو یعنی ارتکاب کبائر و اصرار علی الصغائر سے بچتا ہو۔ سوم تارک الدنیا [1]، راغب آخرت ہو۔ ظاہری و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو ورنہ طالب کے قلب پر بُرا اثر پڑے گا۔ چہارم مُریدوں کا خیال رکھے کہ کوئی امر ان سے خلافِ شریعت وطریقت

---

[1] یعنی اسبابِ دنیا میں ایسا مبتلا نہ ہو جس سے حق سے غفلت ہو جائے۔

ہو جائے تو ان کو متنبہ کرے۔ پنجم یہ کہ بزرگوں کی صحبت اُٹھائی ہو، ان سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ اس سے کرامات و خوارق بھی ظاہر ہوتے ہوں نہ یہ ضرور ہے کہ تارکِ کسب ہو۔ البتہ دنیا کا حریص و طامع نہ ہو، اتنا کافی ہے۔" (ازقول الجمیل) تعلیم الدین ص ۲۷

انتباہ۔ بعض لوگ بے سمجھی سے، مجذوبوں کے گمان میں بناوٹی لوگوں کو کامل سمجھ بیٹھتے ہیں اور علاماتِ بزرگی ان کے پاس، پہاڑوں، جنگلوں میں رہنا، ان کو بیوی نہ ہونا، یا ہو بھی تو دو تین نہ ہونا، تعلّقاتِ زن و شو نہ ہونا، قبرستان میں رہنا، بحالتِ عسرت و تنگی رہنا، ف، سے فاقہ رہنا، ق، سے قناعتِ محضہ کرنا، ی سے یاد اللہ ہی میں رہنا، (دیگر امور معاش نہ کرنا) ر، سے ریاضتِ شاقہ کرتے رہنا، منہ کا روزہ بات کا روزہ رکھنا، کپڑے میلے رکھنا، داڑھی پر منہ پر تھوک لینا، نیم کے پتے کھانا، نماز نہ پڑھنا، دیوانی چالیں کرنا، کچھ ایسے ویسے اشارے کرنا، عقل ٹھکانے نہ رکھنا۔ غرض اسی قسم کی فضول باتیں ہوں تو لوگ ان کو کامل اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہ بہت بڑی نادانی ہے۔

آنکہ گویند اولیاء در کُہ روند
کُہ چہ باشد بر فرازِ صد کُہ اند

(لوگ کہتے ہیں اولیاء پہاڑوں میں رہتے ہیں، پہاڑ کیا چیز ہے

وہ سو پہاڑ کی بلندی سے بھی بلند مرتبہ ہیں) (مقصدِ بیعت ص ۵۰،۵۱،۵۲)

فاقہ کشی کوئی فرض واجب یا سنتِ مؤکدہ امر نہیں ہے اپنے شرائط کے ساتھ ایک اچھائی ضرور ہے۔ لیکن اس کی بھی ایک حد ہے اگر حد سے بڑھ جائے تو یقیناً تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے سدّ راہ ثابت ہو۔ قناعت فی نفسہٖ بہت اچھا وصف ہے بشرطیکہ حدِّ اعتدال میں رہے۔ یادِ الٰہی یہ نہیں ہے کہ انسان کسبِ حلال کو بغیر کسی معقول وجہ کے ترک کردے۔ کسبِ حلال پر قدرت رکھنے کے باوجود اُسے ترک کر کے بہت سے فرائض و واجبات اور مسنون امور پر عمل درآمد نہ کرنے کی وجہ سے معاصی کا ارتکاب کرنے والوں میں شامل ہونا نہ عقلاً کوئی پسندیدہ رویّہ ہے نہ شرعاً کوئی مستحسن قدم ہے۔ اعتدال پسندی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (تمام کاموں میں بہترین کام وہ ہے جو حدِّ اعتدال سے تجاوز نہ کرے) کا زرّین اصول اسلام ہی نے پیش کیا۔ اور اس آفاقی مقبولیت کے حامل پیغام کو اسلام ہی آج تک تحفظ بھی فراہم کرتا چلا آرہا ہے۔ قرآنی تصوف نے ہمیشہ اعتدال پسندی کی اہمیت کی ترجمانی کے فرائض انجام دئے ہیں۔

شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ تو اعتدال پسندی کو تصوف و سلوک اور حکمت و معرفت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

؎

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا کر
وارد خبر ہے یاں باش آگاہ

" مخزن العرفان " میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ نہ بندہ مجبورِ محض ہے نہ مختارِ محض ہے۔ جس طرح کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلٰکِنَّ الْاَمْرَ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ (یعنی بندہ نہ مجبور محض ہے نہ مختار محض ہے ان دونوں راستوں کے درمیان ایک درمیانی راہ ہے۔ جس کے برحق ہونے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں) بندہ کو مجبورِ محض سمجھنا جبریہ نامی گمراہ فرقہ کی پیداوار ہے۔ اور بندہ کو مختارِ محض ماننا قدریہ نام کے گمراہ ٹولے کی خلافِ کتاب و سنت طرزِ فکر کی دین ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کا اسلامی پاکیزہ تعلیمات کے اعتدال پسند پیغام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جبر تفریط اور قدر اِفراط
مذہبِ معتدل تسنّن ہے

اہل سنت و جماعت نہ بندہ کو مجبورِ محض قرار دیتے ہیں نہ اُسے مختارِ محض گردانتے ہیں۔ یہ معتدل مذہب ہے یہی سنّیت ہے۔
اور ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں

دور رہ افراط اور تفریط سے
بیگہ و گہ رکھ نظر امرِ وَسَط

جبر و قدر ہی کے مسئلہ پر موقوف نہیں اسلام کے نزدیک زندگی اور بندگی کا کمال، اعتدال سے عبارت ہے۔ دین متین کا ماننا ہے کہ حیات و کائنات کی بقا اور استحکام کا راز میانہ روی اور اعتدال پسندی میں پوشیدہ ہے۔ پیر آمر کلیمی شاہ کا رنگِ تصوف تو سراسر اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔ اور یہی حال تاریخ کے ہر دور میں ہر اس مردِ حق آگاہ کا رہا ہے جو تصوف سمیت تمام اسلامی بلند قدروں کا نمائندہ اور محافظ قرار دیا گیا۔ مگر وائے افسوس کہ تصوف کو بعض لوگ انتہا پسندی، تشدد اور غیر سنجیدہ ذہنیت کا سب سے بڑا نقیب سمجھتے ہیں۔ جائے حیرت ہے کہ سطحی جذباتیت، ناعاقبت اندیشی، حقائق سے چشم پوشی غیر اطمینان بخش تجربہ جیسے عناصر کو ایسے افراد تصوف کے اجزائے ترکیبی مانتے ہیں حالانکہ حقیقی تصوف تو قرآن و سنت کی تعلیمات کی منہ بولتی تصویر ہے۔

آمدم بر سرِ مطلب اب ہم اس مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ غائبانہ بیعت درست ہے یا نہیں؟

☆☆☆☆☆

بیعتِ غائبانہ

کنز العرفان ابوالایقان سرکار غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی حیدرآبادی نَوَّرَاللّٰہُ مَرقَدَہٗ کی کتاب مستطاب "مقصد بیعت" میں اس کا جواز حسبِ ذیل الفاظ میں مرقوم ہے۔

"عَنِ ابنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَعنِی قَامَ یَومَ بَدرٍ فَقَالَ اِنَّ عُثمَانَ اِنطَلَقَ فِی حَاجَۃِ اللّٰہِ وَ حَاجَۃِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ وَاِنِّی اُبَایِعُ لَہٗ۔ (اَخرَجَہٗ ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر، کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ و رسول کے کام میں گئے ہوئے ہیں، ان کے لئے میں بیعت کرتا ہوں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ (تیسیر ص ۱۰۲)

" بزرگوں میں یہ رسم شایع ہے کہ اگر طالب بدون حاضری خدمتِ شیخ کے درخواست بیعت کی کرے تو غائبانہ اس کی بیعت قبول کرلیتے ہیں۔ یہ حدیثِ غائبانہ صریح ہے کہ حضرت عثمانؓ حاضر نہ تھے مگر اُن کی رضا و رغبت کی وجہ سے ان کو بیعت فرما لیا گیا، اور گو یہ بیعت قتال کی تھی لیکن اقسامِ بیعت میں اس امر میں فرق کا کوئی قایل نہیں اور یہ غائب ہونا بوجہ علالت مزاج

صاحبزادی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم بضرورت ان کی تیمارداری کے تھا جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں۔" (التکشف ص ۳۵۰) (مقصد بیعت ص ۴۱، ۴۲)

بیعتِ غیر صحیحہ

ہر کام کی تکمیل اس کے شرائط کے ساتھ ہی ممکن ہوتی ہے۔ بیعت کے بھی کچھ شرائط ہیں اگر بیعت میں وہ مفقود ہوں تو ایسی بیعت برائے نام ہوگی۔ کنزالعرفان ابوالایقان پیر و مرشد مولانا الحاج غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان "بیعتِ غیر صحیحہ" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۔ خواب میں کسی بزرگ سے بیعت کرنا۔ اگرچہ اس سے فیض ہوتا ہے لیکن یہ متعدی نہیں کرسکتے۔ نہ نسبت حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔ کسی بزرگ کی قبر پر ہاتھ پھیر کر سمجھنا کہ بیعت کرلی گئی ہے۔

۳۔ کسی اِنتقال شدہ اولیاء سے منتخب کرکے خود کو ان کا مرید سمجھ لینا اور زندہ شیخ سے بیعت نہ کرنا۔

۴۔ مردوں یا عورتوں کا مستورات سے کسی عورتِ صالحہ سے بیعت کرنا۔

۵۔ کسی خورد سال یا نابالغ لڑکے سے بیعت کرنا۔ اگرچہ وہ کسی شیخ کی اولاد سے ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ قرآن سے بیعت کرنا یا اس طرح بیعتِ قرآن کے قایل ہونا۔" (مقصدِ بیعت ص ۸۱، ۸۲)

سیدی پیر و مرشد مولانا الحاج غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی قدس سرہ العزیز اپنی کتاب مستطاب "مقصدِ بیعت" میں تحریر فرماتے ہیں۔

شیخِ ناقص جو مجازِ بیعت نہیں ہوسکتا

"۱۔ جس کے عقاید اہل سنت و الجماعت کے نہوں اور جو اعمالِ صالحہ کا پابند نہو۔

۲۔ جس نے کسی شیخ مجاز سے اجازت، بیعت لینے کی حاصِل نہ کی ہو، اگرچہ کہ وہ اس کا مرید ہو۔

۳۔ صاحبِ الحاد جو کہ خلق کو حق اور حق کو خلق ذاتاً ٹھہراتا ہو۔

۴۔ جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب علانیہ کرتا ہو اور تارک الصلوٰۃ اور شراب و دیگر منشیات کا مرتکب ہو۔

۵۔ عقاید و اعمال میں بدعاتِ سیّیہ کا مرتکب ہو۔

۶۔ مشاہیر اولیاء اللہ اور امامانِ شریعت اور علمائے کرام، محققینِ صوفیا پر بے جا معترض ہو۔

۷۔ اور جو اہلِ زندقہ ہو، یعنی فرقِ مراتب نہ کرتا ہو۔

ان امور کا اگر کوئی مرتکب ہو تو اس سے بیعت صحیح نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی نے غلطی سے یا لاعلمی سے بیعت کرلی ہو تو بلا وقفہ توڑدے ورنہ گنہگار ہوگا اور محرومِ فیض۔" (مقصدِ بیعت ص۸۲،۸۳)

واضح باد کہ جو شخص صحیح معنوں میں پیرطریقت کہلانے کا مستحق ہوتا ہے وہ کبائر تو کبائر صغائر سے بھی ہمیشہ دور رہتا ہے اگر معاذ اللہ کوئی خلافِ شرع حرکت سرزد ہوجائے۔ (اور ایسا بہت نادر ہی ہوتا ہے) تو فوراً بہت پشیمان ہوکر بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کرتا ہے۔

سچے اہل طریقت خدا کی نافرمانی کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ ان کی مرضی ان کے خالق کی مرضی میں فنا ہو جاتی ہے۔ وہ وہی چاہتے ہیں جو ان کا مولیٰ چاہتا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور وہ رنگینیاں جن رنگ رلیوں پر ابھارتی ہیں ان سے بہت دور و نفور ہوتے ہیں۔ خدا کی عبادت اور اس کی دائمی اطاعت گذاری ان کی روح کو خوراک فراہم کرتی ہے۔ خدا کا ذکر اور اس کا مشاہدہ ان کی زندگی کے چمن کی آبیاری کرتا ہے۔ ربّ کائنات کی لازوال محبت کی چاشنی اور اس سے انس اور دل بستگی کا ابدی نشہ ہی انکا سرمایۂ حیات ہوتا ہے۔ انکا رُواں رُواں زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ

دُنیا تُخادِعُنِی کَاَنِّی لَستُ اَعرِفُ حالَھَا
مَدَّتْ اِلَیَّ یَمِینَھَا فَقَطَعتُھَا وَشِمَالَھَا

مَنَعَ الْاِلٰـهُ حَرَامَهَا فَاَنَا اجْتَنَبْتُ حَلَالَهَا
وَرَاَیْتُهَا مُحْتَاجَةً فَوَهَبْتُ جُمْلَتَهَا لَهَا

ترجمہ:- دنیا مجھے دھوکا دے رہی ہے گویا میں اسکا حال نہیں جانتا اس نے میری طرف اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا تو میں نے اُس کا دایاں اور بایاں دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو دنیا میں پائی جانے والی حرام چیزوں سے روکا میں نے اُس کی کئی حلال اشیاء سے بھی اجتناب کیا۔ اور میں نے دنیا کو خود محتاج پایا تو میں نے پوری دنیا دنیا ہی کو دے ڈالی۔

(مخفی مباد کہ اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال جانتے ہوئے بعض وجوہات کی بناء پر ان کو استعمال نہ کرنا ناجائز نہیں ہاں حلال چیز کو حرام ماننا ضرور حرام اور منافی اسلام ہے) (رضاء الحق آمری)

برکاتِ بیعت

بیعتِ طریقت جس کا استحباب اور سنّیت اور جسکی اہمیت اور افادیت زیرِ نظر کتاب کا موضوع ہے۔ اس کے برکات کے بارے میں سیدی پیر غوثی شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

" فیضانِ نسبت و توجّہ مقبولین و مقرّبین و وسیلہء اولیاء عظام و ذاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و نسبتِ الٰہیہ مولیٰ تعالیٰ باعتبارِ دین

و باعتبارِ دُنیا، اور امورِ قبیحہ سے اِجتناب پیدا ہونا اور تعلقِ حُبّ خدا و رسولؐ جو کہ حُبّ اولیاء اللہ سے پیدا ہوتا ہے، حاصِل ہوتے ہیں۔"

(مقصدِ بیعت ص ۴۲)

یعنی بیعت کی وجہ سے حق تعالیٰ کے مقبولِ بارگاہ اور مقرّب بندوں کی نسبت کا فیضان حاصل ہوتا ہے اولیاءِ عظام اور سرکار اقدس کی ذاتِ گرامی صفات (علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التحیات) کا وسیلہ ہاتھ آتا ہے۔ اور دین و دنیا میں حق تعالیٰ کی خصوصی نسبت کا فیض نصیب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام برائیوں اور گھناؤنے کاموں سے اجتناب اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت اور وارفتگی کی عظیم دولت مرید کے حصہ میں آتی ہے۔ یہ عظیم نعمت اولیاءاللہ کی سچی محبت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔

غرضکہ بیعت کے نتیجہ میں پیرِ کامل ملا اور اس کی وجہ رسولِ خدا ملے اور خدا بھی مل گیا۔ اور مَن لَہُ المَولٰی فَلَہُ الکُلّ یعنی جس کا رب اس کا سب، اس مقام پر پہنچ کر مرید بےساختہ کہہ اٹھتا ہے۔

دنیا سلام کرتی ہے حیرت کی بات ہے
میں کچھ نہیں ہوں سب تری نسبت کی بات ہے

پیر آمر کلیمی شاہ دامت برکاتہم فرماتے ہیں

مجھے اک ولی سے علی ملے جو علی ملے تو نبی ملے
جو نبی ملے تو خدا ملا یہی فیضِ شاہِ حجاز ہے

بے فکر جی رہا ہوں ہر اک اعتبار سے
نسبت بھی کیسی چیز ہے دامانِ یار سے

(حضرت سید شیخن احمد کاملؔ شطاری حیدرآبادی رحمہ اللہ)

اللہ اللہ! کہاں ذرۂ بے مقدار اور کہاں خورشید پر انوار، کہاں بندۂ حادث اور کہاں خدائے قدیم، کہاں ممکن کا نیاز اور کہاں واجب کی بے نیازی، کہاں عبد کا تقید اور تحدّد اور کہاں رب کی شانِ اطلاق، اس کے باوجود وہ بادشاہِ حقیقی اعلان فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْافِیْنَالَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَاوَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ○

(القرآن)

اور جو (بلند ہمت) مصروفِ جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے۔

رب عَزَّ اِسمُہٗ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ وہ خود اپنے بندوں کو اپنے قرب سے نوازنا چاہتا ہے۔ اور اس نے یہ بھی فرما

دیا کہ جن مسافروں نے اس کی بارگاہ کو اپنی منزلِ مقصود ٹھہرا لیا ہے، ان کی رہبری وہ خود فرمائے گا۔ اور اس مبارک سفر کے دوران بھی اس کے قرب سے یہ لوگ مالامال ہوں گے۔

ایک حدیثِ قدسی میں رب العالمین جل جلالہٗ وعم نوالہٗ ارشاد فرماتا ہے۔ (وہ حدیث درج ذیل ہے)

" عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال النبی صلی الله عليه وسلم يقول الله تعالیٰ: انا عند ظن عبدی بی وأنا معه إذا ذكرنی فإن ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی وإن ذكرنی فی ملأ ذكرته فی ملأ خير منهم وإن تقرب إلی شبرا تقربت إليه ذراعا وإن تقرب إلی ذراعا تقربت إليه باعا وإن أتانی يمشی أتيته هرولة۔

" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا خیال رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (ذکر خفی) کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر (ذکر خفی) کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر (ذکر جلی) کرے تو میں اسکی جماعت سے بہتر جماعت میں اسکا ذکر (ذکر جلی) کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دو بازؤوں کے برابر اس کے نزدیک ہوجاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی

طرف دوڑ کر آتا ہوں۔" (۱) بخاری، الصحیح،۶: ۲۶۹۴، ۲۶۹۴، رقم: ۶۹۷۰ (۲) ابونعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء،۹: ۲۷ (۳) منذری، الترغیب والترھیب،۲: ۲۵۲، رقم: ۲۲۸۶ (۴) صنعانی، سبل السلام،۴: ۲۱۳ (۵) عسقلانی، فتح الباری،۱۱: ۲۰۹۔ (الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۴۹)

اس کے قرب کی منزلِ مقصود کو پانے کی غرض سے جو سفر کا آغاز کرتا ہے اُس خوش بخت فرزندِ آدم کی فیروز بختی کا کیا ٹھکانہ! بندۂ مومن جس قدر خدا سے قریب ہونے میں تیز گامی کا مظاہرہ کرتا ہے اُس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ خدا کا قرب اور اُس کی خوشنودی اُسکے قریب آنے کا ثبوت دیتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

؎

گرچہ خردیم نسبتے است بزرگ
ذرّۂ آفتابِ تا بانیم

(گو ہم بہت چھوٹے ہیں مگر بہت بڑی نسبت رکھتے ہیں ہم ذرّے ضرور ہیں مگر ہم میں اور آفتابِ عالم تاب میں قطعی اور یقینی طور پر ایک گہرا اور اٹوٹ رشتہ پایا جاتا ہے۔)

یہی رشتہ انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جس کی وجہ سے مسافر کے منزل پر پہنچنے سے پہلے منزل مسافر کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ کاملؔ حیدرآبادی علیہ الرحمہ نے کس سچے جذبے کو شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ے
کون بیٹھا ہے اب اندیشۂ فردا لیکر
مطمئن ہوں تری نسبت کا سہارا لیکر

ان کا یہ شعر بھی نسبت کے حوالے سے داد وتحسین کا حقدار ہے۔ کہتے ہیں:

ے
کیا چیز ہے نسبت کوئی پوچھے مرے جی سے
مرتا ہوں اسی کے لئے جیتا ہوں اسی سے

طریقۂ بیعت

"اگر مرد ہوں تو دست بدست بیعت کی جاتی ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا تھا اور ہر ایک نے اپنا ہاتھ حضورؐ کے ہاتھ میں دے کر لڑنے، مرنے کا اقرار کیا جس کی صراحت قرآن کریم نے معہ فضایل کردی

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَا یِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ج فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ج وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهُ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجراً عَظِیْماً ○ (پ ۲۶ الفتح ع ۱)

تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپؐ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی

قول توڑے سو قول توڑتا ہے اوپر جان اپنی کے جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا۔

یہ کہ رسولؐ کی بیعت حق تعالیٰ ہی کی بیعت ہے۔
(چونکہ دست بدست بیعت تھی) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔
اس بیعت کا توڑنا، خود کی ذات کا توڑنا ہے۔
اس کا پورا کرنا قریب ہی میں اجر عظیم کا باعث ہے۔
یہ معاہدہ اگرچہ رسولؐ سے ہے لیکن درحقیقت اللہ ہی سے ہے۔
اگرچہ یہ بیعت الرضوان اور لڑنے مرنے کی بیعت تھی لیکن بیعتِ طریقت کی بھی یہی اصلیّت ہے۔ اس کا طریقہ بھی یہی تھا۔
چنانچہ اس بیعت کا حال سن کر عورتوں میں بھی حصولِ فضایل کا شوق پیدا ہوا، جوق در جوق حاضر ہوئیں اور وہ مومنات تھیں۔

يٰا اَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ......الخ

ان کا وہی مقصد ہے جو مردوں کی بیعت میں گذرا۔ چنانچہ اِسی مقصد کے تحت بیعت لینے کا حکم بھی حق تعالیٰ نے دیا اور یہی مقصد بعدِ ایمان، عورتوں اور مردوں کی بیعت کا ٹھہرا۔"

(مقصدِ بیعت ص ۵۵، ۵۶)

بیعت کے ضروری ہونے اور پیر کے کامل ہونے کے بعض خودساختہ پیمانے

بعض لوگ جوانی کی بیعت کی افادیت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بیعت صرف مردوں کا کام ہے۔ عورتوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کے بے بنیاد افکار و نظریات کی تردید فرماتے ہوئے کنزالعرفان علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

"یہ خیال کہ نوجوانی میں بیعت کرنا نہیں چاہئے، قریبِ موت یا زیادہ عمر کے بعد، مردوں کو بیعت چاہئے، عورتوں کو نہیں، جس شیخ سے باپ دادے مرید ہوتے آئے ہیں۔ انہیں سے ہی کرنا چاہئے لازم نہیں۔ ہاں اگر وہ شیخ کامل ہو اور قلب رجوع کرے تو مضائقہ نہیں۔ تعویذ اور فلیتوں کے لئے بیعت کرنا، کشفِ قبور کے لئے بیعت کرنا، اولاد کے لئے یا دفعِ مشکلات کے لئے، حصول و وسعتِ رزق، دفعِ آسیب کے لئے صحیح نہیں۔"

یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں کہ بیعت کرنے سے کوئی گناہ، گناہ نہیں رہتا، اُس کا مرشد ضامن ہے، مرشد ہمیشہ حاضر و غایب دیکھتا رہتا ہے، مرشد ہر وقت جو چاہے کرسکتا ہے، مرشد کو سب معلوم ہے، مرشد معصوم ہے۔" (مقصدِ بیعت ص ۵۷)

مرشد معصوم نہیں ہوتا۔ ہاں حق تعالیٰ کے کرم سے وہ گناہوں سے مجتنب رہتا ہے۔ بیعت کے بعد آدمی اگر خدانخواستہ کوئی گناہ

کر بیٹھے تو اُسے اپنے گناہ کو گناہ ہی قرار دینا چاہئے اور فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ بیعت کے بعد گناہ کرنے کی شریعتِ مقدسہ نے (معاذ اللہ) چھوٹ نہیں دے رکھی ہے۔ اپنے گناہ کا پیر کو ضامن قرار دینا بھی بالکل منافی شریعت اور مخالفِ طریقت ذہنیت ہے۔ بیعت کے سلسلہ میں ایسے مضحکہ خیز مفروضوں کو اپنانے سے حد درجہ پرہیز کرنا چاہئے۔ ہر وہ فکری رویّہ جسے قرآن و سنت اور سوادِ اعظم کی تائید حاصل نہ ہو گمراہی اور شیطنت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔

طریقۂ بیعتِ خواتین

پیر اپنے ہاتھ میں کپڑے کا ایک کنارہ پکڑے اور دوسرا کنارہ مرید ہونے والی خاتون پکڑے پھر پیر بیعت کرنے والی خاتون سے عہد لے۔ صرف زبانی عہد لینا بھی درست ہے۔ عورت کا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر مرید کرنا درست نہیں۔ نامحرم عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے اپنے مریدوں میں داخل کرنے والا پیر خلافِ شرع امر کا ارتکاب کرتا ہے۔

سلوکِ مطلق کی اہمیت کا انکار فیض سے محرومی ہے

سلوکِ مطلق سلوکِ برقی ہے۔ اس کو سلوکِ برقی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سلوک میں سالک نہایت برق رفتاری کے ساتھ قربِ حق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی مقامِ بے نشاں کا ذکر جامیٔ دکن حضرت شاہ کمال دوم قدس سرہ العزیز نے اپنے درجِ ذیل شعر میں فرمایا ہے۔

ے

اک مقامِ قرب ہے جو بے نشاں
مــا بقی سب راہ و منزل نیں سو نیں

اسی کو سالکینِ راہِ طریقت کی منزلِ مقصود کہیئے۔ سلوکِ مطلق (جو علم و عرفان کے ذریعہ طے کیا جاتا ہے) سالک کو چشم زدن میں اس منزل کی فردوس بداماں فضاؤں میں پہنچا دیتا ہے۔ اسی سلوک کی شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ حق تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔

ے

اک قدم رہ سے پونچنے تجھ تک
برقِ خاطف کی چال دے یارب

آمین یارب العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الطیبین و اصحابہ اجمعین

علم و عرفان پیرِ کامل عارفِ واصل کی صحبت میں رہ کر اس کے ارشادات کو بغور سننے اور ان کو سمجھنے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ سیدی کنزالعرفان ابوالایقان پیر و مرشد غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"بعض نادان اور گستاخ، مرید یا خلیفہ، سلوکِ مطلق کی اہمیت کو نہ سمجھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ شیخ کو صرف علم حاصل ہے، روحانیت نہیں کیونکہ وہ روحانیت ریاضات وغیرہ کو سمجھتا ہے، حالانکہ وہ بمقابل علمِ صحیح کے ادنیٰ ہے، گستاخی ہے۔ اگر اس سے تایب نہ ہو تو وہ اپنے مرتبہ سے گرجائے گا۔ اسی طرح بعض مراقی تعلیم سلوکِ مطلق کے بعد نا سمجھی سے، سلوکِ مقید پر چلنے کے لئے کسی اور شیخ سے بیعت کا خیال کرتے ہیں وہ بھی محرومِ فیضانِ خصوصی ہوجاتے ہیں بلکہ قلبی خرابی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور بعض نادان سلوکِ مقید کی کہیں سے اجازت لے لیتے ہیں اور تعلیم، سلوکِ مطلق کی دینے لگتے ہیں اور شیخ کی تنقیص کرتے ہیں۔ اگر ان کو شیخ سلوکِ مطلق رد نہ کرے تو بھی یہ لوگ محرومِ فیض رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان سے فیض جاری نہیں ہوتا۔ (مقصدِ بیعت ص ٦٦)

آج کل یہ وبا بہت پھیلی ہوئی ہے۔ پندرہویں صدی کا مرید قالِ صحیح (علم و عرفان جو شیخ کے ارشادات کی روشنی میں حاصل کیا جاتا ہے) کی اہمیت کا منکر ہے۔

ڈاکٹر میرولی الدین صاحب منشی فاضل، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) اپنی بے نظیر تصنیف ''قرآن اور تصوف'' میں لکھتے ہیں کہ

'' ہمارے نزدیک قال کی اہمیت کچھ کم نہیں۔ قالِ صحیح ہی سے عرفان کا حصول ممکن ہے، قالِ صحیح ہی سے ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم فقیر ہیں، ملک و حکومت، افعال، صفات و وجود اصالۃً ہمارے لئے نہیں۔ فقر کے امتیاز سے ہمیں '' امانت '' کا امتیاز حاصل ہوتا ہے، فقر و امانت کے اعتبارات کے جاننے سے ''سبحان اللّٰه و ما انا من المشرکین'' کا جو بصیرتِ محمدؐیہ ہے بروئے قرآن تحقق ہوجاتا ہے، یعنی حق تعالیٰ کی چیزوں کو ہم اپنے لئے ثابت نہیں کرتے اور اس طرح شرک سے بچ جاتے ہیں اور اپنی چیزوں (ذاتیات، صفات عدمیہ و ناقصہ) کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں کرتے کہ ان کی تنزیہہ متاثر ہو اور کفر لازم آئے، حق تعالیٰ کی چیزوں کو حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کرتے ہیں اور توحیدِ اصلی کے قائل ہوتے ہیں۔ فقر و امانت کے نتیجے کے طور پر ہم کو خلافت و ولایت حاصل ہوتی ہے، جب ہم اماناتِ الٰہیہ کا استعمال کائنات کے مقابلہ میں کرتے ہیں تو ''خلیفۃ اللّٰہ'' کہلاتے ہیں اور جب حق تعالیٰ کےمقابلہ میں کرتے ہیں تو ''ولی اللّٰہ'' قال ہی کے ذریعہ ہمیں عبداللّٰہ کی حقیقی شان کا علم حاصل ہوتا ہے! کیا اس علم کی اہمیت کچھ کم ہے؟

(قرآن اور تصوف ص ۱۷۲، ۱۷۳)

واضح باد کہ ہمارے سلسلہ میں قالِ صحیح کی بڑی اہمیت ہے۔

جو سلوکِ مطلق میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم اشغالِ مقیدہ اور دیگر ریاضات و مجاہدات کے منکر نہیں بلکہ سلوکِ مطلق کے معاون ہونے کی وجہ سے ان کے ناگزیر ہونے کے قائل ہیں۔ باایں ہمہ ہمارے نزدیک یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ سلوکِ مطلق کو اشغالِ مقیدہ اور اس قسم کی ریاضتوں پر برتری حاصل ہے حضرت میر حیات میسوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہء حضرت جامئ دکن شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں۔

بعضے لوگاں شغل کو کہتے سلوک
راہ یہ نیں ہے سراپا اس میں چوک

نیں مریداں پہنچے ان کی سیر کو
نیں گیا سو کیوں لے جاوے غیر کو

مرید کامحروم یا خارج از سلسلہ ہوجانا

" اس کے دو اعتبار ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خود اپنے شیخ سے پھر جائے اور بدعقیدہ و گستاخ ہوجائے، دوسرے یہ کہ شیخ اس کے اعمال و عقائد اور نافرمانی و بغاوت کی وجہ ناخوش ہوجائے۔ ان صورتوں میں مرید فیضِ طریقت سے محروم اور مسترد ہوجاتا ہے۔"
(مقصدِ بیعت ص ۸۲)

سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی نصیحت

حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقّی علیہ الرحمہ اپنی عدیم النظیر تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ الاکبر قدس سرہُ الاطہر نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرشد کامل کی رہبری پر عمل نہیں کرتا اگرچہ معمولی طور بھی ان کے کسی امر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو سمجھو ابھی وُہ اپنے نفس کی خواہشات میں گرفتار ہے اگرچہ وہ اس طرح زندگی بھر مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے بلکہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا ہے اس کے آگے کالمیّت (مُردہ ہوکر) زندگی بسر کرے اور حتی الامکان اپنے مرشد کی خدمت اور عزت و عظمت میں کمی نہ کرے اور خود کو اُن کے ہاتھ گیند کی طرح سمجھے کہ وہ جس طرح چاہیں مرید میں تصرف کریں۔ اس میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے جسے یہ طریق کار نصیب ہو وہ یقین کرے کہ زندگی سعادت سے بسر ہوگی۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم کرے جس کا وہ حکم دیں اسے بجالائے جس سے روکیں اس سے رُک جائے (یہاں تک کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ آگ میں چھلانگ لگانے کا بھی حکم دے دیں تو ذرہ بھر گریز نہ کرے)۔

اگر وہ کسی ہنر کے سیکھنے کا امر فرمائیں تو اُس ہنر کو اس ارادہ پر سیکھے کہ مرشد کا حکم ہے اس میں اپنے ارادہ کو دخیل نہ بنائے اگر وُہ فرمائیں کہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاؤ آرام سے گھر بیٹھ جاؤ تو وہی حکم بجالائے۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ مرشد کا حکم ہے اس میں بھی نفس کی خواہش کو درمیان میں نہ لائے اس لیے کہ مرشد اپنے مرید کی مصلحتوں کا بہت زیادہ واقف ہے۔

(تفسیر روح البیان جلد ۶ ص ۱۱۷)(مترجم شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ مرید پر اپنے پیر کی فرمان برداری لازم ہے۔

اطاعتِ شیخ

پیر کی اطاعت اور فرماں برداری کے بغیر مرید ہرگز منزلِ مقصود تک پہنچ نہیں سکتا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ مرید کو چاہیئے کہ دورانِ سلوک ہمیشہ اس سچائی کو پیشِ نظر رکھے۔ اطاعتِ پیر در حقیقت اطاعتِ رسول و اطاعتِ الٰہیہ ہے۔ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

طاعتِ من، طاعت و حمدِ خدا ست
تا نہ پنداری کہ حق از من جدا ست

(اہل اللہ اپنے مریدوں کو اپنی فرماں برداری کا حکم دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ) میری فرماں برداری فی الحقیقت حق تعالیٰ کی فرماں برداری ہے۔ تو یہ نہ سمجھ کہ حق مجھ سے جدا ہے۔

خدمتِ شیخ

سلطان العارفین حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر ارشادات و مواعظ کو ایک نہایت خوبصورت ترتیب کے ساتھ "لطائف اشرفی" نامی تصنیف میں یکجا کردیا گیا ہے۔ یہ عظیم کارنامہ آپ ہی کے دربار کے ایک ممتاز رکن اور آپ کی نگاہِ کیمیا اثر سے اکتسابِ فیض کرنے والے بزرگ حضرت نظام یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ "لطائف اشرفی" منازلِ سلوک کی تفہیم اور اسرار و معارف کی تشریح و توضیح میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس یگانۂ روزگار کتاب میں خدمتِ شیخ کی اہمیت کو اجاگر کرنے والا حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجۂ ذیل ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

"شیخ ابو علی فارمدی اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں سے تھے سلوک کی تحصیل و تکمیل کے بعد راہ تصوف طے کرنا شروع کیا اور اپنے شیخ ابو القاسم گُرگانی کی خدمت میں رہنے لگے کہتے ہیں کہ ایک دن شیخ گرمابہ (حمّام، غسلخانہ) میں گئے ہوئے تھے میں نے

میں نے دل میں سوچا شائد مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی میں چپ رہا دوبارہ پوچھا میں پھر خاموش رہا تیسری مرتبہ یہی سوال کیا میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا ''میں تھا'' فرمایا اے ابو علی جو کچھ ابوالقاسم نے ستر سال میں پایا تو نے چند ڈول میں حاصل کرلیا''

(لطائف اشرفی اردو ترجمہ جلد دوم ص ۵۰)

ڈاکٹر اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

تفسیر روح البیان میں علامہ اسماعیل حقّی علیہ الرحمہ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و ابتغوا الیہ الوسیلہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وحکی۔ ان خادم الشیخ ابی یزید البسطامی کان رجلا مغربیا فجری الحدیث عندہ فی سؤال منکر و نکیر فقال المغربی واللّٰہ ان یسألانی لأقولن لھما فقالوا لہ و من این یعلم ذالك فقال اقعد وا علی قبری حتی تسمعونی فلما انتقل المغربی جلسوا علی قبرہ فسمعوا المسألة و سمعوہ یقول أتسألوننی وقد حملت فروة ابی یزید علی عنقی فمضوا و ترکوہ۔"

(تفسیرروح البیان الجزءالسادس ص ۳۸۸)

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا خادم ایک مغربی آدمی تھا۔ اُس کے پاس منکر و نکیر کے سوال کی بات چلی اُس نے کہا کہ اگر انہوں نے (منکر و نکیر نے) مجھ سے سوال کیا تو میں ان سے بات کروں گا۔ لوگوں نے (اُس خادمِ بایزید) سے کہا کہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا؟ اس نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر بیٹھو تاکہ (میری منکر نکیر سے گفتگو) سن لو۔ جب اُس خادم کا انتقال ہوا تو کچھ لوگ اُس کے مزار پر بیٹھے اور منکر نکیر کے سوالات سنے جب منکر نکیر نے سوالات کیئے تو اُس (خادم) نے کہا کہ کیا تم مجھ سے سوالات کرتے ہو میں نے تو (عمر بھر) حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز کی پوستین اپنی گردن پر اٹھائے رکھی ہے۔ نکیرین اُسکا یہ جواب سُن کر لوٹ گئے۔

الحمدللہ کیا روح پرور اور ایمان افروز واقعہ ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی خدمت بھی کیسی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ اولیاء کے مقامات کے منکرین کو ان حقائق کو تسلیم کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔

صحبتِ شیخ

شیخ کامل کی صحبت بلند درجات کے حصول اور منازلِ سلوک کی دشواریوں اور پیچیدگیوں سے نبرد آزما ہونے میں کس قدر ممدومعاون

ثابت ہوتی ہے، اس راز سے اربابِ سلوک بخوبی واقف ہیں۔ قرآنِ مجید میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی خدمت کرنے والے حضرت یوشع علیہ السلام کا تذکرہ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ مرید کو اپنے شیخ کی صحبت روحانی غذا فراہم کرتی ہے۔ جس پر قلب و روح کی صحت و زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کلامِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِ نَا هٰذَا نَصَباً ○

ترجمہ: پس جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بیشک اس سفر میں بڑی کوفت ہوئی۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"شیخ کامل کی صحبت مرید کے لئے بمنزلہ صبح کے کھانے کے ہے اس لیے کہ شیخ کے ملفوظات سننا اور اس کے افعال و اعمال دیکھ کر پیروی کرنا اس کی روحانی غذا ہے اور صحبت سے محروم ہوگا تو حصول مقصد سے محروم رہیگا الٹا نفس میں تھکاوٹ محسوس کرے گا اور شیطان کا کام ہے کہ وہ رسوائی کی طرف رغبت دلائے اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ صحبت شیخ کی طرف رجوع کرے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے جیسے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام واپس لوٹے تو منزل مقصود کو پایا اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ "یٰاَیھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع

الصادقین" یعنی سچے لوگوں کی صحبت حاصل کرو......الخ

(تفسیر روح البیان، جلد ۸ پارہ ۱۵، ص ۴۲۰، ۴۲۱)(مترجم شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی)

پیر کامل مخدوم سید علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر تصنیف "کشف المحجوب" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آداب سیکھنے کی صورت خدا کے نیک اور بزرگ بندوں کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ تنہا رہنے سے نہ آدمی آداب سیکھ سکتا ہے اور نہ آداب کو برت سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مرید کے لیے تنہا رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلشَّیطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَ هُوَ مِنَ الِاثْنَینِ اَبعَدُ یعنی جب آدمی تنہا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور دو سے وہ دُور بھاگتا ہے۔" اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: "مَا یَکُونُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذَالِكَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ (۵۸:۷)

(کشف المحجوب، ترجمہ و تلخیص، بزبانِ اردو ص ۳۳۹، میاں طفیل محمد، بی۔اے۔(آنرز) ایل ایل بی)

بعدہٗ پیر کامل مخدوم سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"دیکھیے اللہ تعالیٰ نے بھی دو یا اس سے زائد آدمیوں کے ساتھ اپنی معیّت کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ دو سے کم میں سرگوشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس آدمی کے لیے کوئی آفت تنہائی کے برابر نہیں ہے۔ چنانچہ مَیں (علی بن عثمان جلابی) نے حکایتوں میں

پایا ہے کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو خیال ہؤا کہ مَیں نے درجۂ کمال حاصل کرلیا ہے اس لیے اب میرے لیے صحبت کی نسبت یکسوئی اور گوشہ نشینی بہتر ہے۔ چنانچہ اس نے صحبت ترک کرکے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ جب رات کا وقت آتا تو کچھ لوگ اس کے پاس اونٹ لاتے اور اس سے کہتے کہ آپ کو بہشت میں جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہوجاتا۔ کافی دیر تک سفر کرنے کے بعد ایک نہایت خوشنما اور دلکش جگہ ظاہر ہوتی۔ جہاں بہت خوبصورت آدمی، نہایت لذیذ اور عمدہ کھانے، پھل، باغ اور نہریں ہوتیں۔ صبح کے وقت تک وہ وہاں رہتا۔ پھر سوجاتا اور جب بیدار ہوتا تو اپنے آپ کو اپنے حجرے کے دروازے پر پڑا پاتا۔ یہ سلسلہ اس کے ساتھ جاری رہا یہاں تک کہ اس کے دل میں رعونت اور غرور نے جڑ پکڑلی اور اس نے اپنی بزرگی کے بڑے بڑے دعوے کرنے شروع کر دیے کہ میں یہ ہوں اور وہ ہوں اور مجھ پر ایسی اور ایسی حالت گُزرتی ہے۔ جب یہ اطلاع حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور آپ نے دیکھا کہ تکبر اور غرور سے اس کی حالت کچھ سے کچھ ہورہی ہے۔ آپ نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے سارا حال بیان کیا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر آج کی رات وہاں جاؤ تو تین مرتبہ لاحول ولا قوۃ الّا باللّٰہ پڑھ کر پھُونک مارنا۔ جب رات آئی تو پھر وہی واقعہ پیش آیا۔ یہ شخص اپنی بزرگی اور اپنے ان واردات کے حقیقت ہونے کا پکا یقین رکھتا تھا اور حضرت

جنیدؒ کی روحانیت اور خدا رسیدگی کا بھی دل سے منکر ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی محض تجربہ کی خاطر اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھ کر پُھونک ماردی۔ وہ مرید بیان کرتا ہے کہ جونہی مَیں نے پھونک ماری وہ سب لوگ جو اس جنت میں تھے چیخیں مارتے ہوئے بھاگ گئے۔ اور مَیں نے اپنے آپ کو غلاظت کے ایک ڈھیر پر بیٹھے ہوئے پایا اور میرے اِردگرد مُردار کی کچھ ہڈیاں پڑی تھیں۔ چنانچہ میں اپنی غلطی پر متنبّہ ہوا۔ اپنی تنہائی اور گوشہ نشینی سے توبہ کی اور صحبت میں دوبارہ شامل ہوگیا۔" (کشف المحجوب، ترجمہ ترتیب و تلخیص بزبانِ اُردو ص ۳۴۰ تا ۳۴۱) میاں طفیل محمد، بی اے (آنرز، ایل ایل بی)

دیوبندی علماء کے سرخیل مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں۔

"بیعت کی اصلی بڑی ضرورت رفاقت یا شیخ کی صحبت و تعلق ہے تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بِلا صحبت کے بیکار ہے۔ صاحبِ صحبت بِلا علم، کی اصلاح، صاحبِ عِلم بِلا صحبت سے زیادہ ہوتی ہے۔" (تصوف و سلوک) (بصائرِ حکیم الامت ص ۱۴۰)

مولانائے مذکور لکھتے ہیں۔

"اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا اہتمام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔"

(تصوف وسلوک)(بصائرِ حکیم الامت ص ۱۴۰)

مزید لکھتے ہیں کہ

" مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنادے گی۔ اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بدبخت بنادے گی۔

جو شخص اللہ تعالےٰ کی بخشش کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے۔

اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سَو سالہ بے رِیا طاعت سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض وقت کوئی گُر ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی کیفیت قلب میں ایسی پیدا ہوجاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے۔ ہر وقت ہر ساعت مُراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں یہ حالت میسر ہو اور ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہیئے اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے۔" (کمالاتِ اشرفیہ) (بصائرِ حکیم الامت ص ۱۴۱)

مولانائے مذکور یہ بھی لکھتے ہیں۔

" اور اعمال بغیر توفیق حق مشکل ہے اور حق تعالیٰ کی توفیق عادةً صحبتِ مردِ کامل پر موقوف ہے" (کمالاتِ اشرفیہ) (بصائرِ حکیم الامت ص ۱۴۱)

اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے علمائے دیوبند کے یہی سرکردہ پیشوا لکھتے ہیں۔

" اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ سُنتے سُنتے آخر اصلاح ہو ہی جاتی ہے اور ایک سبب باطنی بھی ہے، وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہوگے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو

طرح کی اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے۔ اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذنِ حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آگیا ہے۔ دوسری وجہ بہت خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہوجائے گی۔

اہل اللہ کے دل اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے دل میں نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے۔ پس اس نور سے ہر چیز کی حقیت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بغیر پاس رہے صرف ان حضرات کو دیکھ لینا ہی کافی ہوتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ چند دنوں صحبت کی بھی ضرورت ہے۔"

(تصوف وسلوک کمالاتِ اشرفیہ۔انفاسِ عیسیٰ) (بصائرِ حکیم الامت ص ۱۴۱،۱۴۲)

آخر میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا مندرجۂ ذیل فتویٰ بھی پڑھ لیں اور دیکھیں کہ دیوبندی مکتبۂ فکر میں بھی صحبتِ شیخ پر کتنا زور دیا جاتا ہے۔

"میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض عین ہونے میں کسی

کو کیا شبہ ہوسکتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہٖ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔"

(الافادات الیومیہ)(بصائرِ حکیم الامت ص ۱۴۶)

" آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے" کا جملہ قابل غور ہے۔ یہ بھی آپ نے پڑھ لیا کہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرضِ عین کہتے ہیں۔

شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم ابن عطاءاللہ اسکندرانی اپنی کتاب "حِکم" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

" لاتصحب من لا ینهضك حاله ولا یدلك علی الله مقاله ایسے شخص کی ہم نشینی اور رفاقت اختیار نہ کرو کہ جس کا حال تم کو حق تعالیٰ کی محبت کی طرف آمادہ نہ کرے اور جس کا کلام (قال) باری تعالیٰ کی طاعت پر تجھ کو برانگیختہ نہ کرے۔"

(طریق النجات انتخابِ حِکم)

شیخِ کامل کی صحبت جو حق تعالیٰ کی محبت پر برانگیختہ کردے اور اس کا کلام جو ربِّ ذوالمنن کی اطاعت کا خوگر بنادے قدرت کی بہت بڑی دین ہوتی ہے۔ جس کی قدر و قیمت لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ بیعت صحبتِ شیخ کا مقدمہ ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات

میں تحریر فرماتے ہیں۔

"پس کامل، کامل بنانے والے شیخ کی صحبت کبریت احمر (سُرخ گندھک) ہے۔ اس کی نظر دوا اور اس کی باتیں شفا ہیں۔ اور اس کے بغیر تو خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔

(مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی۔ جلد اول ص ۹۳ مترجم حضرت محمد سعید احمد صاحب)

حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م: ۴۶۵ھ) اپنی شہرۂ آفاق تالیف الرسالۃ القشیریہ (جس کا شمار اسلامی تصوف کی اولین اور حد درجہ مستند اور معتبر کتابوں میں ہوتا ہے) میں لکھتے ہیں۔

"مَیں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کِسی نے اُسے لگایا ہو۔ خود بخود اُگ آیا ہو تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے۔ مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے۔ کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو۔ جس سے ایک ایک سانس کرکے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا۔ اور اُسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔ (رسالہ قشیریہ ص ۱۶۷ ترجمہ، مقدمہ و تعلیقات ڈاکٹر پیر محمد حسن)

اس سے معلوم ہوا کہ صحبتِ شیخ راہِ سلوک کو طے کرنے میں کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اہلِ عرفان فرماتے ہیں کہ جب کوئی عارف جو کچھ محسوس کرتا ہے وہ دوسروں کو بھی محسوس کرا دینے کے قابل ہوجاتا ہے تو اس مرتبہ کو حق الحق کہا جاتا

ہے اس مردِ کامل کو اہلِ تحقیق یا اہلِ بقا میں شمار کیا جاتا ہے۔
یاد رہے کہ استاد سے صرف علم حاصل کیا جاتا ہے اور پیر و مرشد سے علم اور احساس دونوں دولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ استاد روحانی یعنی مرشد کامل کے دستِ حق پرست پر بیعت اسی مقصد کے تحت کی جاتی ہے کہ اس کی صحبت کے فیض سے اور اس کی دعا اور توجہ کی برکت سے اور اس کی تعلیم و تلقین کی روشنی میں مرید ان دونوں بے بہا نعمتوں سے مالامال ہوسکے۔

مرید کو چاہئے کہ خود کو شیخ کا خادم سمجھے نہ کہ ہم نشین

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سُہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی از بس منفرد اور جاوداں تصنیف عوارف المعارف میں تحریر فرمایا ہے۔
"شیخ ابو المنصور المغربیؒ سے کِسی شخص نے دریافت کیا کہ "آپ شیخ ابو عثمانؒ کی صحبت میں کتنی مدّت رہے؟ انھوں نے فرمایا میں ان کی خدمت میں رہا، صحبت میں نہیں رہا اِس لئے کہ صحبت و ہم نشینی تو روحانی بھائیوں اور اپنے اقران و امثال کے ساتھ ہوتی ہے اَور شیخ کی خدمت کی جَاتی ہے! (بس میں شیخ کی خدمت میں رہا نہ کہ صحبت میں)۔" (عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی ص ۵۶۸)
صحبتِ شیخ کے آداب اور فضیلت بیان کرتے ہوئے راقم الحروف کے پردادا پیر سرکار سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و

چشتی فرماتے ہیں

" اس کی صحبت میں بجز اس کی طرف متوجہ رہنے کے کوئی وظیفہ یا ورد نہ رکھے نہ کوئی اور مشغولیت۔ اسکی صحبت کو صحبتِ خدا اور رسول سمجھے۔ وہ جو کچھ ارشاد کرے اُس کی تسلیم و تصدیق کرے۔" (مقصدِ بیعت ص ٦٧)

حق رسیدہ لوگوں کی صحبت کیا کچھ عطا کرتی ہے یہ تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کا ذائقہ چکھ چکے ہیں اللہ والوں کی معیت میں آدمی کی زندگی میں کیسا انقلاب آتا ہے، ان کی محفل میں بیٹھنے والے سعادت مند افراد کیا سے کیا بن جاتے ہیں، اس راز سے اہلِ دل مردانِ حق ہی آگاہ ہوتے ہیں۔ جس کا سینہ دولتِ عرفان کا گنجینہ نہ ہو اور جو خدا ترسی اور رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کے زیور سے آراستہ نہ ہو، وہ بدنصیب انسان خاصانِ خدا کی صحبت کی قدر و قیمت کا کیا اندازہ کرسکتا ہے۔ حق جل جلالہٗ وعم نوالہٗ اہلِ ایمان سے فرماتا ہے۔

یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○

ترجمہ:- اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

" اے ایمان والو " کے محبت اور شفقت سے بھر پور لہجہ میں اہلِ ایمان سے مخاطب ہوکر حق تعالیٰ اُن کو ایمان کی سند عطا فرما رہا ہے۔ اور ان کی حوصلہ افزائی کررہا ہے۔ اس عزت افزائی کے بعد وہ ایمان والوں کو تقویٰ شعاری کا حکم دے رہا ہے۔ اور اس حکم کے ساتھ ایک اور حکم بھی دے رہا ہے کہ سچے لوگوں کے

ساتھ رہو۔ تاکہ ایمان کو استحکام اور دوام مل جائے اور تقویٰ کو ہمیشگی اور کمال نصیب ہو۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے آگے کونین کی ہر دولت ہیچ ہے۔ ایسی عظیم دولت خدا کے محبوب بندوں کی صحبت سے ہاتھ آتی ہے۔ ایمان کی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنی دوستی سے نوازا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ ایمان والوں کا دوست ہے) اورتقویٰ کی عظمت پر اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (بیشک تم میں سب سے زیادہ عزت مند خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) کی آیت کریمہ شاہدِ عادل ہے۔ جب ایسی عظیم اور انمول نعمتیں اہلُ اللہ کی خلوت و جلوت میں مخلوقِ خدا کو عطا ہوتی ہیں تو عقلِ سلیم کا یہی تقاضا ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کی خدمت میں حاضر رہنے کی سعادت سے ہمیشہ مالامال ہونا چاہیئے۔

بقول لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

؎

حافظؔ جناب پیر مغاں مامنِ و فااست
من ترکِ خاک بوسئ ایں در نمی کنم

حضرت حافظؔ شیرازی علیہ الرحمہ کا یہ شعر بھی نشتریت کا حامل ہے۔

؎

چو کحلِ بینشِ ما خاکِ آستانِ شماست
کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

یعنی جب تمہارے آستانے کی خاک ہماری چشمِ بصیرت کا سرمہ ہے تو تمہیں کہو کہ ہم تمہارا در چھوڑ کر جائیں تو کہاں جائیں۔

ایمان اور تقویٰ کا سرِدست صلہ یا اجر عاجل یہ ہے کہ خدا کے پسندیدہ بندوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔ علم و عمل اور جسم و قلب کے اعتبار سے اللہ والوں کی صحبت سے مالامال ہوتے ہوئے دنیا کے حدود و قیود میں محصور رہنے والے سے جنت کی فضا اگرچہ دور رہتی ہے مگر اہلِ جنت دور نہیں رہتے۔ حق تعالیٰ کے فضل و کرم کا قانون ہی نرالا ہے۔ مخبرِ صادق نبیِ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی آدمی (اپنی اخروی زندگی میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اُسے (دنیا میں) محبت ہے۔ یہ حدیث پاک اہلِ محبت کو بخشش کا مژدۂ جانفزا سنا رہی ہے۔ اہلِ جنت جسے مل گئے جنت اُسے کیوں نہیں ملے گی۔ یہ اہلِ جنت صرف اہلِ جنت ہی نہیں ہیں بلکہ یہ تو اہل اللہ ہیں اللہ والوں کا ملنا انجام کار اللہ سے ملا دیتا ہے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی اس سے بڑی اور کیا جزا ہوسکتی ہے کہ بندۂ مومن کو اِسی جہانِ آب و ِگل میں حق تعالیٰ کی محبت اسکے قرب اور شہود کی دولتِ جاوید ہاتھ آجائے۔

ایمان تقویٰ اور صادقین کی صحبت پر زندگی بھر قائم رہنا ضروری ہے۔ نہ لمحہ بھر کے لئے ایمان کے دائرہ سے باہر قدم رکھا جاسکتا ہے۔ نہ چشم زدن کے لئے پرہیزگاری کے راستہ سے انحراف

کیا جاسکتا ہے چونکہ سچوں کی صحبت کی سرحد پھلانگنے کی پاداش میں انسان نہ جانے ذلت و ادبار اور گمراہی و بے راہروی کے کن نشیبوں میں جا گرے۔ چنانچہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی صحبت اور ان کی پناہ کے حصار سے باہر قدم نہیں رکھا جاسکتا۔ صادقین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دینے سے پہلے حق جَلّ وَعَلَا نے اپنی فرماں برداری کا حکم اسلئے دیا کہ صحیح معنوں میں خدا کا فرماں بردار فرد ہی اللہ کے محبوبوں کی صحبت کے آداب کی رعایت کرسکتا اور ہر پہلو سے ان کی گستاخی کے خطرے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

سُنّی اور صوفی

حضرۃ العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز، بانئ جامعہ نظامیہ حیدرآباد لکھتے ہیں۔

" حضرت سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

من عاش فی ظاهر الرسول فهو سنی، و من عاش فی باطن الرسول فهو صوفی (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)۔ یعنے:

" جو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی گذارے وہ سنّی ہے، اور جو باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے۔" (مقاصد الاسلام حصہ پنجم ص ۳)

صادقین کی صحبت سے فیضیاب ہونے والا سنی بننے کی فضیلت سے بھی سرفراز ہوجاتا ہے اور صوفی کہلانے کے شرف سے مالامال ہوکر دارین میں سرخرو ہونے والوں کی صف میں بھی شامل ہوجاتا ہے۔

الغرض بندۂ مومن کی یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ وہ ایمان و تقویٰ کے ساتھ ساتھ عمر بھر صادقین کی صحبت کی بہاریں لوٹتا رہے۔ صادقین کی پناہ میں پہنچ کر بندۂ مومن پکار اٹھتا ہے کہ بار الہی

ترى بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

میخانۂ توحید کی روحانیت سے بھرپور فضا میں پہنچ کر وہ یہ شعر گنگنانے لگتا ہے۔

میں قریبِ درِ میکدہ ہوگیا
آؤ اے گردشو تم کو کیا ہوگیا

پھر گنگنا اٹھتا ہے کہ

کرے گی کیا کہو برقِ تپاں سے
الجھ کر بے نیازِ آشیاں سے

صادقین کی صحبت اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ

"وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں جس نے کتاب اللہ پر غور نہ کیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں فہم و بصیرت حاصل نہ کی ہو۔ وہ ہم میں سے نہیں جس نے ایسے علماء کی صحبت ترک کردی ہو جو صوفیاء ہیں اور انہیں کتاب و سنت میں

درک ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو ایسے اصحاب علم سے کنارہ کش ہوگیا ہو جو تصوف میں بہرہ رکھتے ہوں اور ایسے محدثین کی صحبت میں نہ بیٹھے جو محدثین کے ساتھ فقہا بھی ہوں۔ وہ ہم میں نہیں جس نے ایسے فقہاء کی صحبت ترک کردی ہو جو علم سے حدیث بھی جانتے ہیں۔ باقی رہے جاہل صوفیاء اور جاہل علماء جو تصوف کا انکار کرتے ہیں تو دونوں کے دونوں چور اور رہزن ہیں اور ان سے بچنا چاہئیے۔"

(شاہ ولی اللہ کا فلسفہ،نفسیات اور تصوف:۴۹)(پروفیسر ڈاکٹر ملک غلام مرتضٰی)(حقیقتِ تصوف ص۱۹)

اوپر دئے ہوئے اقتباس میں آپ نے پڑھ لیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ علمِ ظاہر اور علم باطن دونوں سے شغف اور دونوں میں درک رکھنے والے کی صحبت کو نہایت ناگزیر اور تعلق باللہ کی منزلِ مقصود تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کرنے والا قدم بتاتے ہیں۔

کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ

"من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق و من تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق (مرقاۃ المفاتیح، ۱ : ۲۵۶)

جو فقہ میں ماہر ہوا اور تصوف کو نہ جانا وہ فسق و فجور میں پڑگیا اور جو تصوف میں ڈوب گیا اور فقہ سے نابلد رہا وہ زندیق ہوگیا۔ اور جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے حق کو پالیا۔"

(حقیقت تصوف ۱۹۱، ۱۹۲)

ہے تصوف بے تفقہ زندقہ
قد تحقق من تطابق فیہما

(شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ)

کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ۔ کا فرمانِ عالی شان بتا رہا ہے کہ انسان صادقین کی بارگاہ میں حاضری دینے پر تو قدرت رکھتا ہے۔ مگر صادق بننے پر قادر نہیں ہے۔ وہ صادق ہونے کی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہنے پر قدرت رکھتا ہے۔ جدوجہد اور سعی و تدبیر تو اس کا اختیاری عمل ہے مگر اس کی اس کوشش و کاوش کو بارور ہونے کے مقام تک پہنچانا صرف فضل خداوندی پر موقوف ہے۔ اسی لئے کُونُوا صَادِقِینَ نہیں فرمایا بلکہ کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ فرمایا کہ سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

سچے کون ہیں؟ سچے وہ ہیں جو جھوٹ سے ہمیشہ محترز اور مجتنب رہتے ہیں۔ جھوٹ کہنے کے ارادہ سے بھی کوسوں دور رہتے ہیں۔ ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل بتاتے ہیں۔ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ بتاتے ہیں۔ اپنے قول و عمل سے ہمیشہ سچ کی دعوت دیتے ہیں۔ جھوٹوں کے وجود کو انسانیت کے فروغ دین و دیانت اور اخلاقی قدروں کی بقاء اور ان کی بالادستی کی خاطر کی جانے والی ہر کوشش کے حق میں سمِ قاتل ثابت کرنے کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ حق گوئی سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔

بقول علامہ اقبالؔ علیہ الرحمہ۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

وہ زہر ہلاہل کو کسی قیمت پر قند کہنے کو تیار نہیں ہوتے۔ ان کی گفتار بھی سچی ہوتی ہے اور ان کا کردار بھی سچا ہوتا ہے۔ وہ خلوص کے پیکر ہوتے ہیں۔ انکا ہر عمل للّٰہیت کے بطن سے جنم لیتا ہے۔ خوشنودیٔ خالق ان کا ہدف ہوتا ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

(علامہ اقبالؔ)

مذکورۂ بالا شعر میں انہیں کی شناخت کرائی گئی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ذاتِ عدم کو ذاتِ قدم کا درجہ دینے کو انسانیت کا سب سے گھناؤنا جرم قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ عبد کو عبد اور رب کو رب مانتے ہیں اور اس عقیدہ کی تبلیغ و تفہیم میں ہر پہلو سے کوشاں رہتے ہیں۔ نہ انہیں عتابِ سلطانی کا ڈر ستاتا ہے نہ جاہ و منصب کی ہوس ان کے فلک پیما عزائم کی تکمیل سے انہیں باز رکھ سکتی ہے وہ اسلامی حقائق کے رمز آشنا ہوتے ہیں وہ معارفِ الٰہیہ کے بحرِ ذخّار ہوتے ہیں۔ وہ کتاب و سنت کے اصولوں پر سختی سے

کاربند رہتے ہوئے قوم و ملت کی مذہبی اور روحانی قیادت کی باگ ڈور سنبھالنے کی بھر پور استعداد رکھتے ہیں۔

ذات میں جن کی یہ صفات کمال
ان سے بہتر دو کون میں ہے کون

(شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ)

صادقین کی صحبت اور امام غزالی قدس سرہٗ

انہیں لوگوں کے بارے میں حجۃ الاسلام امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں
"میں نے دس سال مجاہدہ کے لئے خلوت گزینی اختیار کی۔ اسی خلوت کے دوران مجھ پر ایسے امور کا انکشاف ہوا جس کا احاطہ و اندازہ ممکن نہیں لیکن امور نافعہ جن کا تذکرہ یہاں ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ صوفیاء کرام ہی معرفت الٰہی کی راہ پر گامزن ہیں۔ ان کی سیرت سب کی سیرتوں سے بہتر ہے۔ ان کا طریقہ سب کے طریقوں سے درست، ان کا خلق سب کے اخلاق سے پاکیزہ ہے بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت، علماء کا علم اور اس کے اسرار کو جمع کرلیا جائے تب بھی ان کے سیرت و اخلاق سے بہتر نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات براہ

راست سینہ نبوت کے نور سے فیضیاب و مستنیر ہوتے ہیں اور اس کائنات میں نور نبوت سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔" (المنقذ من الضلال) (حقیقتِ تصوف ص ۲۰)

یہ سچے لوگ نہ طالبِ دنیا ہوتے ہیں نہ طالبِ عقبیٰ ہوتے ہیں مولیٰ کی طلب ان کی پہچان بن جاتی ہے۔

حضرت ذوالنون کا قول ہے

هم قوم اٰثروا الله علیٰ کل شیءٍ (رسالۂ قشیریہ)

یعنی صوفیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام چیزوں پر خدائے تعالیٰ کو ترجیح دی اور اس کو پسند کرلیا۔

سلطان المحققین حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

" اور امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ قیامت کے دن اگر مجھے جنت و دوزخ میں اختیار دیدے تو میں دوزخ قبول کروں اس لئے کہ بہشت میری مراد ہوگی اور دوزخ میں بھیجنا محبوب کی مراد ہے اور راہ محبت میں شرط ہے کہ محبّ اپنی آرزو پر محبوب کی آرزو کو قبول کرے۔"

(مکتوبات دو۲صدی ص ۲۳۲، ۲۳۳)(مترجم حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی فردوسیؒ)

حضرت مخدوم الملک رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک اور مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں۔

" حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناجات میں کہا اَللّٰھُمَّ اِذَا اُدْخِلْتَنِی الْجَنَّۃَ وَقُلْتَ رَضِیْتُ عَنْکَ یَامَالِکُ فَاجْعَلْنِیْ تُرَاباً وَ ھَبِ الْجَنَّۃَ

کو دیدیجئے) (مکتوبات دو۲صدی ص ۲۹۰ مترجم حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی فردوسیؒ)

"حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اپنی مناجات میں کہا کرتیں۔ اے میرے اللہ دنیا میں سے جو چیز مقدر میں کی ہے وہ سب اپنے دشمنوں کو دیدیجئے اور آخرت میں سے جو چیز میری قسمت کی ہے وہ اپنے دوستوں کو دیدیجئے میرے لئے تو آپ ہی کافی ہیں۔"

(مکتوبات دو۲صدی ص ۳۵۸ مترجم حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی فردوسیؒ)

جائے غور ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ۔ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو) فرمانے والا پروردگار صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم دے رہا ہے۔ ایمان عملِ صالح اور صادقین (سچوں) کی صحبت ہی مقصودِ فطرت ہے۔ یہی رمزِ مسلمانی ہے۔ انہیں تین ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی خاطر ہمیں زیورِ تخلیق سے آراستہ کیا گیا ہے۔

غیر اسلامی تصوف سے ہوشیار رہیں

خاکسار کے دادا پیر نبیرۂ حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور المشائخ شمس العرفان ابوالعارف حضرت مولانا الحاج سید شاہ احمد محی الدین جیلانی المعروف بہ مولانا سیّد نوری شاہ چشتی قادری مجمع السلاسل

قدس سرہ العزیز اپنی یگانۂ روزگار تصنیف "اسرارِ لا الٰہ الا اللہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

ملاحدہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندوں میں جو صفات ہیں وہ اللہ ہی کے ہیں۔ بندوں میں اللہ ہی دیکھتا ہے، اللہ ہی سنتا ہے، بندوں میں اللہ ہی زندہ ہے۔ آگے چل کر تو یہ کہتے ہیں اللہ ہی ظہور میں بندہ ہوگیا۔ باطن میں اللہ ہے ظاہر میں بندہ ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ عقیدہ باطل ہے۔ ملاحدہ نے اپنے عقیدہ کو قرآن پر نہیں پرکھا۔" (اسرارِ لا الٰہ الا اللہ ص ۵۱)

بندوں میں جو حیات، سماعت، بصارت، کلام وغیرہ صفات پائے جاتے ہیں ان سب کو حق جل جلالہٗ نے تخلیق فرمایا ہے۔ مخلوق کی ذات ہی کی طرح اس کی صفات اور افعال بھی خدائے قادر و قیوم کی مخلوق اور اس کی خلّاقیت کی کھلی دلیل ہیں۔ قرآنِ حکیم کی آیت مقدسہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت:۹۶)

ترجمہ: اور اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو۔

قرآن پاک کی آیت کریمہ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ......الخ (سورۃ البقرہ)

جس کا ترجمہ ہے "کیسے انکار کرتے ہو تم اللہ کا حالانکہ تھے تم مردے پس زندہ کیا تم کو۔" ......الخ

اور قرآن مجید کی آیت شریفہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًام بَصِيْرًا ○ (سورۃ الدھر)

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ

ہم اسے جانچیں تو اسے سنتا دیکھتا کردیا۔
اس آفاقی صداقت کی مکمل ترجمانی کرتی ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے صفاتِ کمالیہ حیات علم ارادہ قدرت سماعت بصارت کلام (وغیرہا من الصفات الکمالیہ) مخلوق و مجعول ہونے سے پاک ہیں۔ لہٰذا ملاحدہ کا یہ کہنا کہ بندوں میں اللہ ہی دیکھتا ہے وہی سنتا ہے اور بندوں میں وہی زندہ ہے اور ان کی یہ ہرزہ سرائی کہ اللہ ہی ظہور میں بندہ ہوگیا اور باطن میں اللہ ہے ظاہر میں بندہ ہے (معاذاللہ) اسلامی تصوف سے بہت دور ہے۔

اسلامی تصوف تو قرآن و سنت کا نمائندہ ہے جس کے سوتے کتاب و سنت کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہیں۔ ذاتِ حق اور ذاتِ عبد میں جو حقیقی غیریت ہے اس کی نفی کرنا اسلامی عقائد سے کھلا انحراف ہے۔ میرے دادا پیر نورالمشائخ ابوالعرفان قدس سرہ العزیز ہمہ اوست (وحدت الوجود) کی عین کتاب وسنت تفہیم فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

"کاملین نے ہمہ اوست کا مقصد کبھی بھی اللہ بندہ ہوگیا یا بندہ اللہ ہوگیا کے مفہوم میں نہیں لیا بلکہ کاملین کا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ کسی مقام پر اللہ نہیں۔ اللہ کسی مقام پر بندہ نہیں۔"
(اسرارِ لا الٰہ الا اللہ ص ۵۱)

لہٰذا ملاحدہ کے عقائدِ باطلہ سے دور رہنا دین و ملت کا اہم تقاضا ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں شریعتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کے نقشِ قدم پر ہمیشہ گامزن رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہِ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

عظمتِ شیخ

تمام اہلِ صدق و صفا گو کہ عقیدتوں کے مرکز بننے کے قابل ہیں۔ مگر مرید کو چاہئے کہ جملہ صادقین سے سچی محبت و عقیدت رکھتے ہوئے بقول سیدی مولانا الحاج غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی رحمۃ اللہ علیہ

" اپنے شیخ کو خلیفۃ اللہ و نائبِ رسول اللہ سمجھے اور اپنی تکمیل کیلئے اس سے بہتر کسی کو نہ سمجھے۔" (مقصدِ بیعت ص ۶۸)

پیر و مرشد عارف باللہ الحاج حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ حیدرآبادی فرماتے ہیں۔

" حضرت ابودقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص پیر کی مخالفت کا ارادہ کرے گا اس کو طریقت حاصل نہوگی شیخ سے اُس کا تعلق منقطع ہوجائے گا اگرچہ دونوں ایک ہی جگہ ہوں۔

جو شخص پیر کی صحبت میں رہ کر دل میں پیر پر اعتراض کرے تو وہ عہد محبت توڑے گا سوائے اس کے کہ وہ مُرید اپنی ان حرکات سے توبہ کرلے (مواعظِ حسنہ جلد دوم ص ۸۷، ۸۸، پیری مریدی)

پھر فرماتے ہیں کہ

" حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُرید کو اپنے پیر کے ساتھ اس قدر معتقد اور محبّ ہونا چاہیئے کہ اپنے

زمانہ میں اپنے پیر سے بڑھ کر کسی کو اچھا نہ سمجھے اور یہ خیال کرے کہ صرف میرا پیر ہی مجھے اللہ تعالیٰ کی بلند بارگاہ کا راستہ بتلا سکتا ہے اور اگر یہ خیال کرے کہ اپنے پیر کے سوا اور بھی کوئی شخص دنیا میں ہے جو راہِ خدا کی رہنمائی کرسکے تو شیطان ملعون اُس کے اعتقاد پر قادر ہوجاتا ہے۔ اور اُسے اپنے پیر کی فیضیابی سے روک دیتا ہے اور اُس کے اعتقاد میں خلل ڈالتا ہے اور اُسے ایسی ایسی باتیں بتلاتا ہے جس سے اس کا اعتقاد بگڑ جاتا ہے

(مواعظِ حسنہ جلد دوم ص ۸۸ پیری مُریدی)

حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرید ہونے کی دس شرطوں میں دسویں شرط یہ بتائی ہے کہ مرید

"ہر اس شخص کا فرماں بردار رہے جسے شیخ نے اس پر افسر بنایا ہو اگرچہ وہ علم میں اس سے کمتر ہو اور اعتقاد رکھے کہ اس کا اختیار کیا ہوا راستہ سب راستوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا پیر سب سے زیادہ کامل ہے ورنہ زمانہ کے موافق اس کا دل ضرور اعلیٰ و اکمل کی طرف جھکے گا اور یہ جھکاؤ نسبت میں مانع ہو جاتا ہے۔"

(لطائف اشرفی جلد دوم ص ۱۵۶ اردو ترجمہ)

حبِّ شیخ

پیر کی محبت حقیقت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دراصل خدائے پاک کی محبت ہے۔

ڈاکٹر میرولی الدین صاحب اپنی گراں قدر تصنیف "رموزِ عشق" میں محبت کی علامتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"تیسری علامت یہ ہے کہ محبّ حصول وصل محبوب کے وسائل کو بھی پسند کرتا ہے اور مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے کیونکہ یہ محبت و طاعت، محبوب ہی کی محبت و طاعت ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اِنْ کنتم تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (پ ۳ ع ۱۲)

اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اور زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (پ ۵ ع ۸)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

اسی کے پیش نظر سہل نے کہا تھا: علامت حبِّ خدا کی حبِّ قرآن ہے، علامت حبِّ خدا و قرآن کی حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہے۔ علامت حبِ نبی کی حبِّ سنت ہے، علامت حبِّ سنت کی، حبِ آخرت ہے اور علامت حبِ آخرت کی بغض دنیا ہے، اور علامت بغض دنیا کی یہ ہے کہ دنیا سے بقدر زاد ہی لے۔"

(رموزِ عشق ص ۶۲ از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب)

جب محبت کا ذکر چھڑ گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محبت اور عشق کا فرق سمجھا دیا جائے۔

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ

"عشق افراط وشدّتِ محبت کا نام ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

العشق تجاوز عنِ الحد فی الُمحبّة
العشق عبارةٌ عن افراط المحبة
و شدّتها ، والمحبة اذا اشُتدَّتُ
وَقَوِیَتُ سُمِّیَتُ عشقاً

عشق محبت میں حد سے تجاوز کرنا ہے عشق افراط محبت یا شدّت محبت کا نام ہے۔ محبت جب شدید ہوجاتی ہے اور قوی ہوجاتی ہے تو اس کا نام عشق ہوجاتا ہے۔

عشق افراطِ محبت گفتہ اند
دُر ایں معنیٰ چہ نیکو سفتہ اند

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں عشق کو فرطِ محبت سے تعبیر کیا گیا ہے (اشدّ حُبّ) جب ایسی محبت کا انسان کے قلب پر تسلّط ہوتا ہے تو وہ محبوب کے سوا ہر چیز سے اندھا ہو جاتا ہے، اور یہ محبت اس کے بدن کے تمام اجزاء میں جاری و ساری ہوجاتی ہے اور اس کے وجود سے متصل ہوجاتی ہے، ہر شے میں اس کی نظر محبوب ہی کو دیکھتی ہے اور ہر صورت میں اس کو محبوب ہی نظر آتا ہے، اس کیفیتِ قلبی کا نام ''عشق'' رکھا گیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کی اسطرح تعریف کی ہے : محبت طبیعت کا میلان ہے ایسی شے کی طرف جس سے لذّت حاصل ہوتی ہے، اگر یہ میلان طبیعت پختہ اور قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

علمائے نفسیات اس امر پر متفق ہیں کہ لفظ کے اعتبار سے محبت کسی مرغوب و موافق شئے کی طرف قلب کا میلان یا انجذاب ہے اور عشق وفورِ محبت ہی کا نام ہے۔

ملا محمود قاشانی کے الفاظ میں ''محبت مطالعہء جمال کے لیے باطن کا میلان ہے'' جمال کا یہاں مطلب وہی مرغوب و موافق شے ہے۔ اور عشق اسی میلان کی شدّت کا نام ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اہل معرفت کے ہاں محبت ان معلومات میں سے ہے جس کی تعریف و تحدید نہیں کی جاسکتی، اس کی یافت محض وجدان ہی سے ہوسکتی ہے، اس کی تعبیر ممکن نہیں، تعریف و تحدید

اس کے خِفا میں اضافہ کرتی ہے، دور نہیں کرتی، لہٰذا محبت کی تعریف خود اس کا وجود ہے۔ اس خیال میں صداقت اس جہت سے پائی جاتی ہے کہ محبت ایک جذبۂ عالیہ ہے، اور جذبہ کا ادراک ذوق و وجدان ہی سے ہوسکتا ہے۔ نہ کہ تعقُّل سے۔ اسی لئے خواجہ یحییٰ معاذ نے کہا تھا: المحبة حالة لا يعبر عنها مقالة، یعنے محبت ایک حال ہے، اس کی تعبیر قول یا الفاظ سے نہیں ہوسکتی۔ یا یوں کہو

"محبت حالیست وحالت ہرگز قالت نباشد"

ع

اے عشق دریغا کہ بیان از تومحال است"

(رموزِ عشق ص ۱۳ص ۱۴)

عشق و محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان کہہ اٹھتا ہے کہ

ے

مانقد عمر صرفِ رہِ یار کردہ ایم
کارے کہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم

(ہم نے اپنی زندگی کا سرمایہ اپنے محبوب کی راہ میں لٹادیا ہم نے ساری عمر میں بس یہی ایک کام کیا ہے)

ے

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں ملتا
خودی مٹاؤ نہ جب تک خدا نہیں ملتا

اسی لئے عاشقِ صادق اپنی خودی کو حق تعالیٰ کی خودی میں فنا کردیتا ہے درجِ ذیل شعر بھی اسی حقیقت کی ترجمانی کررہا ہے۔

بے فنائے خود میسر نیست دیدارِ شما
می فروشد خویش را اول خریدارِ شما

یعنے اپنے آپ (اپنی خودی) کو جب تک کوئی فنا نہیں کرتا اسے (اے خدا) تیرا دیدار میسر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تیرا خریدار پہلے خود کو فروخت کرتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

"عشق از مواہب است نہ از مکاسب" (کشف المحجوب)

یعنی جذبۂ عشق قدرت کا عطیہ ہوتا ہے کوشش و کاوش سے حاصل نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ محبت کی نہیں جاتی، ہوجاتی ہے۔

غالبؔ نے سچ کہا ہے کہ

عشق پرزور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

☆☆☆☆☆

عشق و محبتِ الٰہی وہبی ہے کسبی نہیں

" خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ فرماتے ہیں: " عشق وہبیٔ صرف است و بخششے خاصّہ است " (اسماء الاسرار)۔
ان ہی کا شعر ہے:

عشق بازی اختیار ما نہ بود
ہر کرا خواہند بر سر می نہند

تمام صوفیہ محبت و عشق کے وہبی ہونے کے قائل ہیں۔"
(رموزِ عشق ص ۴۱)
تصوف کے سلاسل میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے بزرگوں میں جوش و حرراتِ عشق کا رنگ زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ان حضرات کے مکتوبات و ملفوظات عشق و محبت کے درد و شوق سے مالامال ہیں۔
" حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا لقب " محبوب الٰہی " تھا۔ اپنے ایک مکتوب (بنامِ مولانا فخرالدین مروزی) میں تحریر فرماتے ہیں۔ (اس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے)
" اتفاق اصحاب طریقت و ارباب حقیقت است کہ اہم مطلوب و اعظم مقصود از خلقت بشر محبت رب العالمین است۔"

(سیر الاولیاء فی محبت حضرت جل وعلیٰ (اردو ترجمہ از غلام احمد بریلوی) ص ۴۵۵) (رموزِ عشق ۱۲۳)

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کا بیان ہے۔

"اسی لیے تمام صوفیاء کا مسلمہ اصول ہے:

"ہر کرا عشق شور انگیز نیست طریقہ برو حرام است"

یعنی جس کسی کے قلب میں حق تعالےٰ کا عشق شور انگیز پایا نہ جاتا ہو۔ اس پر سلوک الی اللہ کا طریقہ حرام ہے۔(رموزِ عشق ص ۱۱۴)

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ دیوان "مخزن العرفان" میں عشق کی حقیقت کو واشگاف انداز میں ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں۔ اور عشق کی تفہیم اس سے زیادہ کچھ ہو بھی نہیں سکتی۔

عاشق و معشوق کو ممکن و واجب کہو
عشق ہے مطلق وجود جس سے دونوں کا قوام

عبارت مختصر محبت اور عشق کے جذبات کے بغیر راہ سلوک طے نہیں کی جاسکتی۔ (حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی بات اور ہے)

لہٰذا ان جذباتِ عشق و محبت کو معیارِ شریعت و طریقت پر پورا اترنے کے قابل بنانے والی چیز محبتِ شیخ ہے۔

اس محبت کو اقبال کے نظریۂ عشق و محبت کی روشنی میں (جو دراصل صوفیانہ افکار ہی سے مستعار ہے) خویشتن بینی و خویشتن دانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

؎

محبت خویشتن بینی محبت خویشتن دانی
محبت آستانِ قیصرو کسریٰ سے بے پروا

(علامہ اقبالؔ)

اسی خودبینی و خویشتن دانی سے غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی کھلتے ہیں۔

؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

(علامہ اقبالؔ)

اسی محبت کو اقبالؔ جوہر عقل اور جانِ فرہنگ قرار دیتے ہیں۔

؎

زعشق درسِ عمل گیرو ہرچہ خواہی کن
کہ عشق جوہرِ عقل است و جانِ فرہنگ است

اقبالؔ کے نزدیک عشق ایک عالمگیر قوت اور حرکت و حیات کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کردے

خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں
" والاذن تعشق قبل العین۔ یعنی آنکھ سے پہلے کان کے ذریعہ عشق پیدا ہوتا ہے کسی خوبرو کے حسن کی تعریف سُن کر بغیر دیکھے بھی آدمی عاشق ہوجاتا۔ اس لیے جب وہ اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کی صحبت میں بیٹھے گا اور ان کے شوق اور عشق کی بات سنے گا تو پھر اسکے دل میں بھی محبت بیدار ہوگی اور وہ اپنے کو طالبان صادق میں شامل کرلے گا۔ اور دن رات اس کی یہ کوشش ہوگی کہ محبوب کے جمال تک اس کی رسائی ہو۔ اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو "

(جوامع الکلم۔ ترجمہ، پروفیسر معین الدین دردائی۔ ایم۔اے۔علیگ ص ۱۹۶)

اس عظیم کامیابی کے حصول کا وسیلہ بھی شیخ کی صحبت کا ایک کرشمہ ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

انکارِ بیعت

خدا اور رسول کے پسندیدہ عمل کا انکار کرنا اور اس کا مضحکہ اُڑانا سعادتِ ابدی کی نعمت سے محرومی اور دارین میں خائب و خاسر ہونے کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے۔

بیعت در اصل اپنی جان و مال کو حق جل مجدہ کے سپرد کر دینے کا نام ہے۔ اس طرح کہ بندہ فروخت کرنے والا اور اللہ تعالیٰ خریدار ہوجائے۔ مومن اپنی جان اور مال خدا کو بیچ کر جنت اور جنت سے بھی عظیم و جلیل دولت یعنی خدائے برتر کے قرب اس کے دیدار اور اسکی خوشنودی سے سرفراز ہوجائے تو یہ سودا کتنا نفع بخش اور قابلِ فخر ہوگا۔

بِک کر کسی کے ہاتھوں بے فکر جی رہے ہیں
ہم خود کسی کے ٹھہرے اب کیا رہا ہمارا

جب تک بِکا نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کردیا

انکارِ بیعت کی عادت حق تعالیٰ کے ربط خاص سے مالا مال ہونے یا اس کے قرب و مغفرت سے دونوں جہاں میں تہی دامن

رکھتی ہے۔ ایسا شخص تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب سے عمر بھر بے بہرہ رہتا ہے۔ وہ حضور پرنور شافعِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبتِ خاص کے انوار و فیوض سے دوامی محرومی کا شکار ہوجاتا ہے۔ گمراہی اور شقاوتِ ابدی کے بھیانک سائے ہمیشہ اس کے تعاقب میں رہتے ہیں۔ لہٰذا ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہرگز بیعت کا انکار اور اہلِ حق پیروں اور ان کے متبع سنت مریدوں کی ہنسی اڑانی نہیں چاہیئے۔ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خصوصاً ہماری نوخیز نسل کو مغرب زدگی کے عفریت کے خونی پنجہ سے بچائے۔

☆☆☆☆☆

بیعت شکنی

پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد کسی شرعی وجہ کے بغیر

فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهٖ (القرآن)

کا مصداق بنکر جو اس بیعت سے پھر جائیگا اس کے عمل کا وبال اسی کو بھگتنا پڑیگا۔ اس کے پھر جانے کی وجہ سے اس کے شیخ کا کوئی نقصان ہوگا نہ راہِ سلوک کی عظمت و وقعت میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ بیعت شکنی کے جرم کا ارتکاب کرنے والا کہیں کا نہیں رہتا۔

آسماں کے نہیں زمیں کے نہیں
تم سے چھوٹے تو پھر کہیں کے نہیں

بیعت شکنی کرنے والا حقیقت میں خدا کے غضب کو دعوت دیتا ہے اور اس طرح اس کے روشن مستقبل کا ہر خواب چکنا چور ہوجاتا ہے۔ اس کی شومیٔ قسمت کو چشمِ عبرت سے دیکھ کر ہر مریدِ صادق اپنے پیر سے نیاز مندانہ لہجہ میں کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

ے

زمین بھی نہ اٹھائے گی میری خاک کا بار
گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے

(جگر مرادآبادی)

اور

ے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اُسکو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

(میر تقی میر)

میر رضی دانش کا یہ شعر نشتریت اور عاشقانہ طرزِ اظہار کا بہترین نمونہ ہے تمثیل جتنی سادہ ہے اتنی ہی اچھوتی ہے۔

ے

متاب رخ نفَسے تا بجائے خود باشم
چو عکسِ آئینہ ما زندہ از نگاہِ تو ایم

" زندہ از نگاہِ تو ایم " کی برجستگی اور بےساختہ پن داد سے مستغنی ہے۔ پیر کی توجہ اور نگاہ کرم ہی مرید کی زندگی ہے۔

ے

وہ پھیر لیں نظر تو کہاں تابِ یک نفَس
یہ زندگی تو ان کی بدولت ہے زندگی

آداب شیخ

اہلِ طریقت شیخ کی جناب میں اونچی آواز سے گفتگو کرنے کو راہِ سلوک کے آداب کے سخت منافی حرکت قرار دیتے ہیں۔ وہ شیخ کی بارگاہ میں دو زانو بیٹھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اگر وہ خود اجازت دے تو چار زانو بھی بیٹھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک شیخ سے آگے چلنا بڑی گستاخی ہے۔ مرید کو چاہیئے کہ کوئی دنیاوی یا دینی مہتم بالشان کام ہو تو شیخ کی اجازت کے بغیر انجام نہ دے۔

شیخِ محترم کے گلاس یا اس کی صراحی سے اس کی اجازت کے بغیر پانی نہ پیئے۔ شیخ کے مصلے پر نماز پڑھنا سخت بے ادبی ہے۔ ہاں اگر وہ اجازت دے تو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مرید کو شیخ کے لباس کا بھی احترام کرنا چاہیئے۔

شیخ کی خدمت میں پہنچے تو ادب سے سلام کرے، اس کی دست بوسی اور قدم بوسی کے شرف سے محروم نہ رہے۔

اگر وہ ان کاموں سے منع کرے تو رک جائے (اگرچہ کہ ان امور کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں) شیخ کے دیدار کو عبادت سمجھے۔

تکتے رہنا کسی کی صورت کو
یہ بھی کامل بڑی عبادت ہے
(حضرت سید شیخن احمد کامل حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

اس کے ارشادات پوری توجہ سے سُنے۔ شیخ کے غیاب میں بھی شیخ کا اتنا ہی احترام کرے جتنا اس کی خدمت میں حاضری کے دوران بجالاتا ہے۔ اس کا ذکر ادب و احترام سے بھرپور لب و لہجہ میں کرے۔ اس کی خیر خواہی اور اس کے اہل و عیال کی خیر خواہی کو اپنا فرض جانے۔ اس کے منتسبین سے ہمیشہ حسنِ سلوک روا رکھے۔ شیخ کی بارگاہ کی حاضری اور اس کی ہم نشینی کا کیا مقام ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے سنئے فرماتے ہیں کہ

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
او نشیند در حضورِ اولیاء

یعنی جو خدا کی ہم نشینی کا طلبگار ہے اسے چاہئے کہ اولیاء کرام کے حضور بیٹھا کرے۔

شیخ کی خدمت میں حاضری کے شرف سے سرفراز ہونے کے بعد ہرگز اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس سے نہ لوٹے۔ اگر واپس ہونا چاہتا ہو تو کسی اشارہ یا حسنِ سوال کے طور پر یا دل ہی دل

میں اجازت طلب کرے (انشاء اللہ شیخ اجازت دے دیگا) یا ادب کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔ واپس ہونے کی اجازت زبانی مانگنا بھی خلافِ ادب ہے۔

شیخ سے کچھ پوچھنا ہو تو قلبی طور پر سوال کرے۔ انشاء اللہ شیخ اس کے سوال سے مطلع ہو کر اسے تشفی بخش جواب دے دیگا۔ اگر کبھی شیخ کا جواب سمجھ میں نہ آئے اور پوچھنا ناگزیر ہوجائے تو نہایت ادب کے ساتھ پوچھے۔ شیخ جب نظر نیچی کرے مرید اس کی صورت پر نظر کرے اور جس وقت وہ نظر اٹھائے یہ نظر جھکالے۔

جب شیخ سے ملنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے تو اصل مقصد بارگاہِ شیخ کی حاضری ہو۔

شیخ کی اولاد کا ادب حقیقت میں شیخ ہی کا ادب ہے۔ اس میں کوئی کوتاہی ہونے نہ پائے۔ اگر شیخ اُسے کسی قسم کی خدمت کے قابل سمجھے تو اُسے اس کو بہت بڑی نعمت شمار کرنا چاہئے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت از وشمر کہ بخدمت گذاشت است

(یہ نہ سمجھ کہ بادشاہ کی خدمت کرکے تو اس پر احسان کر رہا ہے بلکہ یہ سمجھ کہ تجھے خدمت پر مامور کرکے اس نے تجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے)

☆☆☆☆☆

پیر کی زندگی میں مرید کا دوسرے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز اس سوال کے جواب میں کہ پہلے پیر کی زندگی میں اگر مرید کسی دوسرے پیر سے بیعت کرے تو اس کا یہ عمل جائز قرار دیا جائے گا یا نا جائز؟ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مقصود حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ اور پیر حق تعالےٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی طالب اپنی بھلائی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے۔ اور اپنے دل کو اسکی صحبت میں حق سبحانہ و تعالےٰ سے جمع پائے۔ تو جائز ہے۔ کہ پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے بھلائی طلب کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے۔ اور اس کو نیکی سے یاد کرے۔

خصوصاً اس وقت میں کہ پیری اور مریدی اب رسم اور عادت کے سوا اور کچھ نہیں رہی ہے۔ اس وقت کہ اکثر پیر اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتے۔ اور ایمان اور کفر میں کوئی امتیاز نہیں کر سکتے۔ وہ خداوند تعالےٰ سے کیا خبر دے سکیں گے۔ اور مرید کو کونسی راہ دکھائیں گے۔

آگاہ از خویشتن چوں نیست جنین [1]
کے خبردارد از چناں چنین

اس مرید پر افسوس ہے۔ جو ایسے پیر پر اعتماد کرکے بیٹھ جائے۔ اور دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور خدا جل شانہ کی راہ معلوم نہ کرے۔ شیطانی وسوسے ہیں۔ جو کہ پیر ناقص کی زندگی کے ذریعہ آئے ہیں۔کہ وہ طالب کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے روک دیں۔ جس جگہ بھی بھلائی اور جمعیت خاطر حاصل ہو۔ بے تامل اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور شیطانی وساوس سے پناہ مانگنی چاہیئے ۔ والسلام ۔" (مکتوب ۶۳ ، مکتوبات امام ربانی حصہ ہفتم دفتر دوم ص ۵۶) (مترجم حضرت محمد سعید احمد صاحب نقشبندی)

حضرت امامِ ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہُ السامی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے چار صدیوں پہلے کے پیروں کے حالات قلمبند کئے ہیں اور ہمیں بتایا ہے کہ اس زمانے کی پیری مریدی رسم و عادت کے سوا کچھ نہیں رہی۔

تو اِس پُر فتن اور قحط الرجال کے دور میں ارادت و مشیخت کا کیا حال ہوگا؟ اس پر غور کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بقول اقبال مرحوم کے

---

[1] ماں کے پیٹ کا بچہ جب اپنی خبر بھی نہیں رکھتا، تو وہ اور کسی کی کیا خبر رکھے گا۔۱۲

؎

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

اور

؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

دورِ حاضر کے کئی پیر اور ان کے نام نہاد مریدین اپنے اسلاف کی زندگی سے یکسر مختلف ذہن و فکر کے حامل ہیں ایسے ننگِ اسلاف اہلِ طریقت ہونے کے دعویداروں نے علمِ باطن کے عظیم و جلیل اقدار کو پامال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ مگر با ایں ہمہ

؎

سیمابؔ کب ہے دنیا اہلِ وفا سے خالی
اب بھی وفا ہے باقی لیکن کسی کسی میں

(سیمابؔ اکبر آبادی)

بحمدہٖ تعالیٰ خال خال ہی سہی کچھ چہرے آج بھی تصوف و سلوک کی پہچان مانے جاتے ہیں۔ انہیں کے دم قدم سے اقبالؔ جیسے مفکرین اور ہمدردانِ قوم و ملت کو مایوسی کی گہری اندھیریوں میں

بھی امید کی کرن نظر آتی ہے اور وہ کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ

نہیں مایوس میں اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اس ساری گفتگو کا نچوڑ یہ ہے کہ پیر اگر کامل ملا نہیں ہے تو پیر کامل سے رجوع کرنا بالکل جائز بلکہ بہت پسندیدہ اقدام ہے۔ اور اگر پیر کامل مل گیا ہے مگر مرید کو رشد و معرفت کسی اور شیخ کی صحبت سے ملنی متوقع ہو اور پیرِ اول کی صحبت سے یہ فوائد حاصل نہ ہوں تو کسی اور پیر کی صحبت سے محروم رہنا حرماں نصیبی تصور کی جائے گی۔ مگر پیرِ اول ہی خداشناسی کی منزل تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو اور مرید اس کی رہبری پر قناعت کرنے کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی پوری توقع رکھتا ہو تو کسی دوسرے پیر کا دروازہ کھٹکھٹانا تصوف کے اصولوں سے انحراف ہوگا۔

☆☆☆☆☆

آدابِ خلفائے شیخ

حضور قبلہ گاہی حضرت سیدنا غوثی شاہ قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز مرید کو راہِ طریقت کے آداب کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ "اپنے شیخ کے خلیفہ کا احترام کرے اور ادب و محبت کے ساتھ اس سے برتاؤ رکھے، اور اس کے ارشاد و ہدایات کے موقع پر جو کچھ بھی سنے بغور سنے، اگر کوئی ارشاد و ہدایت اس کی سمجھ میں ایسی آئے جو کہ اس نے اپنے شیخ سے نہ سنی ہو، ایسی بات کو اگر شیخ موجود یعنی حین حیات ہو تو اس سے عرض کرکے اس کو صاف کرلے۔ اور اپنے شیخ کی موجودگی کے زمانہ میں کسی خلیفۂ شیخ کی (خواہ اس کی نظروں میں وہ کتنا ہی بہتر خیال کیا جاتا ہو) اپنے لئے احتیاج نہ سمجھے نہ اس کو اپنے لئے بلا اجازتِ شیخ کامل الاستفادہ خیال کرے، بعض لوگ اپنی کم فہمی اور کم علمی یا اپنے کسی کم فہم پیر بھائی کی تحریک سے یہ خیال کر جاتے ہیں کہ شاید ہم شیخ کے کمالِ ادب کی وجہ پوچھ گچھ کرکے پورا استفاضہ نہیں کرسکتے۔ اسی لئے کسی خلیفہ شیخ سے بے تکلفانہ اپنی فہم کے مطابق فیض حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ ایک غلط فہمی اور نفس کا دھوکہ ہے، مرید اپنے شیخ ہی کو اپنے لئے قبلۂ توجّہ بنائے اور اس کے مقابلہ میں کوئی خلیفہ تو کیا کسی قطبِ وقت کو بھی اپنے

لئے باعثِ استفاضہ نہ سمجھے، نہ اس کی صحبت میں بلا اجازتِ شیخ حاضر ہو۔"
(مقصدِ بیعت ص ۷۶، ۷۷)

آج کل بعض مریدین اپنے شیخ کی صحبت سے زیادہ شیخ کے کسی خلیفہ کی صحبت کو اہم جانتے ہیں اور شیخ کی صحبت میں اس خلیفہ کے بغیر حاضر ہونے کو آدابِ طریقت کے منافی تصور کرتے ہیں۔ اس بے بنیاد خیال کو پیری مریدی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پیر کی صحبت سے محروم ہوکر اس کے کسی خلیفہ کی صحبت اختیار کرنا ادنیٰ کو اعلیٰ پر ترجیح دینا ہے اور خلافِ آدابِ طریقت رویّہ ہے۔ مجھے اس وقت عربی زبان کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔
شاعر کہتا ہے کہ

کیف الوصول الیٰ سعاد ودونہا
قلل الجبال ودونہنَّ خیوف

(سعاد کا وصل کیسے نصیب ہوسکتا ہے، حالانکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی اونچی چوٹیاں اور ان چوٹیوں تک پہنچنے سے پہلے دشوار گزار نشیب و فراز ہیں)

آج کل مریدوں کو پیر کے خلفاء ہی پیر سے ملنے سے روکتے ہیں۔ یہ بیماری بعض اہلِ طریق کہلانے والے حلقوں میں کسی وبائی مرض کی طرح پھیلتی جارہی ہے۔ حقوقِ شیخ و مرید کی اس سے بڑی پامالی اور کیا ہوسکتی ہے؟ حضور سرکار سیدی پیر غوثی شاہ علیہ الرحمہ تو شیخ

کی اجازت کے بغیر اس کے کسی خلیفہ کی خدمت میں حاضری کو غلط اور ناروا قرار دیتے ہیں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ مرید، خلیفہ (شاہ صاحب) کی اجازت کے بغیر اپنے ہی شیخ کی خدمت میں حاضری دینے کو جرمِ عظیم سمجھ رہا ہے۔

ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بہ کجا

حق تعالیٰ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اور پیرانِ طریقت کے وسیلے سے امتِ مسلمہ کو نفس کے ہر چھلاوے سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔ خانقاہیں اگر انسانی اقدار کی نگہبانی کے فرائض انجام دینے کی بجائے ان کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھالیں تو غریب تصوف کس کے دامن میں پناہ لے گا۔

مندرجہء ذیل ایک ہی شعر میں شاعر نے مسلمانوں کے زوال کی مکمل تاریخ اور اس کے اسباب رقم کردئے ہیں۔

؎

وَمَا اَفسَدَ الدِّینَ اِلَّا المُلُوك
وَاَحبَارُسُوءٍ وَ رُھبَا نُھَا

(یعنی دین کی بگاڑ کا سبب ہر دور میں ظالم سلاطین، علماءِ سوء، اور دنیا دار خانقاہ نشین لوگ ہی ثابت ہوئے) غرض کسی خلیفہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے پیر بھائی کو اپنا مرید سمجھے۔

خلفاء اپنے پیر بھائیوں سے کیسا برتاؤ اپنائیں

" خلفاء اپنے برادرانِ طریقت کے ساتھ برابری کا برتاؤ کریں اور ان سے اخلاق و محبت و مروت سے پیش آئیں، ان کی عزت کریں اور جو اُن میں اُن سے پیشتر کے ہوں ان کی عظمت کریں، اپنے برادرانِ طریق کی تصغیر اور چھوٹائی اور کمی رتبہ کے اعتبار سے ان پر نظر نہ کریں، اور ان سے ٹھٹول نہ کریں، ان کی ہتک اور ان پر غصہ نہ کریں، ان کو ڈانٹ نہ بتائیں۔ کوئی تحکمانہ لہجہ سے نہ پیش آئیں، اپنی بڑائی جتا کر اُن کو زیر بار نہ کریں، کوئی پیر بھائی اگر اس کی خدمت از خود کرنے تیار ہو یا کرے تو اس کو اپنے شیخ کی خدمت کرنے کے لئے تشویق و ترغیب دے۔ باوجود اس کے اگر کوئی اس کی خدمت کرے تو اس کو قبول کرے۔"

(مقصدِ بیعت ص ۷۵، ۷۶)

مندرجہء بالا عبارت کے آئینہ میں خلفاء کہلانے والے حضرات اپنا چہرہ ضرور دیکھیں۔

☆☆☆☆☆

آدابِ شیخ برائے خلفاء

پندرھویں صدی کی پیری مریدی میں خلیفہ، خلافت ملنے کے بعد شیخ سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ وہ خود کو شیخ کا ہم پلّہ یا اس سے بھی زیادہ اونچے مرتبہ کا بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔ (الّاماشاءاللہ) وہ اپنی شخصیت کو تمام خوبیوں میں فرد تصور کرنے لگتا ہے۔ خود پرستی کی اس نحوست سے معدودے چند خوش نصیب افراد ہی بچ پاتے ہیں۔

حضور قبلہ گاہی کعبہ کماہی کنز العرفان ابوالایقان غوثی شاہ صاحب قبلہ قادری و چشتی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ

"بعدِ خلافت کوئی خلیفہ اپنے آپ کو کسی حیثیت سے بھی شیخ سے بےنیاز نہ سمجھے بلکہ اس ذمہ دراى کی وجہ سے اور زیادہ حصولِ فیضان کے لئے اپنے آپ کو محتاجِ فیض سمجھے۔ مزید فیضانِ علم و روحانیت کا حریص ہو۔ اپنی خلافت کی بڑائی کو ایک نعمتِ حق سمجھے اور اس کا شکر کرے۔ اپنے قلب میں کسی وجہ سے بھی یہ خطرہ نہ لائے کہ میں شیخ سے بھی بڑھ گیا ہوں یا کم ازکم شیخ کے مساوی و برابر ہوگیا ہوں۔ اسی طرح شیخ کے ارشادات سے یا مریدین کے تخاطب کے وقت یا کسی مواعظ کے موقع پر بلاوجہ یا کوئی عذر لنگ کرکے اس مقام سے علیٰحدہ ہوکر فیضان سے محروم نہ ہوجائے۔ (مقصدِ بیعت ص ۷۱)

سیدی کنز العرفان علیہ الرحمۃ والرضوان کی یہ نصیحت بھی لوحِ دل پر لکھی جانے کے قابل ہے۔

فرماتے ہیں کہ

"بعدِ خلافت خلیفہ کو اپنی وقعت آپ کرنی پڑتی ہے اور اسکو دوسرں کے لئے نمونہ بننا پڑتا ہے۔ اسکے لئے اپنے اخراجات کو زیادہ نہ بڑھائے۔ معاشرت کو اپنے حدود کے اندر وسعت دے تاکہ بے جا خرچ کی وجہ سے دوسرے مصائب میں مبتلا نہ ہو۔ قرض لینے سے احتراز کرے۔ اِلّا بضرورتِ شدید لے بھی تو اندرونِ مدت کسی طرح بھی ادا کردے۔ اگر وہ متوکل ہو اور اسکو کسی قسم کی فتوحات حاصل ہوتے ہوں تو اول وُہلہ میں ادائی قرض کا انتظام کرے۔ اپنی خواہشات و ضروریات کو ترجیح نہ دے۔ تعویق میں نہ ڈالے اور اگر کوئی خلیفہ کسی مقام و سفر میں اپنے شیخ کے ہمراہ ہو تو کسی شخص کو بغیر اجازتِ شیخ اس موقع پر اپنا مرید نہ بنائے اور اسی طرح جانشینِ شیخ کی عظمت پیشِ نظر اور شیخ کے اہل و عیال کا احترام و ادب ملحوظ رکھے۔" (مقصدِ بیعت ص ۷۱ ، ۷۲)

راقم الحروف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اُسے زیرِ نظر تصنیف میں صرف ایک ہی کتاب "مقصدِ بیعت" سے بہت سے اقتباسات پیش کرنے پڑے۔ ایسا کرنا ناگزیر تھا کیونکہ "مقصدِ بیعت" میں کچھ ایسے نہایت اہم مضامین ہیں جو اس قبیل کی دوسری تصانیف میں اس قدر شرح و بسط اور مخصوص کیفیت اور معنویت کے ساتھ نہیں پائے گئے۔ مذکورہ تصنیف اپنی جامعیت کے

پہلو سے تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے عموماً اور خصوصاً سلسلہء آمریہ سے وابستہ اشخاص کے لئے قابلِ مطالعہ کتابوں میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

☆☆☆☆☆

مقصدِ بیعت

بیعت سے ذکر و فکر کی دولت ہاتھ آتی ہے۔ محبتِ خداوندی، عشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، توجہ بحق، کمالِ توحید اور تقربِ باری تعالیٰ جیسی بے بہا نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ ان تمام نعمتوں کی بنیاد اور ثمرہ دو نعمتیں ہیں اور وہ ہیں یادِ حق اور یافتِ حق۔ یعنی خدا کو علی الدوام یاد کرنا۔ اور خدا کو پانا۔ المختصر "یادِ حق اور یافتِ حق" ہی مقصدِ بیعت ہے۔

حضور سیدنا شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دیوان "مخزن العرفان" میں فرماتے ہیں کہ

ذو العین ہو کمالا جز یاد و یافتِ حق
نیں دو جہاں کی تیرے بہبود کا سجل

بیعت سے پیشتر بھی ہر مسلمان خدا کو یاد کرتا ہے۔ بیعت کے بعد اسے پیر ذکر علی الدوام (ہمیشہ جاری رہنے والا ذکر) کا حکم دیتا ہے اور اس کا طریقہ سکھاتا ہے۔ تاکہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کے ذکر سے محروم نہ رہ سکے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(لمحہ بھر کے لئے بھی اس بادشاہِ حقیقی سے غافل نہ رہنا شاید کہ وہ تجھے کبھی خصوصی کرم کی نگاہ سے دیکھے اور تجھے خبر بھی نہ ہو)

اس طرح بیعت کی وجہ سے ذکرِ خدا کو انسان کی زندگی میں دوامی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔ یہ بیعت کا بہت اہم رول ہے۔ جس کے نتیجہ میں مرید خواجہ میر دردؔ کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی ابدی سعادت سے سرفراز ہوجاتا ہے۔

غافل خدا کی یاد کو مت بھول زی نہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

(خواجہ میر دردؔ)

☆☆☆☆☆

فضیلتِ ذکر

حق تعالٰی قرآنِ مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (البقرہ ۲:۱۵۲)

ترجمہ : ''سو تم میرا ذکر کیا کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو''

اور ارشاد فرماتا ہے

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآئَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًاط فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ (البقرہ، ۲:۲۰۰)

'' پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو (مِنیٰ میں) اللہ کا خوب ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا (بڑے شوق سے) ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ شدتِ شوق سے (اللہ کا) ذکر کیا کرو، پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (ہی) عطا کردے اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے○''

اور ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوۡداً وَّعَلٰی جُنُوۡبِھِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ج رَبَّنَا مَاخَلَقۡتَ ھٰذَا بَاطِلاً ج سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران، ۳:۱۹۰، ۱۹۱)

"بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقل سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ۝ یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بنکر) کھڑے اور (سراپا ادب بنکر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کار فرما اس کی عظمت اور حُسن کے جلووں) میں فکر کرتے رہتے ہیں (پھر اس کی معرفت سے لذت آشنا ہوکر پکار اُٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا تو (سب کوتاہیوں اور مجبوریوں سے) پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے ۝"

اور ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوۡداً وَّعَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ج فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ج اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتَاباً مَّوۡقُوۡتاً ۝ (النساء، ۴: ۱۰۳)

"پھر اے (مسلمان مجاہدو!) جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہر حال میں) اللہ کا ذکر کرتے

رہو۔ پھر جب تم (حالتِ خوف سے نکل کر) اطمینان پالو تو نماز کو (حسبِ دستور) قائم کرو۔ بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے○"

اور فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى لا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

(النساء، ۴:۱۴۲)

" بیشک منافق (بزعمِ خویش) اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ انہیں (اپنے ہی) دھوکے کی سزا دینے ولا ہے۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ (محض) لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کا بہت ہی کم ذکر کرتے ہیں○"

اور فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (الاعراف، ۷:۲۰۵)

" اور اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کیا کرو عاجزی و زاری سے اور خوف و خستگی سے اور میانہ آواز سے پکار کر بھی، صبح و شام (ذکرِ حق جاری رکھو) اور غافلوں میں سے نہ ہوجاؤ○

اور فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَاناً وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۝ (الانفال، ۸ : ۲)

" ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (انکے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اسکی عظمت و جلال کے تصور سے) لرز جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت افریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کردیتی ہیں اور وہ (ہرحال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)۔"

اور فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡراً لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ (الانفال، ۸ : ۴۵)

" اے ایمان والو ! جب (دشمن کی) کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ ۝"

اور ارشاد فرماتا ہے۔

قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِيۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ۝ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ۝

(الرعد، ۱۳ : ۲۷، ۲۸)

فرمادیجئے! بیشک اللہ جسے چاہتا ہے (نشانیوں کے باوجود) گمراہ کردیتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنی جانب رہنمائی فرما دیتا ہے۝ جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے

مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے ؀"

اور فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکھف، ۲۴:۱۸)

"اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے" (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد فرماتا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ؀

(الکھف، ۲۸:۱۸)

"(اے میرے بندے) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھ جو صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اس کی رضا کے طلبگار رہتے ہیں تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں، کیا تو (ان فقیروں سے دھیان ہٹا کر) دنیوی زندگی کی آرائش چاہتا ہے اور تو اس شخص کی اطاعت (بھی) نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اسکا حال حد سے گذر گیا ہے؀"

اور ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ؀ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

فَاعْبُدْنِیْ لا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ (طہ، ۲۰: ۱۳-۱۴)

" اور میں نے تمہیں (اپنی رسالت کے لئے) چن لیا ہے پس تم پوری توجہ سے سنو جو تمہیں وحی کی جارہی ہے○ بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کیا کرو اور میرے ذکر کی خاطر نماز قائم کیا کرو○ "

اور ارشاد فرماتا ہے۔

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکاً وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْراً ○ قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا ج وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ○

(طہ، ۲۰: ۱۲۴-۱۲۶)

" اور جس نے میرے ذکر سے روگردانی کی تو اسکے لئے دنیاوی معاش (بھی) تنگ کردیا جائے گا اور ہم اسے قیامت کے دن (بھی) اندھا اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے (آج) اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں (دنیا میں) بینا تھا ○ارشاد ہوگا ایسا ہی (ہوا کہ دنیا میں) تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں پس تو نے انہیں بھلا دیا اور آج اسی طرح تو (بھی) بھلا دیا گیا ہے○"

اور ارشاد فرماتا ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَفِیْھَا اسْمُہٗ لا یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ رِجَالٌ لا لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ لا یَخَافُوْنَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ط وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ○ (النور، ۲۴: ۳۶۔۳۸)

"(اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں (مساجد اور مراکز) میں (میسر آتا ہے) جن (کی قدر و منزلت) کے بلند کئے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے (یہ وہ گھر ہیں کہ اللہ والے) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں○ (اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی○ تاکہ اللہ انہیں ان (نیک اعمال) کا بہتر بدلہ دے جو انہوں نے کئے ہیں اور اپنے فضل سے انہیں اور (بھی) زیادہ (عطا) فرما دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق (و عطا) سے نوازتا ہے○"

اور فرماتا ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا

تَصْنَعُوْنَ○ (العنکبوت، ۴۵:۲۹)

" (اے محبوب) آپ تلاوت فرمائیں جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم رکھیں بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے اور بیشک اللہ کا ذکر (ہر ذکر سے) بہت بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ○"

اور ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذَّاكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْراً وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْراً عَظِیْماً○ (الاحزاب، ۳۵:۳۳)

" بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور عاجزی کرنیوالے مرد اور عاجزی کرنیوالی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور (اللہ کا بہت) ذکر کرنے والی عورتیں اللہ نے ان (سب) کیلئے بخشش اور

بہت بڑا ثواب تیار کیا ہے۔"

اور حکم دیتا ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا ۝ (الاحزاب، ۳۳:۴۱،۴۲)

" اے ایمان والو تم اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے کیا کرو۔اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔"

اور فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ۝

(الزحزف، ۴۳:۳۶)

" اور جو اندھا بن گیا رحمٰن کے ذکر کی طرف سے ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں تو وہ (ہر وقت) اس کا ساتھی رہتاہے۔" اور فرماتا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی لا عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۝

(النجم، ۵۳:۲۹)

" تو آپ اپنی توجہ اس سے ہٹالیں جس نے ہمارے ذکر سے رو گردانی کی اور اس نے نہ چاہا مگر دنیا کی زندگی کو۔"

اور تاکید فرماتا ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا

قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (الجمعة، ۶۲:۹، ۱۰)

"اے ایمان والو جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کیلئے اذان دی جائے تو فوراً تیاری کرو اللہ کے ذکر کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم جانتے ہو۝ پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۝"

اور ارشاد فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنٰفقون، ۶۳:۹)

"اے ایمان والو (کہیں) تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کرے، تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۝"

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا۝ (المزمل، ۷۳:۸)

"اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور سب سے کٹ کر اسی کا ہو رہ ۝"

قرآنِ پاک میں ان آیاتِ کریمہ کے علاوہ اور کئی آیتیں ذکر کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں ہم جنہیں یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل نہ کرسکے۔

☆☆☆☆☆

احادیثِ فضیلتِ ذکر

احادیثِ شریفہ میں بھی ذکرِ خداوندی کی فضیلت پر بیشتر روایات موجود ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہاں نقل کی جاتی ہے۔

عن أبی موسی رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی والمیت۔ (۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۴ (۲) منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۲۵۶، رقم: ۲۳۰۳ (۳) عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۲۱۰، رقم: ۶۰۴۴ (الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۴۷)

"حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔"

اس حدیث شریف میں ذکر کو حیات اور غفلت کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی جو خدا کو یاد کرتا ہے حقیقت میں وہی شخص زندہ ہے اور زندگی سے حاصل ہونیوالے تمام فوائد سے مالامال ہے۔ اسے دین بھی حاصل ہے اور دنیا بھی۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ نہایت وقیع اور گراں بہا ہے۔ وہ بظاہر تنگدست اور فاقہ مست ہی کیوں نہ ہو دنیاداروں سے بہت بلند مرتبہ کا مالک ہے اسے رسولِ خدا کی پیروی کا شرف حاصل ہے اسے خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کی دولت حاصل ہے جس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا۔

اس کے برعکس جو خدا کی یاد سے غافل ہے اُس کے اور حقیقی زندگی کے درمیان دو انتہاؤں کا فاصلہ حائل ہوتا ہے۔ وہ اپنے معبودِ برحق اور اپنے مالک و مولیٰ کی فردوس بداماں یادوں سے محروم ہے اور غفلت و معصیت کے شعلوں میں اس کا وجود بُری طرح جھلس رہا ہے۔ [1]

ذکرِ سرّی اور ذکرِ جہری دونوں پسندیدہ طریقے ہیں

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول الله عزوجل: أنا عند ظن عبدی و أنا معه حين يذكرنی فان ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی و إن ذكرنی فی ملأ ذكرته فی ملأ خير منه و إن اقترب إلی شبرا تقربت إليه ذراعا و إن اقترب الی ذراعا اقتربت إليه باعا و إن أتانی يمشی أتيته هرولة ـ

" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے، پس اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (ذکر بالسر) کرے تو میں بھی اپنے دل میں اسکا ذکر (ذکر بالسر) کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر (ذکر بالجہر) کرے تو میں اس کی

---

[1] یہاں غفلت اور معصیت کو دوزخ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر (ذکر بالجہر) یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک آئے تو میں دو ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔"

(۱) مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۶۷، رقم ۲۶۷۵ (۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۵۸۱، رقم: ۳۶۰۳ (۳) ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۲۵۵، رقم: ۳۸۲۲ (۴) احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۱، رقم: ۷۴۱۶ (الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۵۰، ۵۱)

اس حدیث قدسی کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو دوران ذکر اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ ہر مذکور ذاکر سے دور ہوتا ہے مگر اللہ عزوجل اپنے یاد کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کیسا رحیم و کریم ہے کہ اپنے یاد کرنے والے کو اپنے قرب کی دولت عطا فرماتا ہے۔ بندہ جب خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا اسے صرف یاد ہی نہیں کرتا بلکہ اسکے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ بندوں کا یہ حال ہے کہ انہیں یاد کرنے والا یاد کرتا ہے لیکن وہ اسے یاد نہیں کرتے۔ مخفی مباد کہ خدا کا قرب یا معیت (ساتھ رہنا) بندوں کے قرب و معیت سے یکسر مختلف حقیقت ہے۔ یہ قرب و معیت قربِ مکانی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

اس حدیث پاک سے ذکرِ سرّی (پاس انفاس) جسے سانس کا ذکر کہتے ہیں ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث شریف سے ذکر جہری یا اجتماعی ذکر (حلقہء ذکر) بھی درجۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔

معلوم ہوا کہ صوفیہ صافیہ کے معمولات کی اساس قرآن مجید اور حدیث شریف پر قائم ہے۔

ع

اے مدعی تو عظمتِ پیراں چہ شناسی

(اے مدعی تو پیروں کی عظمت کیا جانتا ہے)

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنا ذِکر کرنے والوں پر فخر فرماتا ہے

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه، قال : خرج معاویة على حلقة فی المسجد فقال......إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه علیه واله وسلم خرج على حلقة من أصحابه۔ فقال: ما أجلسكم ؟ قالوا : جلسنا نذكر اللّٰه و نحمده على ما هدانا للإسلام و منّ به علينا قال: اللّٰه ما أجلسكم إلا ذاك قالوا: واللّٰه ما أجلسنا إلا ذاك ، قال : أما إنی لم استحلفكم تهمة لكم ولكنه أتانی جبريل فأخبرنی أن اللّٰه عز وجل يباهی بكم الملائكة۔

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک حلقے کے پاس آئے اور کہا:......

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ایک حلقے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آپ کس لیے بیٹھے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ہم اللہ کا ذکر کرنے، اور اس نے جو ہمیں اسلام کی ہدایت عطا فرما کر احسان فرمایا ہے، اس پر اس کا شکر بجالانے کے لیے بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حلفاً کہتے ہو کہ تمہیں اسی چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہمیں صرف اسی چیز نے بٹھایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم سے کسی شبہ کی بنا پر حلف نہیں لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جبریل نے آکر مجھے بتایا ہے کہ اللہ عزوجل فرشوں کے سامنے تم پر فخر فرما رہا ہے۔" (۱)(مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۷۵، رقم: ۲۷۰۱)(۲)(ترمذی، السنن، ۵: ۴۶۰، رقم: ۳۳۷۹)(الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۵۸، ۵۹) [1]

اس حدیث کے مضمون سے ثابت ہوا کہ اجتماعی ذکر کرنے والے انسانوں کے ذکر کی وجہ سے حق تعالیٰ فرشتوں پر فخر و مباہات فرماتا ہے۔ حلقۂ ذکر میں شامل ہوکر ذکرِ خداوندی کرنیوالوں کو مژدہ ہو کہ ان کا یہ عمل خدائے عزوجل کو بہت عزیز ہے۔ وہ خانقاہیں قابلِ صد مبارکباد ہیں جن میں مسلسل ذکر کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اللہ عزوجل کے نام سے ان کے در و دیوار گونجتے رہتے ہیں اور اس کے ذکر کی خوشبو سے انکا گوشہ گوشہ مہکتا رہتا ہے۔ خدا کی رحمت سے امید واثق ہے کہ جن کی وجہ سے وہ فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے ان لوگوں کو دنیا اور آخرت میں

---

[1] الکنز الثمین میں اور چھ حدیث کی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ (رضاء الحق آمری)

جن و انس کے آگے رسوا نہیں فرمائے گا۔ انہیں حسنِ عمل اور اس پر استقامت کی سعادت مرحمت فرما کر دونوں جہاں کی عزتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

فرشتے مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه واله وسلم: ان لله ملائكة يطوفون فی الطرق يلتمسون أهل الذكر، فإذا وجدوا قوما يذكرون الله، تنادوا : هلموا إلى حاجتكم ......إلى آخر الحديث۔ (بخاری، الصحيح ، ۵:۲۳۵۳، رقم : ۶۰۴۵) [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہل ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔"

(الکنز الثمين فی فضيلة الذکر و الذاکرين ص ۶۵)

اجتماعی ذکر کرنے والوں کو مژدہ ہو کہ فرشتے ہمہ وقت ان کی تلاش میں رہتے ہیں۔ بہت مبارک ہیں وہ آدمی زادے جو مطلوبِ ملائک ہیں۔ غیر معصوم کی تلاش معصوم کرے، نوری مخلوق

---

[1] "الکنز الثمین" میں اس کے علاوہ اور چار کتب حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (رضاء الحق آمری)

خاکیوں کو ڈھونڈنے میں مصروف رہے۔ یہ کتنی مسرت افزا بات ہے۔ ذکر و فکر اور عبادت و اطاعت کے ذریعہ انسانِ کامل ہونے کا شرف رکھنے والے افراد کے بارے میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔

ماز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم
زیں دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست

حلقہء ذکر میں فرشتے موجود ہوتے ہیں

عن أبی هـريرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه واله وسلم قال : ان للّٰه تبارك وتعالی ملائكة سيارة فضلا يتبعون مجالس الذكر فاذا وجد وا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم ...... إلی آخر الحديث۔(مسلم، الصحيح)(الكنز الثمين فی فضيلة الذكر والذاكرين ص ٦٥)[1]

ترجمہ: ” حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ سیاحت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں جب وہ ذکر کی کوئی مجلس پالیتے ہیں تو اہلِ ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔“

---

[1] ” الکنز الثمین “ میں اس کے علاوہ اور چار کتب حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (رضاء الحق آمری)

اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی مجلسِ ذکر فرشتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ اجتماعی ذکر کرنیوالے آدمیوں کے ہمراہ ملائکہ بھی موجود ہوتے ہیں۔ مجالسِ ذکر میں شریک ہونے والے اس احساس کے ساتھ شرکت کریں کہ ہمارے ساتھ خدا کے معصوم بندے محوِ ذکر ہیں۔ دورِ حاضر کا مسلمان ذکر کی محفلوں میں شرکت کرنے سے گریز کرتا ہے اور عدیم الفرصتی کا عذر کرتا ہے اسے خبر نہیں کہ مجلسِ ذکر میں شریک ہونے کے صلہ میں اسے نہ صرف فرشتوں بلکہ اپنے رب جل و علا کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ یہ زریں موقع ہاتھ سے جانے نہ دے۔ عقل وحکمت کے معیاروں پر کھرا اترنے والا شخص ایسی متبرک اور مقدس محفلوں کی اہمیت کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

اجتماعی ذکر کے فوائد و برکات

”عن أبی هریرة وابی سعید الخدری: انهما شهدا علی النبی صلی اللّٰه علیه واله وسلم انه قال: لا یقعد قوم یذکرون اللّٰه عزوجل إلا حفتهم الملائکة وغشیتهم الرحمة ونزلت علیهم السکینة وذکرهم اللّٰه فیمن عنده۔

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں

انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی جماعت میں کرتا ہے۔" (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۷۴، رقم:۲۷۰۰)(الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۶۸ ، ۶۹) [1]

فرشتوں کا قرب، رحمتِ ایزدی کی آغوش میں پہنچ جانا، سکون و راحت کا حصول اور حق تعالیٰ کا فرشتوں کی مجلس میں ذاکرین کا تذکرہ فرمانا جیسی گراں قدر نعمتیں ذکر کی محافل میں حاصل ہوتی ہیں۔

رحمتوں کا حساب کون کرے

عن ابی هريرة او عن ابی سعيد قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واله وسلم ان للّٰه ملائكة سياحين فی الارض، فضلا عن كتّاب الناس، فاذا وجدوا اقواما يذكرون اللّٰه تنادوا: هلموا الی بغيتكم فيجيئون فيحفون بهم الی سماء الدنيا فيقول اللّٰه: أی شئی تركتم عبادی يصنعون؟ فيقولون: تركناهم يحمدونك ويمجدونك ويذكرونك قال: فيقول: فهل رأونی؟ فيقولون: لا، قال: فيقول: فكيف لو رأونی؟ قال: فيقولون: لو رأوك لكانوا أشد تحميدا و أشد تمجيدا و أشد لك ذكرا، قال: فيقول: وأیّ شئی يطلبون؟

---

[1] "الکنز الثمین" میں اس کے علاوہ اور تیرہ کتابوں کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔

(رضاء الحق آمری)

قال : فیقولون: یطلبون الجنة، قال: فیقول:وهل رأوها؟ قال:فیقولون:لا، فیقول :فکیف لو رأوها؟ قال:فیقولون:لو رأوها لکانوا أشد لها طلبا، قال: فیقول: فمن أی شئی یتعوذون ؟ قالوا: یتعوذون من النار، قال: فیقول: وهل رأوها؟ فیقولون: لا، فیقول: فکیف لورأوها؟ فیقولون: لو رأوها لکانوا منها اشد هربا، واشد منها خوفا، وأشد منها تعوذا، قال : فیقول: فإنی أشهد کم أنی قد غفرت لهم، فیقولون : إن فیهم فلانا الخطاء، لم یردهم إنما جاء هم لحاجة، فیقول: هم القوم لا یشقی لهم جلیس۔

''حضرت ابوہریرہ یا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ چنانچہ وہ آتے ہیں اور اہل مجلس کو آسمان دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندوں کو کس حالت پر چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم نے آپ کے بندوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ آپ کی حمد اور پاکیزگی بیان کررہے تھے اور تیرا ذکر کررہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ''نہیں''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: (یااللہ!) اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو (پہلے سے) کہیں زیادہ آپ کی تعریف اور بزرگی اور کہیں زیادہ آپ کا ذکر کریں۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جنت مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی شدید طلب اور حرص کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں: (جہنم کی) آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں ''نہیں۔'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو انکا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: (یااللہ!) اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بہت زیادہ بھاگتے، بہت ڈرتے اور پناہ مانگتے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ وہ عرض کرتے ہیں: (الٰہی!) ان میں فلاں آدمی بہت گناہگار ہے، وہ ذکر سننے کے لئے نہیں بلکہ اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بھی محروم اور بدبخت نہیں رہتا۔''

(ترمذی ، الجامع الصحیح، ۵:۵۷۹، رقم: ۳۶۰۰) الکنز الثمین فی فضیلة الذکر والذاکرین ص ۷۴، ۷۵، ۷۶)

چند لمحے ذاکرین کی صحبت میں گزارنے والے گناہگار پر لطف و کرم کی یہ بارشیں کہ اس کی عمر بھر کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ اُسے نہیں دیکھا جاتا بلکہ وہ جن کی پناہ میں آچکا ہے انہیں

دیکھا جاتا ہے۔ ذکر والوں کی صحبت میں گھڑی دو گھڑی بیٹھنے کی یہ فضیلت ہے تو جو اولیاء اللہ کی صحبت میں عمر بھر رہنے کی سعادت سے سرفراز ہو وہ خوش بخت انسان خدا کی آغوشِ کرم سے کس طرح دور رہ سکتا ہے۔ جو لوگ اہل اللہ کی صحبت کے فضائل و برکات کے منکر ہیں انہیں اس حدیث کے پیغام پر غور کرنا چاہئے۔ ذکر کرنے والوں پر دنیا کی دو روزہ زندگی میں نازل ہونے والی رحمتوں کا یہ عالم ہے تو آخرت کی ابدی زندگی میں انہیں ملنے والی سعادتوں اور بلندیوں کا کیا حال ہوگا۔ جو ہنوز لذتِ دیدار سے ناآشنا ہیں خدا کی شانِ کریمی ان پر مغفرت و رحمت کے خزانے لٹاتی ہے جب قیامت میں وہ دیدار کی دولت سے مالامال ہوجائیں گے تو ان کی مسرتوں کا کیا عالم ہوگا۔

عبدیت کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ خدا کو بہت زیادہ یاد کرے رسولِ خدا کی تعلیمات کا پیغام یہی ہے کہ خدا کو نہ صرف یاد کیا جائے بلکہ اتنی کثرت سے یاد کیا جائے کہ لوگ دیوانہ کہیں۔

"عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم قال: أکثروا ذکر اللّٰہ تعالی، حتی یقولوا مجنون۔

" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔" احمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۸، رقم:۱۱۶۷۱

(الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین، ص۹۳،۹۴) [1]

---

[1] " الکنز الثمین "میں اس کے علاوہ اور سولہ کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (رضاء الحق آمری)

ذکر علی الدوام (دائمی ذکر) کا ثبوت

عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال: وفد موسی علیه السلام إلی طور سیناء، قال: یارب! أی عبادك أحب إلیك؟ قال: الذی یذکرنی ولا ینسانی۔

"حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام طورِ سینا پر تشریف لے گئے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ فرمایا: وہ جو ہر وقت میرا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اور مجھے بھولتا نہیں۔" بیہقی، شعب الایمان، ۱: ۴۵۱، رقم: ۶۸۱ (الکنز الثمین ص ۱۳۹) [1]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو دوام ذکر مطلوب ہے۔ اسی لئے ہمارے سلسلہ میں پاس انفاس (کے ذکر) پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ پاس انفاس کو سانس کا ذکر بھی کہا جاتا ہے۔ پاس انفاس کے ذریعہ سالک دست بکار دل بیار رہتا ہے [2]۔ وہ کسی حال میں اپنے رب کو فراموش کرنے کے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔

---

[1] "الکنز الثمین" میں اس کے علاوہ اور چار کتب حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔

[2] دست بکار دل بیار کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ مختلف کاموں میں رہے اور دل خداوندقدوس کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ مخفی مبادکہ نماز و روزہ زکوٰۃ و حج وغیرہ فرائض سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوئے بغیر صرف پاس انفاس کے ذکر کو نجات کا وسیلہ سمجھنے والے لوگ شریعت کی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

یافتِ حق

یافت کا لغوی معنیٰ ''پانا'' ہے۔ یافتِ حق یعنی خدا کو پانا۔
یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ خدا کو پانا اور مخلوق کو پانا دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ جس طرح مخلوق کو پایا جاتا ہے اس طرح خدا کو نہیں پایا جاسکتا۔ ''یافتِ حق'' تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ صوفیۂ کرام نے اصطلاحاتِ تصوف کی تفہیم و تشریح کی غرض سے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس موضوع پر لکھی ہوئی (اردو اورعربی میں) کئی کتابیں احقر کی نظر سے گزری ہیں انہیں کتابوں میں ''سرِّ دلبراں'' بھی ہے جو اردو زبان میں قلمبند کی گئی ہے۔ میں نے زیرِ نظر تصنیف میں مذکورہ کتاب (''سرِّ دلبراں'' مصنفۂ حضرت شاہ سید محمد ذوقی) کے حوالے بھی پیش کئے ہیں۔
لغوی معنیٰ اور ہوتا ہے اور اصطلاحی معنیٰ اور ۔ غالب کہتا ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اصطلاحاتِ تصوف علمی بھی ہوتی ہیں اور شاعرانہ بھی۔
ا۔ احدیت، وحدت، واحدیت، برزخ، عروج، نزول، وجود، شہود،

تجدِدِ امثال، سکر و صحو، قبض و بسط وغیرہ علمی مصطلحات (اصطلاحات) کی مثالیں ہیں۔

۲۔ قد، قامت، زلف، خط، خال، ابرو، رخسار، لب، دہن، بادہ ساغر، ساقی وغیرہ شاعرانہ اصطلاحاتِ تصوف ہیں۔ ناواقفیت کی وجہ سے بعض کم علم لوگ فنِ تصوف کی اصطلاحات کو لغوی معنیٰ پہنا دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس قماش کے لوگوں کے عقائد خراب ہوجاتے ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك

راقم الحروف کے نویں دادا پیر (جو شاہ کمال دوم شمع خاندان چشت علیہ الرحمہ کے پیر ہیں) حضرت سید محمد حسینی شاہ میر بادشاہ بخاری اول قدس سرہٗ جن کا مزار پرانوار تل پول (ضلع اننت پور آندھرا پردیش) میں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں۔

مصطلح اہل حقائق کا سخن
نیں لغت سے کام ان کو اے صحاب

کیا فنا اور کیا بقا موت و حیات
یاد و غفلت انکشاف و احتجاب

عینیت اورغیریت وصل و فراق
ذوق و وجدان و یقین ریب و نقاب

کفر و ایمان راہ منزل اور مقام
سیر و طیر و جذب و سعی و اکتساب

نفی اور اثبات اور قرب و حضور
بے خودی و باخودی کشف و حجاب

یہ مسائل اصطلاحی ہیں سمجھ
یک بیک واللہ اعلم بالصواب

(تذکرۂ حضرت شہ میر اولیاء رحمۃ اللہ علیہ از حکیم محمود بخاری ص ۱۴)

مذکورۂ بالا اشعار کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ حقائق (صوفیۂ کرام) کی گفتگو اصطلاحات سے مملو ہوتی ہے۔ فنا، بقا، موت، حیات، یاد، غفلت، انکشاف، احتجاب، عینیت، غیریت، وصل، فراق، ذوق، وجدان، یقین، ریب، نقاب، کفر، ایمان، راہ، منزل، مقام، سیر، طیر، جذب، سعی، اکتساب، نفی، اثبات، قرب، حضور، بےخودی، باخودی، کشف، حجاب یہ سب اصطلاحیں ہیں۔ فنِ تصوف کا تعلق صرف ان کے اصطلاحی معنوں سے ہوتا ہے۔ ان کے لغوی معنوں سے نہیں۔

پیر اپنے مرید کو ان الفاظ کے اصطلاحی معانی سے روشناس کراتا ہے۔ بیعت اس تعلیم و تعلّم کی کلید ہے۔ لٰہذا بیعت کی ناگزیریت مُسلمّات میں سے ہے۔ الغرض ''یافتِ حق'' کا اصطلاحی معنیٰ وہ نہیں جو ''یافتِ حق'' کا لغوی معنیٰ ہے۔ یافت کی ایک قسم شہود کہلاتی ہے۔

مرشدِ تامُ المعرفت کی صحبت میں انفس و آفاق کے رازہائے سربستہ بے نقاب ہونے لگتے ہیں عرفانِ نفس کا آخری مرحلہ طے

ہوتا ہے تو عرفانِ حق کی منزل کی روح پرور وجدآفریں اور حیرت انگیز فضا سالک کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتی ہے۔ یہ دیکھی بھالی دنیا اسے انجانی سی لگنے لگتی ہے پھر اس اجنبی سے ماحول میں اسے ایک نہایت حسین اپنائیت اور بے تکلفی محسوس ہوتی ہے۔ اس کیفیت سے دوچار ہوکر انسان پورے نظام کائنات اور اپنے وجود کو ایک اکائی کی شکل میں دیکھنے لگتا ہے۔ وہ زندگی کو عذاب سمجھنے کی بجائے خدا کا بہت بڑا انعام قرار دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ یہ عجائبِ قدرت سے مالامال دنیا اسے اور عجیب و غریب نظر آنے لگتی ہے۔ ہوائیں اس سے اپنا رازِ دل بیان کرتی ہیں۔ فضائیں اس سے سرگوشیاں کرتی ہیں۔ ہر حادثہ اسے درسِ عبرت دیتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں رونما ہونے والا ہر معمولی واقعہ اسے حکمت کے ہزاروں سبق پڑھاتا ہے۔ زمانے کی ہر کروٹ اس میں نئی ہمت و جرأت اور نیا حوصلہ اور سلیقہ پیدا کرتی ہے۔ وہ خدا کی فرمانبرداری اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کے جذبات کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے۔ یہ وسیع و عریض اور عظیم کائنات جس ذاتِ ستودہ صفات کے نورِ پاک سے ظہور میں آئی ہے۔ اس ذات کے جلوے اس شخص کی آنکھوں کو نئی بینائی عطا کرتے ہیں اور اس کی روحانی کیفیت کو جاودانی لذت و فرحت بخشتے ہیں۔

وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے کراں رحمتوں کی فردوس بداماں دنیا میں آباد ہوجاتا ہے، اور زبانِ حال سے یہ شعر گنگنانے لگتا ہے۔

تمنائے دیدار کیسی کہ ہر دم
نگاہوں میں دیدِ نبیؐ کا سماں ہے
(سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ)

وہ ہمہ وقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدارِ گہربار سے مشرف ہونے والے خوش نصیب لوگوں کی صف میں شامل ہوجاتا ہے وہ لمحہ بھر کے لئے بھی اس دولتِ بیدار سے محروم ہونے کو کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسے شیخ ابو العباس مرثی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"لو حجب عنی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم طرفة عین ماعددت نفسی من جملة المسلمین

اگر پلک جھپکنے کی مدت کے لئے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رخ اقدس میری نظروں سے اوجھل ہوجائے تو میں خود کو مسلمان تصور نہیں کرتا۔" (روح المعانی، الاحزاب:۴۰) حقیقتِ تصوف، ص ۱۶۹)

اللہ اللہ ! کس قدر عظیم و جلیل ہیں وہ ہستیاں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ اقدس کی زیارت کے دوامی تسلسل کو اسلام اور لمحہ بھر کے لئے بھی اس سعادت سے محرومی کو کفر کا نام دے رہی ہیں۔ شاعر بارگاہ نبوی میں عرض گذار ہے

دکھا دو اپنا چہرہ پیارا پیارا یارسول اللہ
خدا کا جیتے جی کر لوں نظارا یا رسول اللہ

رسولِ ہاشمی و مطلبی فداہ امی و ابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من رآنی فقد رآی الحق

" حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے دو معنی ہوسکتے ہیں، جس نے مجھے دیکھا اُس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا، اس لئے کہ ابلیس لعین میری صورت اختیار نہیں کرسکتا اور دوسرے یہ کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ رب العزت کو دیکھا۔ (شمائم امدادیہ : ۹۳)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو جمالِ خُداوندی کا آئینہ قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اما وجہ شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم مرات جمال الٰہی است و مظہر انوار نا متناہی وے بود۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے منور ربِ ذُوالجلال کے جمال کا آئینہ ہے اور اس قدر اللہ تعالٰی کے انوار و تجلیات کا مظہر ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔" (مدارج النبوۃ ، ۱ : ۵)

(سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جلد دہم ص ۹۴ از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کے آئینہ میں جسے رب کے دیدار کی دولت اور اس کی لازوال لذت میسر ہوجائے وہ دنیا کے ہر منصب کے لالچ اور اسکی ہر فانی لذت اور مسرت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بیعت کے سلسلہ میں بعض الجھنوں کا حل

سماع بامزامیر کا جواز:-

صوفیہ کرام کے بعض حلقوں میں مزامیر کے ساتھ گانا سننے کا دستور ہے۔ مشائخِ عظام کے اس رویّہ کو خلافِ اسلام اور اصولِ شریعت کے منافی روش سمجھ کر بعض حضرات تصوف ہی کو شجرۂ ممنوعہ قرار دیتے ہیں اور اس سے راہِ فرار اختیار کرنے ہی کو دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کا اہم تقاضا تصور کرتے ہیں۔ ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حضرت العلام المفتی محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ اول دار الافتاء مدرسۂ نظامیہ حیدرآباد دکن نے، ایک استفتاء کے جواب میں چھ شرائط کے ساتھ مزامیر کے ساتھ گانا سننے کو (جن حضرات کے حق میں یہ فعل ضروری ہو، ان کے لئے) جائز قرار دیا ہے۔ ہم ذیل میں اس استفتاء اور جواب دونوں کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مزامیر و راگ کو اس وجہ سے حلال کہتا ہے کہ چشتیہ طریقہ کے مشائخین اسکو جائز رکھتے ہیں۔ اور زید مساجد وغیرہ مقامات متبرکہ میں مزامیر یعنی ستار و سارنگی وغیرہ ساز کے ساتھ وعظ کہتا ہے۔ کیا زید کا یہ

قول و فعل شرعا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

گانا اور ساز سننا شرعا حرام ہے۔ در مختار مطبوعہ بر حاشیہ رد المحتار جلد ۵ کتاب الحظر الاباحہ میں ہے:

وفی البزازیة استماع صوت الملاهی کضرب قصب و نحوه حرام لقوله علیه السلام: استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر۔ ای بالنعمة فصرف الجوارح الی غیر ماخلق لأجله کفر بالنعمة لا شکر فالواجب کل الواجب ان یجتنب کی لا یسمع لما روی انه علیه السلام أدخل اِصبعه فی أُذنه عند سماعه۔

صوفیہ کرام میں جو بزرگوار کہ پابند شرع و پرہیزگار ہیں اور دنیاوی لہو و لعب کی طرف ان کا میلان نہیں ہے ایسے حضرات کو محبت الٰہی اور شوق و وصال محبوب حقیقی میں گانا سننے کی اگر ایسی ہی حاجت ہو جیسے مریض کو دواء کی تو ایسی حالت میں ان بزرگواروں کو کم ازکم مندرجہ ذیل چھ (۶) شروط کے ساتھ گانا سننا مباح ہے ورنہ نہیں:

۱۔ ان بزرگواروں کی جماعت میں گاتے وقت کوئی بے ریش مرد نہ ہو۔

۲۔ تمام ایک ہی جنس اور ایک ہی مشرب کے اصحاب ہوں اور ان کی محفل میں اہل دنیا میں سے کوئی نہ ہو، اور نہ کوئی فاسق یعنی بدکار ہو، اور نہ کوئی عورت ہو۔

۳۔ گانے والا خالصاً للّٰہ گائے اور اس کو اجرت یا کھانے کی امید و طلب نہ ہو۔

۴۔ یہ بزرگوار گانے کے مقام میں کھانا کھانے کے لئے یا کوئی فتوحات حاصل کرنے کیلئے جمع نہ ہوئے ہوں۔

۵۔ گانے کی محفل میں جب وجد کی حالت میں کھڑے ہوجائیں تو مغلوبُ الحال یعنی بے خود ہو کر کھڑے ہوں۔

٦۔ اُسی وجد کو ظاہر کریں جو سچا ہو۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جھوٹا وجد غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔حضرت سری السقطی رحمہ اللہ سچے وجد کی یہ کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ وجد کرنے والا اسطرح بے خود ہوجائے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اس کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہو۔

فتاویٰ خیریہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ میں ہے: ان کان السماع سماع القرآن اوالموعظة فیجوز و یستحب و ان کان سماع غناء فھو حرام لان التغنی واستماع الغناء حرام اجمع علیه العلماء وبالغوا فیه۔ ومن اباحه من المشایخ الصوفیة فلمن تخلی عن الھوی وتحلی بالتقوی واحتاج الی ذلك احتیاج المریض الی الدواء وله شرائط: احدھا ان لا یکون فیھم امرد۔ الثانی ان لا یکون جمیعھم الا من جنسھم لیس فیھم فاسق ولا اھل الدنیا ولا امراة۔ والثالث ان تکون نیة القوال الاخلاص لا اخذ الاجر و الطعام۔ والرابع ان لا یجتمعوا لاجل الطعام او فتوح۔ والخامس لایقومون الا مغلوبین۔ والسادس لا یظھرون وجدا ا لا صادقین وقال بعضھم

الکذب فی الوجد اشد من الغیبة کذا و کذا سنة۔ رد المحتار جلد ۵ کتاب الحظر والاباحہ میں ہے: وقال السری شرط الوجد فی الغناء ان یبلغ الیٰ حد لو ضرب وجهه بالسیف لایشعر فیه بوجع اھ۔

مزامیر و آلات سماع کا بھی یہی حال ہے کہ جو لوگ عیش و عشرت اور لہو و لعب کے طریقہ پر سنتے اور استعمال کرتے ہیں ان کے لئے درست نہیں ہے، اور جو بزگوار ازدیاد محبتِ الٰہی و توجہ الی اللہ کا ذریعہ جان کر سنتے ہیں ان کے لئے مباح ہے۔ فتاویٰ خیر یہ کے اسی صفحہ میں ہے: وقد صنف الفقهاء فی ذلك مصنفات کثیرة و کذلك اهل التصوف واجمع عبارة فیه ماقاله بعضهم وقد سئل عن السماع بالیراع وغیره من الآ لات المطربة هل ذلك حلال اوحرام؟ قد حرمه من لا یعترض علیه لصدق مقاله واباحه من لم ینکر علیه لقوة حاله فمن وجد فی قلبه شیئا من نور المعرفة فلیتقدم والا فرجوعه الی ما نهاه عنه الشرع اسلم واحکم۔

ردالمحتار جلد۵ کتاب الحظر والاباحہ میں ہے: اقول وهذا یفید ان آلات اللهولیست محرمة لعینها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الإ ضافة ألا تری ان ضرب تلك الآلات بعینها حل تارة وحرام اخریٰ باختلاف النیة والأمور بمقاصدها وفیه دلیل لسادتنا الصوفیة الذین یقصدون بسماعها اموراً هم اعلم بها فلا یباد ر المعترض بالاِ نکار کی لا یحرم برکتهم فانهم السادات الاَخیار اَمدنا اللّٰه بامداداتهم و اعاد

علینا من صالح دعواتهم و برکاتهم۔

پس صورت مسئولہ میں زید اگر ان صوفیہ کرام کی جیسی باطنی حالت رکھتا ہے تو شروط مندرجہ بالا کی پابندی کے ساتھ اس کے لئے مزامیر و سماع مباح ہیں۔ مگر زید کا مسجد میں ان حرکات کے ساتھ وعظ کہنا آداب مسجد کے خلاف اور قطعی حرام ہے۔ کیونکہ مساجد، نماز و اذکار و اوراد کے لئے بنائی گئی ہیں نہ کہ غناء وطرب کے لئے۔ عالمگیری جلد ۵ کتاب الکرا ھۃ باب خامس میں ہے:
والسادس ان لایرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ تعالی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ نظامیہ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۴۷۵ ، ۴۷۶)

آپ نے فتاویٰ نظامیہ کی عبارت پڑھ لی۔ حضرۃ العلامہ المفتی محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے (جو جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے مفتی اول تھے) صوفیہ کرام اور ان کے مثل احوالِ باطنی رکھنے والوں کے لئے چھ شرائط کے ساتھ سماع مع المزامیر کو جائز قرار دیا ہے اور اپنے فتوے کو مستند فقہی کتابوں کے حوالوں سے مدلل و مبرہن فرمایا ہے۔

صاحبِ تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں

"نیز امام احمد رضا قادری نے سماع مع المزامیر کو حرام لکھا ہے اور استاذ العلماء مولانا حافظ عطا محمد چشتی دامت برکاتہم اور حضرت غزالی زماں امام اہل سنت سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اسکو جائز لکھا ہے۔"

(والمحصنٰت ۵ النسآء ۴ : ۵۹۔ ۵۱ ص ۷۰۹ ، تبیان القرآن جلد دوم)

مؤخرالذکر دونوں مقتدر علماء کرام کے نزدیک مزامیر (باجوں) کے ساتھ سماع سننا جائز و مباح ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" رہا مسئلہ سماع کا۔ یہ بحث از بس طویل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ سماعِ محض میں بھی اختلاف ہے۔ جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جواز مجتمع ہوں اور عوارضِ مانع مرتفع ہوں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ کما فصّلہ الامام الغزالی رحمہُ اللہ۔ اور سماع بالآلات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویلیں کی ہیں اور نظائرِ فقہیّہ پیش کیے ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہء سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر آدابِ شرائط کا ہونا باجماع ضروری ہے۔ جو اس وقت اکثر مجالس میں مفقود ہے۔ تاہم ؎ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد۔" (فیصلہ ہفت مسئلہ از حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجرمکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع توضیحات و تشریحات از مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی، مارہروی ص ۱۹۴)

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

" بہر حال وہ حدیث خبر واحد ہے اور محتمل تاویل۔ گویا تاویل بعید ہے۔ اور غلبۂ حال کا بھی احتمال موجود۔ ایسی حالت میں کسی پر اعتراض کرنا از بس دشوار ہے۔"

پھر تین چار سطروں کے بعد اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

"نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا۔ نہ خالی۔ نہ باآلات۔ مگر دل سے اہلِ حال پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہاں جو محض ریا کار مدعی ہو وہ بُرا۔ مگر یقین اس کا کہ وہ ریا کار ہے۔ بلا حجتِ شرعیہ نادرست ہے۔ اس میں بھی عمل درآمد، فریقین کا یہی ہونا چاہیے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ کہ جو لوگ نہ کریں، ان کو کمالِ اتباعِ سنّت کا شائق سمجھیں۔ جو کریں اُن کو اہل محبت میں سے جانیں۔ اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں۔ اور جو عوام کے غُلو ہوں ان کا لطف و نرمی سے انسداد کریں۔"

(فیصلہ ہفت مسئلہ از حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃاللہعلیہ مع توضیحات و تشریحات از مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہروی علیہالرحمہ ص ۲۰۴)

آپ نے دیکھ لیا کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہالرحمہ سماع محض اور سماع بامزامیر کو شرائط جواز کے ساتھ جائز قرار دے رہے ہیں۔ البتہ سماعِ محض اور سماع بامزامیر دونوں مسئلوں کو اختلافی مسائل میں شمار فرمارہے ہیں اور مجوزین اور غیر مجوزین دونوں کو ایک دوسرے پر انکار کرنے سے روک رہے ہیں۔

حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور سماع

صاحب تفسیر مظہری حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"حضرت پناہِ عالمین شیخ عبد القدوس گنگوہی باوجود کمال علمِ ظاہر اور علمِ باطن میں رفعتِ شان رکھنے کے سماعِ غنا بامزامیر میں افراط رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے شرحِ عوارف ہے جس میں اثباتِ اباحتِ سماع علی الاطلاق پر طویل بحث ہے۔ آپ کے صاحبزادگان نے بھی جُداگانہ رسالے اباحتِ سماع میں بڑی طمطراق سے لکھے ہیں۔" (سِرِّ دلبراں اصطلاحات تصوف ص ۲۲۱)

حضرت علامہ بحرالعلوم محمد عبدالقدیر حسرت صدیقی حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی سماع مع المزامیر کے جواز کے قائل ہیں اور آپ نے اس موضوع پر "سماع" نام کی ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے۔ جو اپنے عالمانہ، محققانہ اور آسان اندازِ تحریر، جامعیت اور ایجاز و اختصار کی وجہ سے ہمیشہ اہل علم اور اربابِ نظر سے خراجِ تحسین وصول کرتی رہے گی۔

☆☆☆☆☆

قدم بوسی کا جواز

بعض لوگ خانقاہوں سے اس لئے بھی دور رہتے ہیں کہ وہاں مریدین اور معتقدین پیر کی قدم بوسی کرتے ہیں۔ علماء کرام اور دیگر قابلِ تعظیم ہستیوں کی دست بوسی اور قدم بوسی خانقاہی نظام کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اکثر خانقاہوں کا یہی حال ہے
(کم از کم احقر کا مشاہدہ تو یہی ہے)

اس رویّہ کو ناپسند کرنے والا طبقہ اسے بدعتِ قبیحہ قرار دیتا ہے یہ لوگ قدم بوسی کو سجدہ کا نام دے کر بیعت و اردات جیسی عظیم نعمت سے خود بھی محروم ہوتے ہیں اور اس سعادت سے ناخواندہ اور بھولے بھالے مسلانوں کو بھی محروم کرتے ہیں۔

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمۃ وَالرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

”عالم دین اور بادشاہ عادل کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے بلکہ اس کے قدم چومنا بھی جائز ہے بلکہ اگر کسی عالم دین سے یہ خواہش کی کہ آپ اپنا ہاتھ یا قدم مجھے دیجئے کہ میں بوسہ دوں تو اس کے کہنے کے مطابق وہ عالم اپنا ہاتھ پاؤں بوسہ کے لئے اس کی طرف بڑھا سکتا ہے۔“ (درمختار)(بہارشریعت حصہ شانزدہم ص ۷۰، ۷۱)

قدم بوسی اور اکابرِ علمائے دیوبند

دیوبندی علماء کے قائد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے استاد مولوی رشید احمد گنگوہی دیندار شخص کی تعظیم کی غرض سے کھڑے ہونے اور اس کی قدم بوسی کے بارے میں لکھتے ہیں۔
" تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے فقط۔"
(فتاویٰ رشیدیہ کامل کتاب جواز و حرمت کے مسائل ص ۵۵۹)

مولانا اشرف علی تھانوی اور قدم بوسی

علمائے دیوبند کے متفقہ پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی صاحب بھی قدم بوسی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔
" اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو محبین کی عادۃ ہے کہ پیر کے ہاتھ کو یا پاؤں کو یا پیشانی وغیرہ کو بوسہ دے لیتے ہیں اس کا بھی کچھ حرج نہیں البتہ اذنِ شرعی سے تجاوز نہ چاہئے۔
(التکشف ص ۶۳۴)
بزرگانِ دین کی قدمبوسی کو بدعتِ سیئہ اور حرام وغیرہ کہنے والے ذرا غور کریں کہ وہ جن علماء کے موقف کو صحابہ کرام،

تابعین عظام، ائمہ مجتہدین اور اولیاءِ امت کی پاکیزہ زندگیوں کا نمائندہ مسلک قرار دیتے ہیں ان کے قدآور پیشواؤں کی نظر میں پیر کے ہاتھ پاؤں یا پیشانی وغیرہ کو بوسہ دینا حدیث سے ثابت شدہ طرزِ عمل ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کسی عالمِ دین یا پیر و مرشد کی قدم بوسی کے لئے جھکنا حدِّ رکوع تک ہو تو یہ ناجائز ہے کیونکہ غیراللہ کی تعظیم میں حدِّ رکوع تک جھکنا رکوعِ تعظیمی ہے اور غیر اللہ (مخلوق) کے لئے رکوعِ تعظیمی اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قدم بوسی کے لئے جھکنا گو وہ بظاہر حد رکوع تک پہنچتا ہو رکوعِ تعظیمی ہی نہیں ہے۔

علمائے دیوبند کے مستند و معتبر عالم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ایک استفتاء کے جواب میں فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قدم بوسی کے لیے جھکنا اور قدم موضوع علی الارض (زمین پر ٹکے ہوئے قدم) تک منہ لے جاکر چومنا جائز ہے اور یہ انحناء یا خرور چونکہ خود مقصود نہیں بلکہ قدم بوسی کا ذریعہ ہے اس لئے انحناء (جھکنا) اور رکوع کی ممانعت اس کی طرف متوجہ نہیں۔ کیونکہ ممنوع وہ انحناء و رکوع ہے۔ جو قصداً تعظیم کی نیت سے کیا جائے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے پاؤں میں دوا لگانے کے لئے جھکے تو یہ انحناء تو ضرور ہے، مگر اس کو کوئی بھی ناجائز کہنے کی جرأت نہ کرے گا۔ کیونکہ بضرورت اور غیر مقصود ہے۔ درمختار کی عبارت ان یدفع الیه قدمه ویمکنه' من قدمه لیقبّله

اور غایۃ الاوطار کی عبارت " اپنا قدم اس کی طرف بڑھادے۔" سے سمجھنا کہ قدم چومنے کی اجازت بغیر انحناء و امالہ کے ہے، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دفع قدم اور قدم بڑھا دینے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اگر قدم بوسی کا ارادہ کرنے والا کھڑا ہو تو جس بزرگ کا قدم چومنا ہے وہ اپنا قدم اس کے منہ تک اٹھاکر چومنے کا موقع دے۔ دفع قدم اور قدم بڑھا دینے سے چومنے والے کی طرف پاؤں پھیلا دینا مراد ہے اور اس صورت میں لامحالہ چومنے والا کھڑے یا بیٹھے ہونے کی حالت میں قدم تک جُھک کر ہی چومے گا۔"

(کفایۃ المفتی: ج ۹ : ص ۱۰۰)(فقہی اختلاف ص ۳۳۲ ، ۳۳۳)

علمائے دیوبند کے سرکردہ مفتیوں کے بیانات پڑھنے کے باوجود بھی قدم بوسی کو سجدۂ تعظیمی قرار دینے والوں سے ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ آپ جس قدم بوسی کو حرام اور بدعت قرار دے رہے ہیں اُسے وہ علماء بھی بالکل درست اور جائز عمل قرار دیتے ہیں۔ جن کا قول آپ کے نزدیک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حرمتِ سجدۂ تعظیمی

غیر اللہ کو تعظیماً سجدہ کرنا بلاشبہ ناجائز و حرام ہے۔ میرے پیر و مرشد حضرت علامہ آمر کلیمی شاہ نوری دامت برکاتہم اور ان کے پیرانِ طریقت کا یہی مسلک ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں۔

"مسلمان! اے مسلمان! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عزجلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین۔ اور سجدۂ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین۔ ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول اور عند التحقیق کفر صوری پر محمول۔ کما سیاتی بتوفیق المولیٰ سبحانہ و تعالیٰ۔

ہاں! مثل صنم و صلیب وشمس و قمر کے لئے سجدے پر مطلقاً اِکفار۔ کما فی شرح المواقف وغیرہ من الاسفار۔

ان کے سوا مثل پیر و مزار کے لئے ہر گز نہ جائز و مباح۔ جیسا کہ زید کا اِدعائے باطل۔ نہ شرک حقیقی نا مغفور جیسا کہ وہابیہ کا زعمِ باطل۔ بلکہ حرام ہے اور کبیرہ و فحشاء۔ فیغفر لمن

یشاء ویعذب من یشاء۔

اِبطال شرک کے لئے تو وہی واقعہ حضرت آدم اور مشہور جمہور پر واقعہ حضرت یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام بھی دلیل کافی۔ محال ہے کہ اللہ عزوجل کبھی کسی مخلوق کو اپنا شریک کرنے کا حکم دے اگرچہ پھر اسے منسوخ بھی فرمائے۔ اور محال ہے کہ ملائکہ و انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے شریک خدا بنائے یا اسے روا ٹھہرائے۔

(ص ۵ الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ۔ کتب خانہ سمنانی میرٹھ)

تو قرآن عظیم نے ثابت فرمایا کہ سجدۂ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

صحابہ کرام نے حضور کو سجدۂ تحیت کی اجازت چاہی۔ اس پر ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں کفر کا حکم دیں؟ معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیت ایسی قبیح چیز ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا۔ جب خود حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سجدۂ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر؟ واللہ الهادی الخ" (ص ۱۰۔ الزبدۃ الزکیۃ۔)

(امام احمد رضا اور ردِّ بدعات ومنکرات ص ۲۶۳، ۲۶۴، مؤلف یٰسین اختر مصباحی)

سجدۂ تعظیمی اور قدم بوسی کا فرق

بعض لوگ بزرگوں کے پاؤں کو بوسہ دینے کو احکامِ شرعیہ سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے سجدۂ تعظیمی سمجھ لیتے ہیں۔ بلاشبہ کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدۂ تعظیمی (جسے سجدۂ تحیت بھی کہتے ہیں) کرے تو وہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا ٹھہریگا ۔ غیر اللہ کو تعظیماً سجدہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ مگر قدم بوسی تو سجدہ سے بالکل مختلف فعل ہے۔ قدم بوسی [1] کسی کے پاؤں کو بوسہ دینے کو کہتے ہیں۔ اور سجدہ کی تعریف حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

" شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی۔ پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ۔ اگر بغیر سجدہ کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض وقت بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑجاتے ہیں۔" (جاء الحق حصہ اول ص ۳۵۶)

شکل و صورت میں بھی قدم بوسی، سجدۂ تعظیمی سے بالکل مختلف

---

[1] کسی قابل تعظیم شخص مثلاً ماں باپ، معلّمِ دین یا کوئی اور معظّمِ دینی کے پاؤں چومنا۔

ہوتی ہے اس کے علاوہ قدم بوسی میں چونکہ سجدہ کی نیت موجود نہیں ہوتی لہٰذا اسے سجدۂ تعظیمی کا نام دینا اہلِ علم کے منصب سے بہت دور ہے۔ کسی پیر یا عالم کی قدم بوسی جب سجدۂ تحیت بھی نہیں کہلا سکتی تو سجدۂ عبادت (جسے سجدۂ تعبّد بھی کہتے ہیں) کیسے کہلا سکتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قدم بوسی (مخلوق کو کیا جانے والا) نہ سجدۂ تعظیمی ہے کہ حرام و فسق ٹھہرے نہ (غیرِ خدا کو کیا جانے والا) سجدۂ عبادت ہے کہ کفر و شرک قرار دیا جاسکے۔ لہٰذا قدم بوسی کو ناجائز و ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ یہ ایک مستحب عمل ہے۔ قدم بوسی کے جواز میں ہم اس کتاب میں اس سے پہلے بھی کچھ دلائل تحریر کرچکے ہیں اِس گفتگو کو اُس گذشتہ بحث کا تکملہ سمجھنا چاہئے۔

نوٹ: مخفی مبادکہ دست بوسی قدم بوسی سماع بامزامیر اور اس نوع کے دیگر امور کو علماءِ کرام و صوفیہ صافیہ نے بدلائل جائز ثابت کرنے کے باوجود اِنہیں فرض، واجب یا سنتِ مؤکِدہ قرار نہیں دیا۔ بااین ہمہ علم و تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ مانعین اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال کو اپناتے ہوئے مذکورۂ بالا امور کے مجوّزین کو فاسق و مبتدع نہ ٹھہرائیں۔ تاکہ وحدتِ ملی پارہ پارہ نہ ہو۔ اور تصوف سے لوگوں کی دوریاں ختم ہوں۔

☆☆☆☆☆

شَطحِیات

بعض لوگ اہلِ حق کی بے خودی (جسے اربابِ سلوک کی اصطلاح میں ''سُکر'' کہا جاتا ہے) اور ان کے ''صَحو'' (وہ حالت جس میں سالک کے ہوش و حواس برقرار رہیں اور تجلیاتِ ربانی کے ورود کے باوجود وہ مغلوب الحال نہ ہو) میں خطِ امتیاز نہیں کھینچ سکتے اور بعض صوفیۂ کرام کے وہ اقوال جو حالت سُکر میں بے اختیار ان کی زبان سے نکل جاتے ہیں اور جو بظاہر خلافِ شریعت معلوم ہوتے ہیں، کو بنیاد بناکر تمام اولیاء کے مقامات کے انکار کو اپنا شعار بنالیتے ہیں اور پیری مریدی کو تمام فواحش و منکرات میں سرِ فہرست رقم کرنے کو جہاد بِالقلم کا نام دیتے ہیں۔ اور بعض حضرات انہیں بظاہر خلافِ شرع مفہوم رکھنے والے کلمات کا سہارا لیکر بیعت و ارادت کے خلاف اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کے ذریعہ محاذ آرائی کو جہاد بِاللسان اور دین متین کی بہت بڑی خدمت قرار دیتے ہیں۔ حالتِ سُکر میں بزرگوں کی زبان سے صادر ہونے والے ان کلمات کو تصوف کی اصطلاح میں شطحیات کہتے ہیں۔ کنزالعرفان ابوالایقان حضرت غوثی شاہ اعلی اللہ مقامہٗ اپنی بے نظیر تصنیف ''نور النور'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

'' شطحیات، اصطلاح میں بزرگانِ دین کے اُن کلمات کو کہتے

ہیں جو بحالتِ استغراق و مستی و غلبہ عشق، بظاہر خلاف شرع صادر ہوں، جیسے حضرتِ منصور حلّاج رحمۃاللہعلیہ کی زبان سے ''اناالحق'' کا نکلنا۔ اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃاللہعلیہ کا '' لیسَ فِی جبتِی سِوی اللّٰہ'' فرمانا۔ اور حضرت سلطان العارفین بایزید بُسطامی رحمۃ اللہعلیہ کا '' سبحانی ما اعظم شانی'' فرمانا وغیرہ......چونکہ یہ کلمات باعتبار نفس نہیں ہوتے۔ غلبہ محویت و فنا کی وجہ سے ہوتے ہیں، بر ایں بنا یہ حضرات معذور ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے کِسی کامِل نے ان کا انکار نہیں کیا۔'' (نور النور ص ٦٥)

لہٰذا شطحیات کی وجہ سے بیعت و ارادت کی نعمت سے محروم ہونا اور تصوف و سلوک کی مخالفت پر کمر کس لینا سلجھی ہوئی ذہنیت کی غمازی نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆

وحدۃ الوجود

بعض لوگ مسئلہء وحدۃ الوجود کی غلط تفہیم کو اس کی حقیقی تعبیر سمجھ کر تصوف و سلوک اور بیعت و ارادت کی سخت مخالفت ہی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ حالانکہ علمائے دیوبند کے اکابر بھی اس مسئلہ کے برحق ہونے کے دل کی گہرائیوں سے قائل ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"تمام کمالات حقیقۃ اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلّی کہتے ہیں اور ظلّ کے معنی سائے کے ہیں۔ سو سائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی سایہ ہے بلکہ سائے کے وہ معنی ہیں جیسے کہتے ہیں ہم آپ کے زیر سایہ رہا کرتے ہیں یعنی آپ کی حمایت و پناہ میں، اور ہمارا امن و عافیت آپ کی توجہ کی بدولت ہے اس طرح چونکہ ہمارا وجود بدولتِ عنایتِ خداوندی ہے اس لئے اس کو وجود ظلّی کہتے ہیں۔ پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلّی ہے۔ اب وجود ظلّی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا

اور وجود کو واحد سمجھا جائے گا یہ "وحدۃ الوجود" ہے۔ اگر اسکا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں، گو غلبۂ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ "وحدۃ الشہود" ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ نور مہتاب، نور آفتاب سے حاصل ہے۔ اگر اس نورِ ظلّی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کا نور بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں۔ گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے۔ مآل کار دونوں کا ایک ہے، اور چونکہ اصل و ظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیاء میں "عینیت" سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہوگئے، یہ تو صریح کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیائے محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں۔ پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔

مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے تو وہ کلام حالت سُکر کا ہے اور نہ قابل ملامت ہے نہ لائق تقلید۔"

(تعلیم الدین۔ التکشف) (بصائر حکیم الامت ص ۲۴۵ ، ۲۴۶)

وحدۃ الوجود اور علمائے دیوبند

وحدۃ الوجود کو اکابرِ علمائے دیوبند عینِ ایمان تسلیم کرتے ہیں۔ ہم اس دعوے کی دلیل میں تمام علمائے دیوبند کے متفقہ پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا حسبِ ذیل بیان نقل کرتے ہیں۔

مولانائے مذکور کے ایک نامور خلیفہ مولانا حاجی حافظ قاری سید محمد عیسیٰ صاحب الٰہ آبادی مولانا تھانوی صاحب کا قول نقل کرتے ہیں۔

"ارشاد۔ محققین ممکنات سے مطلقاً نفی وجود نہیں کرتے۔ بلکہ وجود حقیقی کامل کے سامنے ان وجود کو کالعدم اور لاشے سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور الحاد وجود کفر ہے" (انفاسِ عیسیٰ ص ۳۸۴ جلد اول)

وحدۃ الوجود اور غیر مقلدین

صوفیہء کرام کی سخت ترین مخالف سمجھی جانے والی جماعت "غیر مقلدین" کے ممدوح اور انکے مشہور مناظر مولانا ثناءاللہ امرتسری کا "وحدۃ الوجود" کے بارے میں ایک فتویٰ پڑھئے اور دیکھئے کہ یہ مسئلہ کسقدر مبنی بر صداقت ہے کہ اپنے تو اپنے

اغیار بھی اس کی عظمت اور حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔
الفضل ما شهدت به الاعداء

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا فتویٰ

" وحدۃ الوجود کی دو تشریحیں ہیں۔ ان دونوں میں وجود کے معنی قابل غور ہیں۔ وجود کے اصلی معنی ہیں ما بہ الموجودیۃ، یعنی جس کی وجہ سے کوئی چیز موجود ہوجائے، اسکی پہلی تشریح یہ ہے کہ جتنی اشیاء نظر آتی ہیں ان سب کا وجود یعنی ما بہ الموجودیۃ صرف ایک ہی چیز ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہٗ نے اس کے متعلق ایک پر معنی رباعی لکھی ہے۔

لا آدم فی الکون ولاابلیس　　　لا ملك سلیمان ولا بلقیس
والکل عبارۃ وانت المعنی　　　یا من هو للقلوب مقناطیس

شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی چیز کی مستقل ہستی نہیں ہے، یہ سب تیری قدرت کے نشان ہیں اور تیری طرف توجہ دلانے والے ہیں، یہی مضمون ایک اردو شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

؎
نظر آتا ہے جو کچھ نور وحدت کی تجلی ہے
یہ نقش اہل بصیرت کے لئے وجہ تسلی ہے

اس تشریح کے مطابق وحدۃ الوجود کی مثال یہ ہے کہ کسی

مکان کی کوٹھیریوں میں مختلف رنگ کے شیشے لگادئے جائیں، کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی سبز، کوئی سیاہ، ان کے پیچھے ایک لمپ رکھ دیا جائے۔ تو باہر سے دیکھنے والا ان شیشوں کو مختلف رنگوں میں دیکھے گا مگر باریک نظر والا لمپ کی وحدت کو ملحوظ رکھے گا، قرآن مجید بھی اس تشریح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔
اللّٰہ نور السموات والارض اس تشریح کے مطابق وحدۃ الوجود کے معنیٰ وحدۃ الموجد کے ہوں گے۔ جو بالکل ٹھیک ہے، مولانا سیالکوٹی (میر ابراہیم سیالکوٹی) کا مطلب بھی غالباً یہی ہوگا،"

(زبان میری ہے بات ان کی صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷ تحقیق علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم، اے مدیر مسؤل مُجلّہ الحقیقہ پاکستان)

وحدۃ الوجود اور شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ

شاعرِ مشرق ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؔ مرحوم کو ایک گروہ تصوف اور وحدت الوجود کا سخت ترین مخالف گردانتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کلامِ اقبالؔ کے مشہور شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی جنہوں نے اقبالؔ کے فلسفہ اور ان کے کلام کے مشکل مقامات کو خود علامہ اقبالؔ کی زبانی حل کیا ہے۔ لکھتے ہیں
" زندگی کے آخری دور میں انہوں نے اس مسئلہ پر بہت زیادہ غور کیا اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرنے سے پہلے

وہ ''پکّے وجودی'' بن گئے تھے،''

نوٹ:- میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ جو فلسفی خدا کے وجود کا اعتراف کرتا ہے وہ انجام کار وحدۃ الوجود کا قائل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے اس کی وضاحت اپنی مجوزہ کتاب میں ہدیہء ناظرین کردوں گا۔۱۲

لیکن یہ ضرور ہے کہ وحدۃ الوجود کی غیر اسلامی تعبیر سے ہمیشہ متنفر رہے۔ (اسرارِ خودی (علامہ اقبالؒ) مع شرح پروفیسر یوسف سلیمؒ چشتی مرتبہ اعتقاد حسین صدیقی ص ۱۷۷)

مذکورہ حوالے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اقبال کی فکر اور فلسفہ کی معراج وحدۃ الوجود کی اسلامی تعبیر تک رسائی حاصل کرنے میں مضمر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور وحدۃ الوجود

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمہ وحدۃ الوجود کے مخالفین کے پیشوا ہیں۔ اور آپکا پیغام وحدۃ الشہود ہے۔ ''وحدۃ الوجود'' اور ''وحدۃ الشہود'' دونوں اصطلاحوں میں صرف لفظی فرق نہیں ہے بلکہ بنیادی اور حقیقی فرق ہے۔ حالانکہ محققین کا یہ موقف ہے کہ ان دونوں اصطلاحات میں صرف لفظی فرق ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

میرے پردادا پیر کنزالعرفان ابوالایقان حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان اس موضوع پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہودی بھی ہیں وجودی بھی اصل بات یہ ہے کہ آپ بطرز متکلمین کلام فرمایا کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ اہلِ ظواہر کی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ اس بات کا ذکر اپنے مکتوبات میں فرمایا بھی ہے لہٰذا شہود کی اصطلاح سے کام لیا تاکہ اہلِ ظواہر کا بظاہر خلاف بھی نہ ہو اور وحدۃ الوجود بھی ضمن میں بطرز دیگر قائم رہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے مسئلہ وجود کو آپ علم الیقین سے تعبیر فرماتے ہیں اور وحدۃ الشہود کو عین الیقین سے۔ اور یہ صرف لفظی اختلاف ہے، اور وہ بھی مصلحتاً جیسا کہ گذرا۔ لیکن افسوس آخر والوں میں سے اکثروں نے اس کو بھی نہ سمجھا، تاویل غلط کر کے قایل وحدۃ الوجود کو گمراہ کہہ دیا۔" (نورالنور ۵۵، ۵۶)

خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کا یہ شعر مذکورۂ بالا بیان کی کھلی تائید کرتا ہے۔

متفق آپس میں ہیں اہل شہود
درد! آنکھیں دیکھ، باہم ایک ہیں

سید شاہ ابوالحسن قربی رحمۃ اللہ علیہ اور وحدت الوجود

قدوۃ المحققین زبدۃ العارفین ماہر علوم معقول و منقول رکن الملّۃ والدّین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۸ تا ۱۱۸۲ھ) جن کا مزارِ مبارک ویلور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ جن کی علمی یادگار ''مجموعۂ رسائلِ قربیؒ'' مترجمہ مولینا مولوی محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری صدر مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے حوالے احقر نے اپنی زیرِ نظر تصنیف میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اور اس ہیچمداں کو حضرت ممدوح علیہ الرحمہ اور آپ کے جانشین اقطابِ ویلور کی یگانۂ روزگار ہستیوں سے ان کی فقید المثال سیرتوں ان کے علمی کارناموں اور دینی خدمات کی وجہ سے بے پناہ محبت و عقیدت ہے۔ آپ کا دیوان ''دیوانِ قربیؒ'' کے نام سے پہلی دفعہ حیدرآباد دکن سے چھپا۔ اس کے مرتب سید فضل اللہ صاحب ایم۔اے۔ یل۔ٹی تروپتی کی یونی ورسٹی کے استاد شعبۂ اردو، فارسی، عربی ہیں۔ اس دیوان کا پیش لفظ پروفیسر سید محمد پرنسپل اردو کالج حیدرآباد نے لکھا ہے۔ وہ اس میں تحریر کرتے ہیں

''وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیانہ شاعری کی جان ہے۔ قربی کے تمام اشعار اسی محور پر گھومتے ہیں۔ آپ نے اس کو کئی طریقوں سے دلنشین کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ اور اس میں آپ

کامیاب نظر آتے ہیں۔

وہی اک نور شاہد کا ہے رنگا رنگ کسوت میں
کہ جیوں آ ایک کثرت میں ہزاراں ہور لک دستا

آسماں او ، ابر او ، او ہی زمین
خاک و آب و آتش و بارا ہوا

جلاء ہستی سو کر مجلّا ہر ایک ذرے کی آرسی میں
کمال کی پین سب جواہر اپس کا رخسار اپے نجھایا

وہی زمیں ہے، وہی فلک ہے ، وہی پری ہے وہی ملک ہے
وہی سورج ہے وہی جھپک ہے، وہی قمر ہوکو جھلملایا

اپے ہی ساقی، اپے صراحی، اپے می و جام اپے معاشر
اپے مغنی، اپے ہی پاکوب، اپے ہو ہر ساز اپے بجایا"

(دیوانِ قربیؔ ص ۱ / ۳۲)

پروفیسر صاحب موصوف نے نمونے کے طور پر اور بھی اشعار پیش کیے ہیں۔ ہم صرف اتنے ہی شعروں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسی دیوان میں حضرت قربیؔ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

مرشد سوں پوچھ مسئلۂ وحدۃ الوجود
تا ہر ذرے میں تجکوں دسے دوست کا شہود

یہ شعر بھی مرشدِ کامل کے دستِ حق پرست پر بیعت کی کھلی دعوت دیتا ہے اور مسئلۂ وحدت الوجود کے کتاب و سنت سے مستفاد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق سے سالک کو تجلیاتِ ربانی کے مشاہدہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

اس بحث سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری کی بلند قامت علمی و دینی شخصیت " وحدت الوجود " کے بہت بڑے علمبرداروں میں شامل ہے۔ حضرت قربی علیہ الرحمہ ہی کی طرح آپ کے فخر روزگار فرزندِ گرامی حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی علیہ الرحمہ اور ان کی اولادِ امجاد میں تصوف و سلوک کے چمن کی آبیاری اور مسئلۂ " وحدت الوجود " کی علمبرداری کا وصف نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء

وحدت الوجود اور سلطان العارفین حضرت اشرف جہانگیر سمنانی

رحمۃ اللہ علیہ

وحدت الوجود یعنی وحدتِ مطلقہ کے سلسلہ میں گفتگو فرماتے ہوئے حضرت قدوۃ الکبریٰ سلطان العارفین اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

" واضح ہو کہ توحید کا اشتقاق وحدت سے ہے اور لغت کی

رو سے توحید کا معنیٰ وحدت کا قائل ہونا ہے اور علم و عقل کے لحاظ سے وحدت کی دو قسم ہے ایک وحدت مطلقہ ذات و صفات کے اعتبار سے دوسرے وحدت مقیّد صفات کے اعتبار سے

وحدت مطلقہ یہ ہے کہ ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری ذاتیں اپنی صفات کے ساتھ معدوم ہوں ۔ اور وحدت مقیدہ صفات کی حیثیت سے یہ ہے کہ ذات منفرد ہو اور اس کی صفات میں کوئی شریک نہ ہو جیسے وحدت باری تعالیٰ اور اس کی صفات قِدَم و تخلیق۔ پس وحدت مطلقہ وجود غیر کے انعدام کی موجب ہوتی ہے اور وحدت مقیّدہ وجود مثل کے انعدام کی موجب،،

(لطائف اشرفی اردو ترجمہ جلد پنجم ص ۹۶، ۹۷)

وحدتِ مطلقہ کی یہ تعریف جو سلطان العارفین حضرت اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے بعینہٖ وہی تعریف میرے آٹھویں دادا پیر جامیؒ دکن شمع خاندانِ چشت حضرت شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ کے یہاں بھی ملتی ہے۔ اپنے دیوان ’’ مخزن العرفان ‘‘ میں آپ فرماتے ہیں۔

ذاتِ دیگر با صفاتِ خود عدم ہے اور وجود
ذاتِ حق ہے با صفاتِ خویش حقّا وحدہٗ

حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے نزدیک وحدتِ مقیّدہ کی تعریف بھی ایک ہے۔

شاہ کمال دوم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

مستلزم توحید مقیّد ہے یہ معنی
باقی ہے یہاں غیر کے تئیں بود ہمیشہ

یعنے کہ خدا ایک ہے خالق دو جہاں کا
مثل اس کا ہے ایجاد میں مفقود ہمیشہ

(دیوانِ مخزن العرفان)

واضح باد کہ وحدتِ مقیّدہ ہی کو توحیدِ مقیّد کہا جاتا ہے۔ وحدتِ مطلقہ حق تعالیٰ کے غیر کو معدوم و مفقود ثابت کرتی ہے اور وحدتِ مقیّدہ جنابِ باری عزّ اسمہٗ کے مثل کو معدوم قرار دیتی ہے۔ دونوں توحیدیں اپنی اپنی صحیح تعبیر کے لحاظ سے درست اور برحق ہیں۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ کے پیر و مرشد قطبِ مدراس حضرت سیدنا شیخ عبد الحق ساوی قدس اللہ سرہٗ (جن کا مزار پُر انوار کرشنا پیٹ چینئی میں مرجع خلائق ہے) اپنی یگانۂ روزگار تصنیف ''میزان التوحید'' میں فرماتے ہیں

''پس وحدت مطلقہ موجب انعدام وجود غیر است و وحدت مقیدہ موجب انعدام وجود مثل'' (میزان التوحید ص ٦)

یعنی وحدتِ مطلقہ خدائے تعالیٰ کے غیر کے وجود کے انعدام (معدوم ہونے) کی موجب (یا مثبت) ہے اور وحدتِ مقیّدہ حق تعالیٰ کے مثل کے معدوم و مفقود ہونے کی موجب ہے۔

" وجود [1] " کا مصدری اور اصطلاحی معنیٰ

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مرحوم اپنی بے نظیر تصنیف " قرآن اور تصوّف " میں لکھتے ہیں " وجود کے دو معنی ہیں:-

(۱) تحقیق و حصول۔ یہ معنی مصدری ہیں، اعتباری و ذہنی ہیں، ان کا شمار " معقولاتِ ثانیہ " میں ہوتا ہے، یعنی ہمارا کسی شئ کو دیکھ کر اس کو " ہے " سمجھنا، ' وجود ' خیال کرنا، ظاہر ہے کہ مصدری معنی خارج میں نہیں ذہن میں پائے جاتے ہیں، ان کا منشاء البتہ خارج میں ہوتا ہے۔

(۲) وجود بمعنی موجود (بمعنی مابہ الموجودیت [2]) یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے معنی اول (معنی مصدری، تحقیق و حصول) کا انتزاع ہوسکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے ظاہر ہے کہ وجود خارجی حقیقی شے ہے، ذہنی امر نہیں۔

عارفین اور اہلِ یقین کے ذوق و وجدان کی رو سے حق تعالےٰ پر وجود کا اطلاق بمعنی ثانی ہوتا ہے نہ بمعنی اول" (قرآن اور تصوف صفحہ ۱۰۵)

---

[1] واضح باد کہ " وحدت الوجود " کی اصطلاح میں لفظِ " وجود " لغوی معنی میں نہیں بلکہ اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[2] " قرآن اور تصوف " میں اس جگہ کاتب نے غلطی سے " موجودیت " کو " موجودات " لکھ دیا ہے۔ (رضاء الحق آمری)

جناب مولانا الاجل حاجی الحرمین الشریفین شاہ محمد ولی اللہ قادری وجود کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"اور ذاتِ حق دراصل قطعاً وجود بمعنی مابہ الموجودیت ہے۔" الخ

(جواہر العرفان، ص ۳۵ا تصنیف لطیف جناب مولانا الاجل حاجی الحرمین الشریفین شاہ محمد ولی اللہ قادری مدظلہ العالی و نفع بعلومہ۔ بمقام دہاروار باہتمام حاجی محمد عطاء اللہ القاضی مطبعہ حجازیہ میں طبع ہوئی)

وجود (ما بہ الموجودیت) کے بارے میں میرے آٹھویں دادا پیر حضرت شاہ کمال دوم نوراللہ مرقدہٗ و قدس سرہ العزیز اپنی یادگار تصنیف "کلماتِ کمالیہ" (مترجمہ حضرتِ اقدس سیدی الحاج مولانا صحوی شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان) میں تحریر فرماتے ہیں

"جانئے کہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ ہستیِ مطلق اور وجودِ محض ہے۔" الخ (کلماتِ کمالیہ (مترجم) ص ۵۸)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک احدیت جو لا تعین اور وراء الورا غیب الغیب اور عدم العدم ہووے۔ اور وہ ذاتِ بحت اور وجودِ صرف اور نہیں پانا ہے مطلقاً۔"

(کلماتِ کمالیہ (مترجم) ص ۱۲۹)

اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ احدیت میں ذاتِ بحت اور وجود صرف ہے۔

شاہ کمال دوم شمعِ خاندانِ چشت رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بڑے بھائی حضرت شاہ نور علیہ الرحمہ (جن کا مزارِ پر انوار آندھراپردیش کے مشہور شہر کڈپہ میں واقع ہے اور جو راقم الحروف کے نویں دادا پیر حضرت شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ (تلپول) کے حقیقی چھوٹے بھائی اور

مرید و خلیفہ ہیں) وجود کے بارے میں لکھتے ہیں

" و از وجود معنی مصدریہ کہ در خارج وجود ندارد مراد نیست بلکہ ذات حق را وجود بایں معنی گویند کہ ہستی او بذات اوست و ہستیِ سائر موجودات ازوست و ایں مرتبہ ذاتی را مرتبہ لا تعین و اطلاق گویند کہ از قید اطلاق نیز مطلق است و ایں مرتبہ کنہ وی تعالیٰ ہست و بالا تر ازیں مرتبہ مرتبہ دیگر نیست و در اصطلاح صوفیاں ایں مرتبہ را احدیت ذاتیہ و اَحدِیَت مطلق و اَحدِیَت صرف و عالم لاہوت و ازل الآزال و عین کافورہ مشکوٰۃ غیبیہ و ذات بحت و ذات صرف و ذات بلا اعتبار و ذات مطلق و ذات احدیت و ذات بلا تعدد و ذات ہویت و ذات ساذج و ذات ہو ہو و وجود بحت و وجود مطلق وعدم عدم و بطون بطون و مکنون مکنون و خفاء خفاء و قِدَم قِدَم و اول بدایت و آخر لا نہایت و غیبت ہویت و غیبتِ مصون و غَیبِ مکنون و غیب الغیب نیز گویند " (تجلیاتِ نورانی ص ۴۱ ۔ ۴۲)

نوٹ :۔ " تجلیاتِ نورانی " (کے قلمی مخطوطہ کا عکس) جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے، مجھے اسکے مصنف علیہ الرحمہ کی اولادِ امجاد سے ایک بزرگ حضرت سید ظہور اللہ حسینی صاحب قبلہ قادری چشتی ساکنِ گرمکنڈہ (جو حضرت سید فضل اللہ حسینی قادری چشتی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار مقدس گرم کنڈہ شریف میں ہے) کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں) کے ذریعہ دستیاب ہوئی۔ اس کتاب کا ذکر حضرت قبلہ حکیم محمود بخاری مدظلہ العالی نے اپنی مایۂ ناز تالیف " شہ میری اولیاءؒ " کے صفحہ ۱۰۳ پر کیا ہے (رضاء الحق آمری)

اب ’’ تجلّیاتِ نورانی ‘‘ کی مندرجہ بالا فارسی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمہ:- اور وجود سے مصدری معنی جو خارج میں وجود نہیں رکھتا مراد نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو وجود اس معنی میں کہتے ہیں کہ اس کی ہستی اس کی ذات سے ہے۔ اور تمام موجودات کی ہستی اسی سے ہے۔ اور اس مرتبۂ ذاتی کو مرتبۂ لاتعین اور اطلاق کہتے ہیں۔ کہ اطلاق سے بھی مطلق ہے۔ اور یہ مرتبہ اس (حق تعالیٰ) کی کنہ (حقیقت) ہے۔ اور اس مرتبہ سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ اور صوفیوں کی اصطلاح میں اس مرتبہ کو احدیتِ ذاتیہ اور احدیتِ مطلق اور احدیتِ صرف اور عالمِ لاہوت اور ازل الآزال اور عین کافورہ مشکوٰۃ غیبیہ اور ذاتِ بحت و ذاتِ صرف و ذات بلا اعتبارات و ذات مطلق و ذات احدیت اور ذات بلا تعدد و ذات ہویت و ذات ساذج و ذات ہو ہو اور وجودِ بحت اور وجود مطلق اور عدم عدم اور بطونِ بطون اور مکنونِ مکنون اور خفاء خفاء اور قِدمِ قِدم اور اول بدایت اور آخر لا نہایت اور غیبت ہویت اور غیبت مصون اور غیب مکنون اور غیب الغیب بھی کہتے ہیں۔

حضرت بحر العلوم علامہ مولٰینا محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی وجود کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

’’ مرتبۂ ذاتِ حق، عینِ وجود ہے، اجمال ہے، ما بہ الموجودیۃ ہے۔ اس کے مقابل کوئی شئ نہیں۔‘‘ ......الخ (العرفان ص ۱۱۴)

حضرت بحر العلوم علامہ محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اور ایک تصنیف میں لکھتے ہیں

"شانِ احدیت اور ذاتِ حقّہ، صفات اور مخلوقات سے اعلیٰ اور پاک ہے۔ لہٰذا اس مرتبہ میں صرف ایک ذات ہے اور وجود اُس کا عین ہے۔" (مکاتیبِ عرفان ص ۱۸)

وجود کے بارے میں حضرت سیدنا شاہ کمال دوم شمعِ خاندانِ چشت علیہ الرحمہ اپنی کتاب مستطاب "حسن السوال و حسن الجواب" (جو آپ کی منظوم تصنیف ہے) میں تحریر فرماتے ہیں۔

ذات سبحانہ ہے محض وجود ذات عالم نہ بود نا نا بود

جامیٔ دکن شمعِ خاندانِ چشت شاہ کمال دوم دیوانِ "مخزن العرفان" میں وجود کے متعلق فرماتے ہیں۔

فمن حیث ھوَ واجب ہے بالذات او وجود الحق
کہ حق سبحانہ کی ہے حقیقت بالیقیں ہٰذا

وجود کی بابت ملک العلماء علامہ عبد العلی بحر العلوم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کی ذات وجود محض ہے۔ وہ عارضی اوصاف سے پاک ہے۔ وہ اپنی ذات کے مرتبہ میں موجود بہ اعتبار ما قام بہ الوجود نہیں ہے۔ یعنی جس سے وجود کا قیام ہو، بلکہ وہ نفسِ وجود ہے۔ اور موجود بنفسہ ہے۔ کسی عرض کی بنا پر اس کا وجود نہیں

ہے۔ کیونکہ یہ انتزاعی وصف ہے اور وہ اپنی ذات کے مرتبہ میں معدوم نہیں ہے۔ بلکہ واجب الوجود ہے۔ عدمیت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ چونکہ وہ خود اس مرتبہ میں وجود ہے"

(وحدۃ الوجود و شہود الحق فی کل موجود ص ۷۱ مترجمہ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی)

" اس کی صفات جیسے علم و قدرت وغیرہما اس مرتبہ میں نہیں ہیں۔ اس کی ذات ہی وجود مطلق ہے۔ اس کے پاس اس کی ذات حاضر ہے۔ وہ اپنے ذاتی کمال کے ساتھ ہے۔ اس کے لئے وجوب اور استغنا ثابت ہے۔ وہ اس مرتبہ میں عالم سے غنی ہے۔ اس مرتبہ تک کسی کا ادراک نہیں پہنچتا۔ اس مرتبہ میں تمام اشیاء ہالک ہیں۔

حافظ شیرازی اسی مرتبہ کے متعلق ارشاد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ع

" عنقا شکار کس نشود دام باز چیں "

قدوۃ الصدیقین، خلیفۂ رسول رب العالمین ظاہراً و باطناً ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ العجز عن درکِ الأدراک ادراک نارسائی کا سمجھ لینا ہی رسائی ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ تک کسی کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی۔"

(وحدۃ الوجود و شہود الحق فی کل موجود ص ۷۱۔۷۲ مترجمہ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی)

پھر چند سطروں کے بعد ملک العلماء علامہ عبدالعلی بحر العلوم

لکھنوی ثم مدراسی علیہ الرحمہ مرتبۂ احدیت کی مزید تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس پاک ذات کو جو کہ وجودِ مطلق ہے اور ذاتی کمال کے ساتھ پردۂ غیب میں ہے۔ غیب الغیب کہتے ہیں۔ اپنے مدارک اور مجالیات میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اور عارفوں پر اس کا شہود ہوتا ہے۔ یہ مجالی اس ذات کی تعینات اور شیونات ہیں جو کہ نہ تمام ہونے والی ہیں۔ لیکن ان مراتب کی کلیات چھ(۶) ہیں۔

تنزلات ذات کے چھ (۶) مراتب

تنزلات ذات کے مراتب کُلِیّہ چھ(۶) ہیں [1]۔"

(وحدۃ الوجود و شہود الحق فی کل موجود ص۷۲۔۷۳ مترجمہ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی)

اور وجود کے بارے میں حضرت بحر العلوم عبد العلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا مولوی اعلحضرت سید شاہ محمد عبدالغفار صاحب قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

"اور حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی الکھنوی ثم المدراسی قدس سرہ نے ابتدائے شرح مثنوی شریف میں فرمایا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

---

[1] اور ان کو تنزلاتِ سِتّہ کہتے ہیں۔ (رضاء الحق آمری)

وَاَنَّ لِذَالِكَ الْوُجُودِ مَرَاتِبُ كَثِيرَةٌ اس وجود کے مراتب بہت ہیں یعنے سات مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہٗ لا ظہور و لا تعیّن ہے باقی چھ مرتبے ظہور اور تعین کے ہیں ان کو تنزّلات ستّہ بھی کہتے ہیں۔

اَلْمَرْتَبَةُ الْاُولىٰ مَرْتَبَةُ لَا تَعَيُّنٌ وَالْاِطْلَاقُ وَالذَّاتُ الْبَحْتُ لَا بِمَعْنىٰ اَنَّ قَيْدَ الْاِطْلَاقِ وَ مَفْهُومُ سَلْبِ التَّعَيُّنِ ثَابِتَانِ فِى تِلْكَ الْمَرْتَبَةِ بَلْ بِمَعْنىٰ اَنَّ ذَالِكَ الْوُجُودَ فِىْ تِلْكَ الْمَرْتَبَةِ مُنَزَّهٌ عَنْ اِضَافَةِ النُّعُوتِ وَالصِّفَاتِ وَمُقَدَّسٌ عَنْ كُلِّ قَيْدٍ حَتّىٰ عَنْ قَيْدِ الْاِطْلَاقِ اَيْضاً وَهٰذِهِ الْمَرْتَبَةُ تُسَمّىٰ بِمَرْتَبَةِ الْاَحَدِيَّةِ الذَّاتِيَّةِ وَهِىَ كُنْهُ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ تَعَالىٰ وَلَيْسَ فَوْقَهَا مَرْتَبَةٌ اُخْرىٰ بَلْ كُلُّ الْمَرَاتِبِ تَحْتَهَا

مرتبہ پہلا مرتبہٗ لا تعین ہے اور اطلاق اور ذات بحت کا ہے نہ ان معنوں سے کہ قید اطلاق اور مفہوم سلب تعین کا اس مرتبہ میں پائی جاوین بلکہ ان معنون سے کہ یہ وجود اس مرتبہ مین منزہ ہے نسبت سے تمام نعوت و اوصاف کے اور مقدس ہے تمام قیودات سے حتی قید اطلاق سے بھی اس مرتبہ کو مرتبہٗ احدیت ذاتیہ کہتے ہین یہی ہے کنہ اور حقیقت اور بھید اس تعالیٰ شانہ کا اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہین بلکہ تمام مراتب اس سے نیچے ہین۔“

(زبدۂ غفاریہ ص ۲۲۔۲۳)

اسی کتاب میں صفحہ ۲۳ اور صفحہ ۲۴ پر درج ہے

” اور یہاں جو وجودِ باری تعالی کو مطلق و اطلاق کہا گیا اس کی تشریح موافق اصطلاح عرفا یہ ہے کہ وجود کے تین اعتبار ہین

ایک یہ کہ اس کا اعتبار بشرط شئ کے ہو۔ اس صورت میں وجود مقید ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اعتبار اس کا بشرط لا شئ کے ہو اس صورت مین وجود عام ہوگا۔ لاکن قید عموم سے۔ تیسرا یہ کہ اعتبار اس کا لا بشرط شی ہو اس صورت میں مطلق وجود کہا جائیگا۔ پس وجودِ مطلق کے دو اعتبار ہین ایک قید عموم جو بشرط لا شی ہے دوسرا مطلق عن الاطلاق بلا قید عموم جو لابشرط شی ہے اگر اطلاق وجود مطلق کا غیر ذات باری تعالیٰ پر کیا جاوے تو وہ بشرط لا شی ہے اگر اطلاق اس وجود مطلق کا ذات باری تعالی پر کیا جاوے تو وہ لا بشرط شی ہے بلا لحاظ قید عموم و اطلاق جو مطلق وجود سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ مرتبہ نعوت و اوصاف سے مبرا اور تمام قیود سے مصفا ہے جیسا کہ حضرت جامی قدس سرہ السّامی نے لوائح شریف مین فرمایا۔

ہر چند کہ جانِ عارف آگاہ بود
کے در حرم قدس تواش راہ بود
دست ہمہ اہل کشف و اربابِ شہود
از دامن ادراک تو کوتاہ بود

اور سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ای برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

اصطلاحِ میں صوفیہ کرامِ کے اس پہلے مرتبہ کے اور نام بھی ہیں۔ احدیّت مطلقہ۔ و احدیت صرفہ۔ و احدیت لا تعین۔ و لا بشرط شی۔ و عالَم لاہوت۔ و اَزَلُ الازال۔ و عینَ کافور۔ و ذات بحت۔ و مشکوٰت غیبیّہ۔ و ذات بلا تعدد۔ و ذات ہویّت۔ و ذات ہُوَ ہُوَ۔ و وجودِ بحَت۔ و عدمِ عدم۔ و وجود مطلق۔ و بطون بطون۔ و کمونِ کمون۔ و خفاء خفا۔ و قِدمِ قدم ۔ و اوّل لا نہایت۔ و آخر لا بدایت۔ و غیب ہویّت۔ و غیبُ المُصون۔ و غیبُ الغیب۔ و ذاتِ صرفہ۔ و ذاتِ بلا اعتبار۔ و ذاتِ مُطلق۔ و ذاتِ ساذِج۔ و ذاتِ احدیّت۔ و مطلقِ وجود " (زبدۂ غفاریہ ص ۲۳ ۔ ۲۴)

ڈاکٹر اعجاز مدنی کی تصنیف " اردو غزل میں تصوف ولی سے اقبال تک " میں " وجود " (وجودِ مطلق) کی تعریف حسبِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

" ذات۔ وجودِ مطلق۔ اس طور پر کہ تمام اعتبارات اور اضافات اور نسبتیں اور وجوہات ساقط کردئے جائیں۔"

(اردو غزل میں تصوف ولی سے اقبال تک از ڈاکٹر اعجاز مدنی ص ۱۳۹)

فرد الافراد قطب الارشاد مولانا مولوی عبد الحق محمد مخدوم القادری المعروف بہ دستگیر صاحب ساوی قدس سرہ اپنی بےنظیر تصنیف میزان التوحید میں تحریر فرماتے ہیں

" پس درینصورت متحقق شد کہ اللّٰہ یکی است یعنی ذات یکی است یعنی ہستی یکی است " (میزان التوحید ص ۹۷)

ترجمہ:- پس اس صورت میں متحقق ہوا کہ اللہ ایک ہے یعنی

ذات ایک ہے یعنی ہستی ایک ہے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچی کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہی ہستی(وجود) یعنی ما بہ الموجودیت ہے۔ جسے وجودِ محض یا وجودِ مطلق بھی کہتے ہیں۔

وجود (ما بہ الموجودیت) ذاتِ واجب الوجود کا عین ہے۔ مگر ذاتِ ممکن (عبد) کا غیر۔ اس حقیقت پر قطب الارشاد مولانا مولوی عبد الحق محمد مخدوم القادری المعروف بہ دستگیر صاحب ساوی قدس سرہ العزیز مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

" امّا در ذات واجب و ممکن غیریت حقیقی است نہ مجازی "

(میزان التوحید ص ۱۰۴)

ترجمہ:- لیکن ذاتِ واجب اور ذاتِ ممکن میں حقیقی غیریت ہے نہ کہ مجازی۔

اور تحریر فرماتے ہیں کہ

" اگرچہ وجود بہ نسبت حق سبحانہ عین ذات است امّا بہ نسبت ممکن وجود غیر ذات اوست۔" (میزان التوحید ص۱۰۴)

ترجمہ :۔ اگرچہ وجود حق سبحانہٗ کی نسبت سے عینِ ذات ہے لیکن ممکن (مخلوق) کی نسبت سے اُس کی ذات کا غیر ہے۔

ذاتِ حق وجودِ مطلق ہے اس صداقت کا ثبوت قدوۃ السالکین حضرت مولٰینا مولوی حافظ حاجی سیدشاہ عبداللطیف المعروف قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کے حسبِ ذیل ارشاد سے بھی ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں :

" صاحب انسان کامل نے پندرہویں باب میں تجلّیِ ذات کا

بیان کیا ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ جان لو کہ ذات وجودِ مطلق سے عبارت ہے بغیر کسی اعتبار، اضافت، نسبت یا وجہ کے۔ یہ اس سبب سے نہیں ہے کہ یہ اعتبارات، اضافات، وجوہات اور ساری نسبتیں وجودِ مطلق سے خارج میں وجود رکھتی ہیں بلکہ اس طرح کے تمام اعتبارات اپنی تمام نسبتوں کے وجود مطلق ہی میں داخل ہیں لیکن وجود مطلق میں نہ کوئی اور ذات ہے نہ اعتبار بلکہ یہ عین وجود مطلق ہے اور یہ وجود مطلق وہ ذات ساذج ہے جس میں نہ کوئی ظہور ہے، نہ اسم ہے، نہ صفت ہے، نہ نسبت ہے اور اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے (یہاں ذات مطلق کا تصور بغیر صفت کے کیا گیا ہے جسے ذاتِ صرف یا ذات بحت کہتے ہیں اس کو ذات ساذج بھی کہا ہے یعنی ابھی جس سے صفات کا ظہور نہیں ہوا ہے)"

(جواھرالسلوک مترجم پروفیسر سید وحید اشرف اللطیف ۱۴۲۰ھ ص ۱۰۳۔۱۰۴)

قبلۂ عالم خواجہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ حسنی گیلانی وجود اور وحدۃ الوجود کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

" خلاصہ یہ کہ ذات من حیث ہی عند الفریقین (وُجودیہ و شُہودیہ) غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اَور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیٌٔ ہے۔ اَور ذات من حیث الاسماء والصّفات عند الوجُودیہ عین عالم ہے۔ بایں معنیٰ کہ وُہی ذات حق سُبحانہ و تعالیٰ بطورِ تنزّل ہر تعیّن میں متعیّن ہُوئی۔ پس فرق صرف اطلاق و تقیید کا ہے ۔ یعنی مرتبۂ اطلاق میں واجب اور معبود ہے اور درجۂ تعین میں ممکِن اَور عابد۔" (ملفوظاتِ مہریہ ص ۱۹)

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :
" پس معنی وحدت الوجود کا یہ ہوا کہ وحدت بمعنی یگانگی ہے۔
وجود بمعنی مصدری نہیں بلکہ ما بہ الموجودیت۔ اور وہ عبارت ہے
ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالےٰ سے۔ یعنی عالم یگانگی حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔
اور بس کہ بطریقِ تنزّل ظہور فرمایا۔" (ملفوظاتِ مہریہ ص ۱۹)
اس موقع پر مجھے جامیٔ دکن شمعِ خاندانِ چشت حضرت شاہ کمال
دوم (گُرم کنڈہ) کے حسبِ ذیل اشعار یار آرہے ہیں۔

جامیؒ مستِ وحدت مے　　کیا خوش نکتہ فرماگئے
تقیدا جو عالم ہے　　واللہ اطلاقاً او شیٔ
حق ہی حق ہے حق ہی حق

میرے پر دادا پیر کنز العرفان، ابوالایقان، مبلغِ اسلام و احسان
حضرت غوثی شاہ قدس اللہ سرہ العزیز وحدت الوجود کے مسئلہ پر روشنی
ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:
" وَحدَۃُ الُوجودُ : اس کا لفظی معنی ہے " ایک وجود اور اصطلاحاً
اس کے دو معنےٰ ہیں۔ ایک اصطلاحِ فلسفہ جس میں وجود کے معنی
معقولاتِ ثانویہ کے لیے جاتے ہیں، یعنی بمعنی تحقیق و ثبوت، جو
کہ خارج میں نہیں۔ دوسری اصطلاح صوفیہ جسمیں وجود کا معنی ہے
"ہست" جس کو ما بہ الموجودیت کے معنیٰ میں برتتے ہیں، یعنی ایک
ہی وجود کو تسلیم کرکے کثرتِ خلق کو اس کے مظاہر سمجھتے ہیں

اور یہی معنیٰ مُصطلحِ قوم ہے لہٰذا اسی معنیٰ کے اعتبار سے بحث کی جائے گی۔

دور بینانِ بارگاہ الست پیش ازیں پۓ نہ بُردہ اند کہ ہست

صوفیائے کرام چونکہ وجود کا معنیٰ ہست اور ہستی لیتے ہیں، لہٰذا ہستِ حقیقی ہی کو یہ حضرات اللہ اور حق اور خدا کہتے ہیں اور چونکہ ہست حقیقی واحد ہی ہے اور ہستی کا ایک سے زائد ہونا عقلاً نقلاً بداہۃً محال بھی، اس لئے کہ ایک ہستی ختم ہو لے گی یا فنا ہوجائے گی تو دوسری ہستی کی گنجائش ہوگی، اور ظاہر ہے کہ ہستی کی تعریف یہی ہے کہ وہ باقی ہے اور بے حد: وحدۃ الوجود کہتے ہیں اور یہ معنےٰ گویا وحدہ لا شریک لہ کا مترادف ہے اور بس۔ اسی کو اصطلاحِ قرآن میں ھویّت کہیئے، اور آیتِ ھویّت بھی قرآن میں ایک ہی آئی ہے۔ ھُو الاَولُ وَالاٰخر والظّاھرُ وَالُباطِنُ و ھُوَ بکُل شیً عَلیم یعنی وہی اول بھی ہے آخر بھی ظاہر بھی ہے باطن بھی اور وہی شئے کو جانتا بھی (پ ۲۷۔ رکوع ۱۷)(نورالنور ص ۹۔ ۱۰)

کنز العرفان قدس سرہٗ اسی ”ھویّت“ پر مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:-

" توحیدِ ذاتی [1]

اس کا تعلق ھویتِ ذاتِ الٰہیہ سے ہے یعنے اللہ ہی قیوم اول آخر ظاہر باطن ہے قائم بنفسہٖ و مقوم لغیرہٖ۔ یعنے موجود اپنی ذات سے اور اپنے غیر کو موجود کرنے والا ظاھرٌ بنفسہٖ و مظہرٌ لغیرہٖ یعنی اپنی ذات سے ظاہر اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والا۔"

(سیدی سرکار پر دادا پیر حضرت غوثی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تعلیمات کی کتاب جو میرے والدِ ماجد دامت برکاتہم کے پاس محفوظ ہے یہ عبارت وہاں سے نقل کی گئی ہے۔ رضاء الحق آمری)

توحیدِ ذاتی کو "ہمہ اوست" اور "وحدۃ الوجود" بھی کہتے ہیں

جامع شریعت و طریقت و قاطع شرک و بدعت پیر دستگیر مرشد روشن ضمیر حضرت سیّد شاہ عبدالحق المعروف بہ شاہمیر بادشاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اپنی بلند پایہ تصنیف " ہدیۂ صوفیہ حصہ دوم حقیقتِ محمّدیّہ" میں تحریر فرماتے ہیں

---

[1] دیکھئے اشاراتِ سلوک مرتّبہ حضرت پیر غوثی شاہ علیہ الرحمہ ص ۱۵

نوٹ:- توحیدِ ذاتی کو توحیدِ وجودی بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے قالِ صحیح حصۂ سوم ص ۳۰۔ از: حضرت درویش میر شبیر علی صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ

" اور توحید ذاتی کو ہمہ اوست نام رکھتے ہیں "

(ہدیۂ صوفیہ حصہ دوم حقیقتِ محمدیہ ص ۱۴)

" وحدۃ الوجود " ہی کو " ہمہ اوست " بھی کہتے ہیں اس کے ثبوت میں صاحبِ " مخدوم الاعجاز شرحِ گلشن راز " سید شاہ محمد مخدوم الحسینی القادری النظامی المشہور بہ سید خواجہ پیر حسینی شیخ الفقہ والاصول و مفتیٔ مدرسۂ نظامیہ حیدرآبادی کی درجِ ذیل عبارت غور سے پڑھیں۔

" وجودیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حقیقت میں ایک ہی وجود ہے یہ وحدت الوجود ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ ایک وجود واجب تعالیٰ کا ہے اور تمام عالم اس ایک وجودحق کے لباسات و تعینات وشئونات و مظاہر و مجالی ہیں۔

ان لباسات میں وہی ایک وجودحق ظاہر و جلوہ گر ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ اشیاء کے حقائق دراصل ثابت نہیں ہیں بلکہ وجودیہ حقائق الاشیاء ثابتہ کے معتقد ہیں اور رب کے احکام رب پر اور عالم کے احکام عالم پر ثابت کرتے ہیں

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اور عالم کے تعینات کو اعتبارات جو کہتے ہیں اس سے اعتبار واقعی مراد ہے " ......الخ (مخدوم الاعجاز اردو شرح کامل گلشن راز ص ۱۸)

سلطان العارفین حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ وحدت الوجود

کو قرآن سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ کتب تفاسیر میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں جس جگہ لفظ عبادت آیا ہے اس سے مراد توحید ہے اور اصول کے قاعدے پر لاؔ تشرکوا مطلق ہے اور شیئاً عام غیر مخصوص البعض ہے پس ان مقدمات کے مقتضا کے مطابق آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ عبادت میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح امور میں سے کسی امر میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں اور شریک لغتاً و شرعاً و عرفا وہ ہے کہ اس کے لئے دوسرے کے ساتھ شریک ہو امور میں سے کسی امر میں، جب غیر کا وجود ثابت ہوگا جبھی وہ شریک ہوسکتا ہے اور باری تعالیٰ کا ذات و صفات و افعال میں کوئی شریک نہیں۔ ......الخ (لطائف اشرفی جلد پنجم ص ۱۰۴ اردو ترجمہ)

ذات میں شریک کی نفی اس کے وجود کی نفی ہے (اسکے وجود کی نفی سے مراد شریکِ باری تعالیٰ کے وجود کی نفی ہے۔ (رضاء الحق آمری)

اس آیتِ مقدسہ کے علاوہ اور کئی آیات و احادیث سے سلطان العارفین حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کو ثابت فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے لطائف اشرفی۔ اس کتاب میں وحدت الوجود کا موضوع ضمناً زیرِ بحث آیا ہے لہٰذا احقر یہاں اس مسئلہ کی تفصیلات میں نہ جانے پر معذرت خواہ ہے۔ اس نہایت تفصیل طلب موضوع کو سمجھنے کے

لئے میرے پردادا پیر کنزالعرفان، ابوالایقان، مبلغِ اسلام واحسان حضرت غوثی شاہ قدس سرہ العزیز کی نادر روزگار تصنیف "نورالنور" کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ "لطائف اشرفی" (از حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ) "میزان التوحید" (مصنفہ فردالافراد قطب الارشاد مولانا مولوی عبدالحق محمد مخدوم القادری المعروف بہ دستگیر صاحب ساوی قدس سرہٗ) اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری علیہ الرحمہ کی یگانہ روزگار تصنیف "مجموعہء رسائلِ قربی" اس عنوان پر روشنی ڈالنے والی نہایت اہم کتاب ہے۔ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کی یادگار تصنیف "قرآن اور تصوف" اور بحر العلوم علامہ مولٰینا محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرت سابق پروفیسر و صدر شعبہء دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کی "المعارف" اور دیگر تصانیف میں اس موضوع پر نہایت وقیع مواد ملتا ہے۔

مخفی مباد کہ اس مختصر سی فہرست میں کئی اہم کتابوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جس کیلئے ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں۔

وحدت الوجود جیسے عمیق مسائل و مباحث کثرتِ مطالعہ کے زور پر سمجھے نہیں جا سکتے۔ یہ دشوار گذار مرحلہ مرشدِ کامل کی صحبت اور اس کی تعلیم و تلقین کی روشنی ہی میں بہ آسانی طے کیا جاسکتا ہے۔ الا ماشاءاللہ۔ نثر کے علاوہ نظم میں بھی تصوف و سلوک کے اہم موضوعات پر اہلِ حق نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مثنویٔ مولویٔ معنوی (مصنفہء مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ) دیوانِ حافظ (از

حضرت حافظؔ شیرازی علیہ الرحمہ) اور مولٰینا شیخ نجم الدین محمود شبستری کی یگانہء روزگار مثنوی گلشن راز جو اول الذکر دونوں تصانیف کی طرح فارسی زبان و ادب کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اس عظیم الشان مثنوی کے حوالے قطب الارشاد مولٰینا مولوی عبدالحق محمد مخدوم القادری المعروف بہ دستگیر صاحب ساوی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب مستطاب '' میزان التوحید '' میں دئے ہیں۔ اور دیگر اہلِ قلم صوفیہء کرام کے علاوہ میرے آٹھویں دادا پیر جامیٔ دکن شمعِ خاندانِ چشت سیدی شاہ کمال دوم نے بھی اپنی بے نظیر تصنیف '' کلماتِ کمالیہ '' (فارسی) (مترجمہء سیدی امام المحققین حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب علیہ الرحمہ) میں اس مثنوی کے حوالے پیش فرمائے ہیں۔

ان تینوں دینی اور فنی شہکاروں کے علاوہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ علیہ الرحمہ کا تصوف کے حقائق و معارف کی بلندیوں اور تمام محاسنِ شعری سے مالامال منظوم کلام اس باب میں بلند ترین مقام و مرتبہ کا حامل ادب ہے۔

اسکے علاوہ دیوانِ '' مخزن العرفان ''(مصنفہٗ جامیٔ دکن شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ) اس موضوع کی گراں قدر تصنیف ہے جو اردو شعر و ادب کے اعلیٰ نمونوں میں انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ان موقر دینی کاوشوں کو فنِ تصوف میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔ (اس فہرست کو بھی مشتے نمونہ از خروارے ہی کہا جاسکتا ہے)

حضرت شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ دیوانِ '' مخزن العرفان '' میں ارشاد فرماتے ہیں

ے

احادیث و آیات سے مستفاد
کلامِ کمالؔ ہے لا تنکروہ

اس شعر میں آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرا کلام آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ہی سے پھوٹی ہوئی روشنی ہے۔ آپ اپنے کلامِ بلاغت نظام کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ

ے

رمزِ توحید سے نہیں خالی
خواہ نثرِ کمالؔ یا منظوم

یعنی آپ کی نثر ہو یا نظم اس میں وحدت الوجود کے پیغام کی چاشنی ضرور پائی جاتی ہے۔ حضرت شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ کی صوفیانہ شاعری کے مقام و مرتبہ کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حکیم محمود بخاری صاحب مدظلہ العالی اپنی گراں قدر کتاب " شہ میری اولیاء " کے صفحہ ۱۱۴ پر رقمطراز ہیں کہ

" شاہ عبداللطیف ثانی قادری ویلوری المشہور بہ قطبِ ویلور نے اپنی تصانیف جواہر السلوک، فصل الخطاب بین الخطاء والصواب میں شاہ کمال کی بعض متصوفانہ غزلیں سنداً پیش کی ہیں۔"

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ کی نظم و نثر کو بہ طورِ سند پیش کیا جاتا ہے۔ اسی

لئے اس ہیچمداں نے اپنی زیرِ نظر کتاب میں جابجا اپنے آٹھویں دادا پیر (شاہ کمال دوم علیہ الرحمہ) کے اشعار کو بطورِ سند پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

وحدت الوجود کے باوجود عبد و رب کی ذاتوں میں ازل سے ابد تک حقیقی غیریت اور نفس الامری دوئی پائی جاتی ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ ایمانی صداقت ہے الغرض تصوف و سلوک کے حقائق و معارف سے لبریز شاعری ہو یا نثر اس سے کما حقہ مستفیض ہونے کے لئے کسی پیرِ کامل کی رہنمائی اور دستگیری نہیات اہمیت رکھتی ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

(پروفیسر اقبالؔ عظیم)

اس موقع پر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے منجھلے بھائی حضرت مولانا محمد حسن رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک یادگار شعر سن لیں

لب بند اور دل میں وہ جلوے بھرے ہوئے
اللہ رے جگر ترے آگاہِ راز کا

☆☆☆☆☆

ایک ضروری گذارش

بعض لوگ تصوف سے اپنی دلچسپی اور اس فن شریف سے اپنی واقفیت کا ثبوت دینے کے لئے بے تکلف دوستوں کے درمیان پارکوں، قہوہ خانوں، ریستورانوں، ہوٹلوں اور دیگر سیروتفریح کے مقامات پر مشکل ترین مسائل تصوف مثلاً وحدۃ الوجود وغیرہ موضوعات پر اظہار معلومات میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ اس طرزِ عمل کی وجہ سے نسبتاً کم دینی معلومات رکھنے والے مسلمانوں پر خصوصاً اور دیگر اہل اسلام پر عموماً نہایت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کو اپنے اس رویّہ سے باز آنا چاہیئے۔ تاکہ قوم مسلم میں آئینِ شرع کی خلاف ورزی کے جرائم تیزی سے نہ پھیل سکیں۔ عام آدمی تصوف کے ادق اور پیچیدہ مسائل سمجھنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ

اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ

(ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کی مناسبت سے گفتگو کیا کریں)

حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ

"مسئلہ وحدت الوجود را پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید برزبان آورد"

(مکتوبات کلیمی صفحہ ۷۴)

"مسئلہ وحدت الوجود کو ہر اپنے بیگانے کے سامنے نہیں بیان کرنا چاہیئے" (کائناتِ تصوف ص ۴۲۱)

تصوف کی غلط تفہیم کی وجہ سے یا اس کے پڑھنے یا سننے والوں کو اپنی کج فہمی کی پاداش میں اکثر اوقات الحاد اور بیدینی جیسے خطرناک نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) لہٰذا عوام کے سامنے ایسے مسائل و مباحث کو زیر بحث لانے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیئے۔

رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○

اکابر امت وحدت الوجود کے قائل ہیں

یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ اس امت کے اکابر "وحدت الوجود" کے کتاب و سنت سے مستفاد ہونے کے قائل تھے۔ اور تمام عمر اسی موقف پر قائم رہے۔ حسبِ ذیل بیان ہمارے اس دعوے کی صداقت پر بیّن دلیل ہے۔

" وحدت الوجود کے قائلین میں بڑے بڑے صلحاء و عارفین اور اکابر صوفیہ شامل ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ قادریہ میں شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ۔ شیخ صدرالدین قونویؒ۔

شیخ عبدالکریمؒ۔ شیخ عبدالرزاق جنجھانویؒ۔ شیخ امان پانی پتیؒ اور

کبرویہ میں حضرت مولانا رومؒ۔ حضرت شمس الدین تبریزیؒ۔ اور سہروردیہ میں سے شیخ فریدالدین عطارؒ اور چشتیہ میں سے سید محمد گیسودرازؒ۔ سید جعفر مکیؒ۔ اور نقشبندیہ میں سے حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ۔ اور مولانا جامیؒ۔ ملا عبدالغفور لاریؒ۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کابلی۔ شیخ عبدالرزاق کاشیؒ۔ شمس الدین فغازیؒ۔

سعیدالدین فرغانیؒ اور علمائے مدینہ منورہ سے حضرت شیخ ابراہیم کردیؒ مشائخ مکہ معظّمہ سے شیخ حسام الدین علی متقیؒ علمائے ہند میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کے قائل ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ اور خواجہ بزرگؒ اور خواجہ قطب الدینؒ کے کلام میں اس کے اشارات موجود ہیں اور خواجہ فریدالدین شکرگنجؒ سے تواتراً منقول ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو وحدۃ الوجود کی تلقین کرتے تھے۔

(کذافی فتاویٰ عزیزیؒ) (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم دفتر اول حصہ اول ص ۴۳)

ناظرین گرامی! آپ نے پڑھ لیا کہ وحدۃ الوجود کے قائلین میں کیسی قدآور شخصیات موجود ہیں۔ سرتاجِ اولیاء قطب الاقطاب غوث الثقلین میرمیراں محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی شان یہ ہے کہ

ان کے نام لیواؤں کو بھی حق جل مجدہٗ غوثیت عطا فرماتا ہے۔

غوث کو یا غوث کہتے کہتے ہوجاتے ہیں غوث
خواجگی مل جاتی ہے خواجہ کا تو دم بھر کے دیکھ

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس خود آپ رضی اللہ عنہ اس پُرعظمت ارشاد گرامی کے ذریعہ بیان فرماتے ہیں کہ

قَدَمِی هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ لِلّٰهِ

میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

ہراک اونچی نظر سے آپ ہیں کچھ اور بھی اونچے
مقام ایسا کیا ہے حق نے اونچا غوثِ اعظم کا

(حضرت کاملؔ حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ)

آپ کے کرامات بے شمار ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ

آدمیوں کے لئے پیر ہیں، قومِ جن کے لئے پیر ہیں، فرشتوں کے لئے پیر ہیں، اور میں سب کا پیر ہوں۔

جناب پیر سا اب کوئی آقا ہو نہیں سکتا
یہ وہ آقا ہے جس کا مثل پیدا ہو نہیں سکتا

(حضرت کامل حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے شاہزادگان کرام سے فرمایا

"بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعدما بین السماء والارض لاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علیَّ اَحداً" (بہجۃ الاسرار شریف)

یعنی مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقاتِ زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان و زمین میں۔ مجھ سے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس نہ کرو۔

آپ جس قافلہ کے میر کارواں ہوں وہ شرک و الحاد کی تاریکیوں میں کس طرح کھوسکتا ہے۔

ع

میں بہک سکوں یہ مجال کیا مرا رہنما کوئی اور ہے

اور

ع

وہ ساتھ ہیں جب میرے مجھے خوف وخطر کیا

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ وَسَلَّمَ عَلیٰ

خَیرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ

اَجْمَعِیْن۔

مآخذ و مراجع

قرآن شریف
تبیان القرآن
تفسیر ضیاء القرآن
شانِ حبیب الرحمٰن من آیات القرآن
جامع الاحادیث
سبع سنابل شریف
مشکوٰۃ
مسلم
بخاری
شرح صحیح مسلم
ترمذی
ابن ماجہ
مرآت المناجیح
کفایت المفتی
الملفوظ
نزھۃ القاری
بیان الفوائد

۱۸۔ مجموعۂ رسائل قربی علیہ الرحمہ

۱۹۔ جاء الحق وزھق الباطل

۲۰۔ العقائد الصحیحہ فی تردید الوھابیۃ النجدیہ مترجَم

۲۱۔ فتاویٰ مہریہ

۲۲۔ انوارِ احمدی

۲۳۔ اصلاح فکر واعتقاد مفاھیم یجب ان تصحح

۲۴۔ تفسیر صدیقی

۲۵۔ فتاویٰ رضویہ

۲۶۔ بہار شریعت

۲۷۔ فقہی اختلاف

۲۸۔ رسائل نعیمیہ سلطنت مصطفےٰ

۲۹۔ توضیح البیان لخزائن العرفان

۳۰۔ اطیب البیان فی ردّ تقویۃ الایمان

۳۱۔ مقاصد الاسلام

۳۲۔ فتاویٰ فیض الرسول

۳۳۔ فتاویٰ مصطفویہ

۳۴۔ تفسیر مظہری

۳۵۔ تفسیر نعیمی

۳۶۔ سرّ دلبراں

۳۷۔ قرآن اور تصوف

مرج البحرین مترجَم
کشف المحجوب اردو مدینہ پبلشنگ کمپنی
کتاب اللمع فی التصوف
حقیقت تصوف
التشرف بمعرفت احادیث التصوف
مع ترجمتہا الموسومۃ بہ تکمیل التصرف (الہادی)
انشائے لطف اللٰھی ترجمہ سالنامہ اللطیف
مقصد بیعت
خیر الفتاویٰ
امداد الاحکام
فتاویٰ محمودیہ
افکار شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ اور مسلک اہل سنت
حدائق بخشش
نظام العمل فقراء
مواعظ حسنہ
کلیاتِ امیر مینائی
معارف مثنوی منظومات مثنوی
انتخاب مکتوبات صدی
الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین
لطائف اشرفی

تفسیر روح البیان
کشف المحجوب مترجم میاں طفیل محمد
بصائر حکیم الامت
مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی
رسالہ قشیریہ
عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی
مکتوبات دوصدی مترجم حکیم سید شاہ قسیم الدین
رموز عشق
جوامع الکلم مترجم معین الدین دردائی
تذکرۂ حضرت شہ میر اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
فتاویٰ نظامیہ
فیصلہ ہفت مسئلہ
فتاویٰ رشیدیہ
امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات
نور النور
انفاس عیسیٰ
زبان میری ہے بات ان کی
اسرار خودی مع شرح پروفیسر یوسف سلیم چشتی
دیوانِ قربی علیہ الرحمہ

۷۷۔ میزان التوحید
۷۸۔ جواہر العرفان
۷۹۔ کلماتِ کمالیہ
۸۰۔ تجلیاتِ نورانی
۸۱۔ شہ میری اولیاء علیہ الرحمہ
۸۲۔ العرفان
۸۳۔ حسن السوال وحسن الجواب
۸۴۔ وحدۃ الوجود وشھود الحق فی کل موجود
۸۵۔ زبدۂ غفاریہ
۸۶۔ اردو غزل میں تصوف ولؔی سے اقبالؔ تک
۸۷۔ جواھر السلوک مترجم پرفیسر سید وحید اشرف
۸۸۔ ملفوظاتِ مہریہ
۸۹۔ اشاراتِ سلوک
۹۰۔ قالِ صحیح
۹۱۔ ہدیۂ صوفیہ حقیقت محمدیہ
۹۲۔ مخدوم الاعجاز اردو شرح کامل گلشن راز
۹۳۔ مخزن العرفان
۹۴۔ مکتوباتِ کلیمی
۹۵۔ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم
۹۶۔ وارداتِ کامل

۹۷۔ بھجۃ الاسرار شریف
۹۸۔ عقائد اہل سنت
۹۹۔ طیبات غوثی
۱۰۰۔ محوِ سجود
۱۰۱۔ کائناتِ تصوف
۱۰۲۔ کلیاتِ فانی
۱۰۳۔ جام بہ جام
۱۰۴۔ مثنوی مولانا روم
۱۰۵۔ دیوانِ حافظ شیرازی علیہ الرحمہ
۱۰۶۔ فرش پر عرش
۱۰۷۔ کلیاتِ جگر
۱۰۸۔ کلیاتِ اقبال
۱۰۹۔ دیوانِ غالب اردو
۱۱۰۔ کلیاتِ ناصر کاظمی
۱۱۱۔ امی لقبی
۱۱۲۔ دیوانِ میر
۱۱۳۔ شرحِ بانگ درا
۱۱۴۔ دیوانِ درد
۱۱۵۔ ترجمہ کنز الایمان
۱۱۶۔ شصت غزلِ مولانا

۱۱۷۔ الکشف
۱۱۸۔ مَعارِفُ الاکابِر
۱۱۹۔ اسرارِلاالٰہ الااللہ
۱۲۰۔ لاشریک (حمدیہ مجموعہ)
۱۲۱۔ چارسُو (رباعیات-زیرِطبع)

عقیدۂ اہل سنت

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضاخاں قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"ادراکِ حقیقت الٰہیہ میں انبیاء اولیاء عاجز ہیں۔ تجلیات ذاتی وصفاتی واسمائی نصیب انبیاء واولیاء حسب المراتب دنیا میں ہوتی ہیں۔"

(عقائد اہلسنت ص ۳)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں فرمایا ہے کہ

ائمہ اربعہ اور بیشتر ائمہ فقہاء مجتہدین صرف ظاہر ہی کے امام نہیں بلکہ تصوّف اور سلوک کے اور امورِ باطنہ کے بھی امام ہیں۔

(مَعارِفُ الاکابِر ص ۱۸۹-۱۹۰)

رباعیات

(پیرزادہ سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ رحمتی قادری)

گیسو ترے یاد آکے ہر الجھن سلجھائیں
دشتِ شب زندگی میں جب ہم گھبرائیں
یا غوثؓ ترے رخ کی دہائی جو نہ دیں
روٹھی ہوئی عاقبت کو کس طرح منائیں

☆

ہو دین کی خیرات کہ دنیا کی زکات
دیتے ہوئے تھکتے نہیں اس شاہ کے ہاتھ
یاد اس کی ہے ابر اور مری ہستی برسات
مت پوچھئے مجھ سے کرمِ غوثؓ کی بات

☆

ایماں ہے مرا نسبت غوث الثقلینؓ
پہچان مری مدحتِ غوث الثقلینؓ
ہے میرا عمل الفتِ غوث الثقلینؓ
اور اس کی جزا حضرتِ غوث الثقلینؓ

☆